مقالاتِ حجۃ الاسلام

مجموعہ تالیفات

سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہ

جلد ۵

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
0322-6180738, 061-4519240

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم

صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اِجمالی فہرست

1	الدليل المحكم على قرأت الفاتحة للمؤتم	5
2	عکس..... الدليل المحكم	29
3	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ شرح توثیق الکلام ......اور....... الدلیل المحکم	51
4	اسرار الطهارة.....اِفاضاتِ قاسمیہ	155
5	اِفاداتِ قاسمیہ (عکس)	191
6	الاجوبة الكاملة فی الاسولة الخاملة	225
7	عکس الاجوبة الكاملة	277
8	لطائف قاسمیہ	321
9	عکس لطائف قاسمیہ	365

الدَّلِيلُ الْمُحْكَمُ عَلٰى قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ لِلْمُؤْتَمِّ

(اُردو)

اس رسالہ میں بھی حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے امام کے پیچھے
سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی تحقیق بیان فرمائی ہے۔
''توثیق الکلام'' اور ''الدلیل المحکم'' درحقیقت ایک ہی کتاب کے
دو نام ہیں۔ البتہ ''توثیق الکلام'' میں چند سطریں زائد ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝ آمین.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

بعد حمد وصلوٰۃ! اَوّل چند باتیں عرض کرتا ہوں اس کے بعد مطلب اصلی عرض کروں گا اَوّل تو یہ گذارش ہے کہ اوصاف دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو بالذات دوسرے بالعرض حقیقت میں وہی اوصاف موصوف بالذات ہوتے ہیں جو بوجہ ارتباط باہمی موصوف بالعرض کی طرف مجازاً منسوب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ اَحوال کشتی و جالسان کشتی سے واضح ہے غرض یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس صورت میں وصف واحد ہوتا ہے پر موصوف متعدد کوئی موصوف بالذات کوئی موصوف بالعرض پھر موصوف بالعرض بھی ایک موصوف بالذات کے لئے متعدد ہو سکتے ہیں اور اسی تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ ضروریات وصف کی ضرورت فقط موصوف بالذات کو

ہوگی البتہ آثار وصف موصوف بالعرض کی طرف وصف کے ساتھ آئیں گے یہی وجہ ہے کہ اسباب محرکہ کی فقط کشتی کو ضرورت ہے البتہ تبدل اوضاع جو آثار حرکت میں سے ہے کشتی کی حرکت کی بدولت مثل حرکت کشتی نشین کو بھی میسر آجاتا ہے۔ گذارش ثانی یہ ہے کہ لفظ دال علی الوصف سے حقائق شناسوں کے نزدیک موصوف بالذات ہی مراد ہوگا ہاں اگر کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اس وقت موصوف بالعرض بھی مراد لے سکتے ہیں۔ عرض ثالث یہ ہے کہ جیسے ایک چیز کو باعتبارات مختلفہ معنے اور مدلول اور موضوع لہ اور مفہوم وغیرہ کہہ سکتے ہیں یا ایک شخص کو باعتبارات مختلفہ ''باپ، بیٹا، چچا، بھتیجا'' وغیرہ کہہ سکتے ہیں ایسی ہی نماز کو باعتبارات مختلفہ صلوٰۃ، ذکر، طاعۃ، حسنہ وغیرہ کہہ سکتے ہیں مگر جیسے معنے ومدلول وغیرہ اسماء یا باپ بیٹا وغیرہ القاب کے لئے اعتبارات جدا جدا ہیں اور آثار جُدا جُدا مثلاً باپ کے لئے تعظیم ہے اور بیٹے کے ذمہ اطاعت اور خدمت ایسے ہی نماز کے اسماء والقاب میں خیال کرنا ضرور ہے۔

عرض رابع یہ ہے کہ جیسے سائلوں کے عجز و نیاز و آداب و تعظیم و دعاء و ثنا بایں وجہ کہ بغرض سوال ہی ہوتے ہیں یا انجاح سوال کے بعد سوال پر متفرع ہوتے ہیں سب از قسم سوال سمجھے جاتے ہیں یا اُپلے لکڑی وغیرہ سامان پخت و پز کھانے ہی کی مد میں لکھے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سب کے دام لگا کر یوں کہا کرتے ہیں کہ کھانا اس مہینہ میں اتنے میں پڑا یا کھانے میں اتنا صرف ہوا ایسے ہی نماز کے ان افعال کو جو باعتبار ذات افعال اعتبار کے تلے اُن کا داخل کرنا حقیقت شناس رَوا نہیں رکھ سکتا بایں نظر کہ مقصود اصلی ان سے وہ اعتبار صلوٰۃ ہے یعنی اُس کے سامان ہیں یا اُس پر متفرع ہیں۔ یعنی اس کے آثار ہیں داخل صلوٰۃ سمجھنا لازم ہے مگر جیسے اُپلے لکڑی کو باوجود لحوق مذکور نہ وہاں رکھ سکتے ہیں جہاں کھانے کو رکھتے ہیں اُن کے لئے اگر کوٹھڑی یا صحن ہے تو ان کے لئے دیگ رکابی وغیرہ اور نہ وہ آثار اُن پر بذات خود متفرع ہوتے ہیں جو کھانے پر متفرع ہوتے ہیں نہ ان میں وہ مزا ہے نہ راحت رُوح افزا ہے روٹی وغیرہ کو

پانی توے، گھڑے وغیرہ کی حاجت اور لکڑی اُپلے وغیرہ کو آفتاب کی ضرورت توڑنے پھوڑنے کی حاجت ایسے ہی افعال صلوٰۃ و ملحقات صلوٰۃ کو باہم متغائر سمجھئے اور اگر اس سے بھی زیادہ روشن مثالی کی ضرورت ہو تو سُنئے رعایا کو بغرض عرض مطلب و استماع احکام شاہانہ دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے تمام آداب و تعظیمات جو وقت حضوری دربار بجالائے جاتے ہیں سوال ہی کی مد میں شمار کئے جاتے ہیں مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور استماع حکم کے لئے کان چاہئیں حضوری دربار کے لئے شست و شوئی دست و پا وردی اور درستی لباس کی ضرورت ہے اگر حضور نہ ہوتا تو اُس کی کچھ حاجت نہ تھی اور عرض مطلب و استماع حکم نہ ہوتا تو زبان و کان کی حاجت نہ تھی ایسے ہی اعتبار صلوٰۃ کے اور احکام ہیں اور اعتبار حضور کے اور احکام البتہ جیسے عرض مطلب وغیرہ بے حضور متصور ہیں ایسے ہی تحقق اعتبار بحضور متصور نہیں البتہ جیسے دربار کا جانا اور آداب کا بجالانا سب از قسم سوال ہی سمجھے جاتے ہیں اور کیونکر نہ سمجھے جائیں حضور دربار اسی لئے ہی بذات خود مطلوب نہیں ایسے ہی اعتبار صلوٰۃ اور اعتبار حضور کو متعانق اور متلازم خیال فرمالیجئے۔

عرض پنجم یہ ہے کہ احکام انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو از قسم روایت اور ایک از قسم درایت اوّل میں تو احتمال خطاء ممکن نہیں انبیاء کرام علیہم السلام صادق و مصدوق ہوتے ہیں وہ راوی خدائے تعالیٰ مروی عنہ خطا آئے تو کدھر سے آئے، ان احکام قسم ثانی میں گاہ و بیگاہ خطاء کا بھی احتمال ہوتا ہے اور اس لئے احتیاط کی بھی ضرورت ہوتی ہے البتہ اتنی بات مقرر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاء کی اصلاح ضروری ہے اس دعوے پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں پھر اس پر مرتبہ بشریۃ سے دُور نہیں اس لئے اس میں کج و کاہ کی حاجت نہیں۔

ان پانچ باتوں کے بعد گذارش ہے کہ صلوٰۃ کے لئے طول تو ایک رکعت سے زیادہ نہیں چنانچہ احادیث کثیرہ مثل ”من ادرک رکعۃ من الصلوۃ (الخ) من

ادرک رکعة من الجمعة (الخ)من ادرک رکعة من الصبح (الخ)من ادرک رکعة من العصر (الخ)'' اس پر شاہد ہیں ورنہ تخصیص رکعہ لغو ہے اور حدیث ''لا صلوة الا بفاتحة الکتاب'' بعد لحاظ اس اَمر کے کہ ہر رکعت میں ضرورت فاتحہ ہے وہ جس قسم کی ضرورت ہو اس کی مؤید ادھر شب معراج میں بوجہ تخفیف پچاس نمازوں کے بعد فقط پانچ نماز کا رہ جانا اس طرف مشیر ہے کہ استحباب پچاس کا ہنوز باقی ہے اور کیوں نہ ہو مقتضائے تخفیف بشہادۃ عقل سلیم یہی ہے۔

اور اگر کہیں اس کے مخالف نظر آئے تو وہاں یہ تخفیف ہی باعث تقلیل نہیں ہوئی بلکہ کسی حسن وقبح کا لحاظ بھی شریک حال ہے اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت وہمت سے یہ توقع ہے کہ آپ اس مستحب محبوب کو بے وجہ ترک نہ کرتے ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ شب وروز کو تتبع کیا تو پچاس ہی رکعتیں ہوتی ہیں ہاں اگر کبھی دن کو کچھ کمی ہوگئی تو رات کو غالباً جبر نقصان فرماتے تھے اور رات کو کچھ نقصان رہ گیا تو دِن کو اُس کو پورا فرماتے تھے اس معمولِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ طول صلوٰۃ ایک رکعت ہے مگر چونکہ دشواری پچاس بار کی حاضری میں تھی گو ایک ہی رکعت کے لئے کیوں نہ ہو تو تخفیف میں تنقیص اوقات زیادہ ملحوظ رہے علاوہ بریں فقہاء کا یہ ارشاد کہ صبح کی نماز کی ایک رکعت کے ملنے کی بھی اُمید ہو تو بطور معلوم سنت صبح کو ادا ہی کر لے کچھ یہی کہے ہے کہ وہ بھی صلوٰۃ ایک ہی رکعت کو سمجھتے ہیں یعنی جب تک ادائے صلوٰۃ بالجملۃ ممکن ہو سنت موکدہ صبح کو ترک نہ کرے دونوں فضیلتوں کو جمع کر لے ہاں اجتماع ممکن نہ ہو تو پھر جماعت زیادہ ضرور ہے بایں ہمہ بعد تمام رکعت عود ارکان سابقہ بھی بحکم فطرت سلیمہ اسی پر دال ہے کہ صلوٰۃ واحد ایک رکعت پر ختم ہوتی ہے اس صورت میں دو دو رکعت اور تین تین رکعت اور چار چار رکعت کو ایک صلوٰۃ کہنا بایں اعتبار ہے کہ فصل بالاجنبی کی اجازت نہیں مگر جیسے اس صورت میں صلوٰۃ متعددہ کو ایک صلوٰۃ بوجہ مذکور سمجھتے ہیں ایسے ہی

صلوٰۃ امام ومقتدی کو جو بدلالۃ وجوہ لاحقہ واحد ہے بوجہ تعدد مصلیین متعدد سمجھتے ہیں۔
وجہ اوّل تو یہ ہے کہ افضلیت امام علی الترتیب المعلوم اس بات پر شاہد ہے کہ جیسے حرکت کشتی نشین سرعۃ وبطور استقامۃ واستدارۃ وغیرہ میں تابع حرکت کشتی ہے ایسی ہی فضیلت ونقصان میں صلوٰۃ مقتدی تابع صلوٰۃ امام ہے یہی وجہ ہوئی کہ امام کا اعلم و اقراء واورع وغیرہ ہونا محمودہ مستحب ہوا اگر اوروں کی نمازیں جُدا جُدا ہوتیں اور اس اَمر میں ایک دوسرے سے مستقل ومستغنی ہوتا تو آگے پیچھے کھڑا ہونا کچھ اس بات کو مقتضی نہ تھا کہ امام ایسا ہونا چاہئے ورنہ بہت سے منفرد بھی اس حکم کے مخاطب ہوتے الغرض مثل کشتی وجالسان کشتی اگر امام کی طرف سے افاضہ اور مقتدیوں کی طرف سے استفاضہ نہیں تو افضلیت امام پھر کاہے کے لئے ہے۔

دوسرے حدیث اَلْاِمَا مِاضَامِنٌ اس بات پر شاہد ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم ہے اور مقتدی کی نماز فاسد ہو تو اُسی کی فاسد ہو گی اور کسی کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ضمانت وجوب حق پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ ادائے حق ضمانت سے اصل مدیون بری ہو جاتا ہے ورنہ باردین اُس کی گردن پر رہے گا اور مدیون اگر عوض مال مودی ضامن کو نہ دے تو مدیون ہی کے ذمہ مطالبہ رہے گا ضامن کے ذمہ کسی کا مطالبہ نہ رہے گا اس لئے یہ ضرور ہے کہ حق ضمانت امام سے ادا نہ ہو تو مقتدیوں کی برات بھی متصور نہیں اور مقتدیوں سے واجب ادا نہ ہو تو اِمام کی برات میں کلام نہیں۔ غرض فساد نماز امام سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہو جانا وغیرہ الخ اس پر شاہد ہے کہ مثل حرکت کشتی صلوٰۃ امام مقتدیوں کی طرف منسوب ہو جاتی ہے اور جیسے کہ سکون کشتی سے سکون جالس ضرور ہے اور سکون جالس سے اُسی کا سکون لازم آتا ہے اور دن تک متعدی نہیں ہوتا ایسے ہی دربارہ فساد یہاں بھی یہی حال ہے۔

تیسرے وجہ یہ ہے کہ جیسے بوجہ تندی ہوا وغیرہ موجبات اضطراب سے اگر کشتی مضطرب ہوتی ہے تو جالسان کشتی کا اضطراب یعنی تہ وبالا ہونا ضرور ہے اور فقط کشتی

نشین کو اگر ہوا تند لگے تو نہ وہ تہ وبالا ہو نہ کوئی اور سوا اس کے اور وجہ اس کی وہی اتحاد حرکت بطور معلوم ہے اور اسی وجہ سے اس اضطراب وعدم اضطراب سے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ادھر سے افاضہ اور اُدھر سے استفاضہ ہے۔

ایسے ہی سہو امام سے سب پر سجدہ سہو کا لازم آنا اور مقتدی کے سہو سے کسی پر سجدہ کا لازم نہ آنا اتحاد صلوٰۃ پر بطور معلوم دال ہے اور اُس کو دیکھ کر اہل فہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ امام کی طرف سے افادہ اور اُدھر سے استفادہ ہے۔

چوتھے رکوع وسجود میں تقدیم وتاخیر کا مقتدیوں کے حق میں ممنوع ہونا بشہادۃ فطرت سلیمہ اس پر شاہد ہے کہ امام ہی کی نماز مقتدیوں کی طرف منسوب ہے ورنہ در صورت استقلال یہ ممانعت لغو تھی۔ پانچویں امام کے سترہ کا مقتدیوں کے حق میں کافی ہو جانا چنانچہ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اُس پر شاہد ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصل مصلّی وہ امام ہے اور مقتدی اُس سے مستفیض ہیں الغرض صلوٰۃ امام ومقتدی بوجوہ مذکورہ واحد ہے امام اصل اور موصوف بالذات ہے اور مقتدی تابع اور موصوف بالعرض اور کیوں نہ ہو اگر اختلاف تشکلات قمر وغیرہ معلومہ سے قضیہ نور القمر مستفاد من نور الشمس کا یقین ہو جاتا ہے تو یہاں بھی استفادہ معلوم کا یقین ضرور ہے۔

اس لئے ضروریات اعتبار صلوٰۃ یا یوں کہئے ضروریات اعتبار اتصاف بالذات مثل قرأت سب امام کے ذمہ رہیں گے اور ضروریات اتباع یا یوں کہئے ضروریات اتصاف بالعرض مثل نیت اقتداء سب مقتدیوں کے ذمہ اور ضروریات اعتبار حضور مثل رکوع وسجود وغیرہ دونوں میں مشترک شرح اس معما کی یہ ہے کہ صلوٰۃ کو تو صلوٰۃ باعتبار عرض معروض معلوم واستماع احکام مقررہ جو قرأۃ فاتحہ اور قرأۃ سورۃ میں ہوتا ہے کہتے ہیں وجہ اس کی اوّل تو یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ بدلالۃ فقہ اللغۃ اس جانب مشیر ہے کہ دُعائے لسانی مقصود ہے دوسرے جیسے قوۃ باصرہ وغیرہ قوی کو دیکھنے سننے کے لئے بنایا اور اس لئے یہ اُمور ان قوی کے حق میں طبعی ہیں ایسے ہی بدلالۃ ”وما خلقت الجن

والانس الا لیعبدون "نفوس انسانی کو عبادت کے لئے بنایا ہے اور اس وجہ سے عبادۃ اُن کے حق میں ایک خواہش طبعی ہوگی مگر چونکہ طاعت و عبادت اُس کو کہتے ہیں کہ مطاع و معبود کے موافق مرضی کیا کرے مگر اُس کی مرضی کا جاننا اُسی کے بتلانے پر موقوف ہے اس لئے بالضرور بحکم شوق عبادۃ اللہ تعالیٰ سے استدعا ہے بدلیہ ضرور ہوئی سواصل میں ایسی استدعا اور استدعا کے جواب کے استماع کے لئے یہ افضل العبادات یعنی نماز مقرر ہوئی قیام کا اس لئے موضوع ہونا تو خود ہی ظاہر ہے رہا رکوع و سجود اگر نظر سرسری سے دیکھئے تو یہ بھی مثل "سبحانک اللھم" اس کے ملحقات میں سے ہیں اگر "سبحانک اللھم" بمنزلہ سلام دربار ہے تو رکوع و سجود مثل آداب و نیاز وقت انعام ہیں یعنی جب سوال اهدنا الصراط المستقیم کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلالت ذلک الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین۔

یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہوگیا اور اس کی اُمید پوری ہوگئی اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب و نیاز بجالانا اُس کے ذمہ ضرور ہوا البتہ اس تقریر کے موافق یہ مناسب تھا کہ سارا قرآن مجید فاتحہ ہر رکعت میں پڑھا جایا کرتا کیونکہ مجموعہ کتاب کی نسبت یہ ارشاد ہے هدی للمتقین شاید یہی وجہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے بعض اوقات ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھ لیا تھا مگر جیسے پانی کے ہر قطرہ کو پانی اور خاک کے ہر ذرّہ کو خاک کہتے ہیں ایسے ہی قرآن کے ہر ٹکڑے کو بشرطیکہ کتاب ہونا یعنی حال خبر یا طلب ہونا اس میں پایا جاتا ہو کتاب کہہ سکتے ہیں۔

اس لئے بغرض تخفیف تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا چنانچہ "علم ان لن تحصوه فتاب علیکم فاقروا ما تیسر منه" بھی اس پر شاہد ہے کہ اصل یہی تھا کہ سب پڑھا جایا کرتا پر تخفیف کے باعث کمی کی اجازت ہوگئی بالجملہ باعتبار حقیقت، نہ وہ از قسم استدعا نہ یہ از قسم دعا مگر چونکہ بلحاظ عظمۃ وشان مسئول عنہ سوال کے لئے یہ دونوں ضروری ہیں تو جیسے سامان پخت و پز ملحق بالطعام ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اُوپر عرض کر چکا ہوں ایسے ہی یہ بھی ملحق بالسوال ہیں اور غور سے دیکھئے تو رکوع و سجود اُن دونوں حالوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ سراپا اطاعت کو وقت سوال و استماع مژدہ انجاح ہونے چاہئیں یعنی سائل کو اوّل تو مسؤل عنہ کی طرف میلان ضرور ہے اُس میلان ہی پر سوال متفرع ہوتا ہے۔

چنانچہ ظاہر ہے اور بعد استماع مژدہ جان بخش خاص اُس صورت میں جس میں مطلوب دلی طالب رضائے محبوب ہو انقیاد اور امتثال لازم ہے اوّل پر تو رکوع دال ہے چنانچہ اُدھر کو جھکنا اور پھر بعد رکوع "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا اُس پر شاہد ہے جھکنا تو خود اس عالم شہادت میں تعبیر میلان ہے اور "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا بے اس کے موزوں نہیں ہو سکتا کہ رکوع کو سوال حالی کہئے اور انتظار توجہ محبوب کو جس کو استماع سے تعبیر کیا کرتے ہیں اس کی مقتضیات میں سے قرار دیجئے اور ثانی پر سجود دلالت کرتا ہے کیونکہ منقاد کا زیر حکم متقادلہ ہونا اس کی تسفل اور اُس کی ترفع اس کے تذلل اس کے تعزز پر دلالت کرتا ہے مگر چونکہ میلان فی حد ذاتہ ایک اُمر واحد ہے اور امتثال کی متعدد صورتیں جیسا حکم ہوگا ویسا ہی اس کا امتثال ہوگا اس سے رکوع میں وحدۃ اور سجود میں تعدد مطلوب ہوا یا یوں کہئے اصل انقیاد شوق ہے یا خوف ہے اور باعث شوق اگر اسم نافع ہے تو موجب خوف اسم ضار اس لئے دو سجدے مقرر ہوئے تا تشتت انواع امتثال پر دلالت کرے۔ بہر حال سوال قالی کے ساتھ سوال حالی بھی جمع کیا گیا تا کہ وہم نفاق پاس نہ آنے پائے۔

مگر چونکہ سوال حالی کو باعتبار تحقق سوال قالی سے مقدم ہو لیکن ظہور میں اُس سے متاخر بلکہ اس کا محتاج تھا اس لئے وہ افعال جو بالطبع مظہر احوال مشار الیہ ہوں وضع میں سوال قالی سے مؤخر رہے مگر اس صورت میں نماز کے تمام ارکان کا استدعاء استماع کے لئے موضوع ہونا زیادہ تر روشن ہو گیا اور یہ بھی روشن ہو گیا کہ افضلیت طول قنوت غلط نہیں اور یہ بھی روشن ہو گیا کہ جیسے ایمان بایں وجہ کہ وہ نیت ایک عام

اورعزم انقیاد مطلق ہے تمام اعمال سے افضل ہے حالانکہ ہر عمل میں نیت خاص کا ہونا ضرور ہے ایسی ہی صلوٰۃ بایں وجہ کہ اس میں استدعائے ہدایہ مطلقہ اور اظہار امتثال مطلق ہوتا ہے جملہ عبادات سے افضل ہے اور کیوں نہ ہوز کوٰۃ وصوم کو قطع نظر اس سے کہ ایک امتثال خاص ہیں اصل میں عبادت ہی نہیں بوجہ التحاق امتثال اُمر عبادت بن جاتی ہیں ورنہ لازم آئے کہ خدائے تعالیٰ سب میں زیادہ عائد ہو کیونکہ زکوٰۃ میں اصل مقصود داد و دہش ہوتی ہے اور صوم میں اصل مقصود تنزہ سو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں خدائے تعالیٰ سب سے زیادہ ہے رہا حج اُس کے ارکان اگرچہ مثل ارکان صلوٰۃ باعتبار اصل طبیعت بتوسط محبت انقیاد پر دلالت کرتے ہیں۔

مگر چونکہ اُس کے افعال اصل میں مظہر شیوں محبت ہیں تو وہ عموم اور اطلاق عبودیت کہاں جس پر صلوٰۃ دلالت کرتی ہے محبت ہر چند سامان اطاعت ہے مگر اُس کے بعض آثار مثل تنگ دلی وغیرت وغیرہ بسا اوقات بظاہر موہم انقیاد ہو جاتے ہیں علاوہ بریں اصلی انقیاد اور واسطہ انقیاد میں بہت فرق ہے حج میں واسطہ انقیاد ہے اور نماز میں اصل انقیاد علے ہذا القیاس جہاد وغیرہ طاعات کو خیال فرمالیجے لیکن در صورتیکہ درباره اعتبار صلوٰۃ جو اصل مقصود من الصلوٰۃ ہے چنانچہ اختصاص واشتہار بنام صلوٰۃ بھی اُس پر شاہد ہے امام اصل ٹھہرا اور مقتدی اُس کے تابع اور اس سے مستفید تو بحکم اتصاف بالذات ضرور یا باعتبار صلوٰۃ یعنی فاتحہ جو ایک عرضی بندگان سراپا اخلاص اور استدعائے مطیعان باوفا ہے اور سورۃ وغیرہ جو حکم نامہ احکم الحاکمین ہے۔ امام ہی کی جانب رہا یہی وجہ ہے جو یہ ارشاد ہوا ''واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا'' ہاں اگر یہ اصلیت وتبعیۃ نہ ہوتی تو جیسے دو منفرد اگرچہ قریب ہی قریب کیوں نہ ہو درباره قرأت ایک دوسرے کا کفیل نہیں ہوتا تو یہاں بھی ایک کو دوسرے کا ضامن نہ کہئے اور یہ بھی نہیں تو کبھی اُلٹا تو ہوتا مگر اسے کیا کیجئے کہ امام کی قرأۃ تو سب کے نزدیک ضرور ٹھہری اس صورت میں تدبیر استماع وانصات بجز اس کے اور کیا ہے کہ

مقتدی خاموش رہیں مگر چونکہ اصل وجہ اُس قرأت اور اس استماع و انصات کی وہی اصلیت امام و تبعیت مقتدی ہے تو صلوٰۃ سرّی بھی اس قصہ میں ہمسنگ صلوٰۃ جہری نظر آتی ہے اِسی بناء پر یہ ارشاد ہوا "من کان له امام فقراءة الامام الخ۔ اوکما قال رہی حدیث عبادہ جو وجوب قرأۃ فاتحہ علے المقتدی پر دلالت کرتی ہے۔

اوّل تو اُس کے ثبوت میں کلام دوسرے اگر ہے بھی تو حسن ہے صحیح نہیں اور اگر بعض محدثین کی تقلید کیجئے اور صحیح بھی کہئے تو آیت مذکورہ کی معارض نہیں ہوسکتی اُس کی وجہ سے مفہوم آیت میں تاویل کرنی یا تخصیص کرنی جس کا حاصل نسخ ہے زیبا نہیں اُسی کو آیت سے منسوخ کہیں تو زیبا ہے ہاں نسخ بے وجہ سے نسخ موجہ زیادہ دلنشین ہوتا ہے اس لئے یہ گذارش ہے کہ جیسے احکام مختلفہ الماہیات میں تدریج ملحوظ رہی ہے یعنی صلوٰۃ و زکوٰۃ اوّل فرض ہوئی پھر جہاد پھر صوم پھر حج ایسے ہی ایک ایک حکم کو دیکھئے تو اکثر احکام میں یہی تدریج نکلے گی خاص کر صلوٰۃ حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو ابو داؤد میں دربارہ تحول احوال صلوٰۃ مروی ہے اُس پر شاہد ہے اور اوّل سلام و کلام کا جائز ہونا پھر بوجہ قوموا لِلّٰہِ قانتین اُن کا ممنوع ہونا بھی اس طرف مشیر ہے۔

سو بعد غور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تعمیر مکان سے پہلے مادہ تعمیر و سامان عمارت یعنی اینٹ چونا لکڑی وغیرہ فراہم کیا جاتا ہے اور اُس وقت نہ وہ ترتیب ملحوظ رہتی ہے جو وقت تعمیر پیش آتی ہے چنانچہ بسا اوقات کڑیاں اور شہتیر اینٹوں اور پتھروں سے پہلے خرید لیتے ہیں اور وہ پتھر اور اینٹیں جو سب سے اُوپر لگائی جاتی ہیں سب سے پہلے آجاتی ہیں اور نہ اس وقت فصل بالاجنبی سے کچھ احتراز ہوتا ہے کوئی چیز کہیں پڑی ہے تو کوئی کہیں پھر بیچ میں سینکڑوں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو وقت تعمیر بدستور سابق اُن کا بیچ میں فاصل اور حائل ہونا گوارا نہیں ہوتا ایسی ہی قبل تکمیل کار صلوٰۃ اوّل مادہ صلوٰۃ یعنی ارکان صلوٰۃ کی تعلیم کی گئی جب ہیئت مجموعی کا زمانہ آیا تو اُمور اجنبیہ کی ممانعت ہوگئی مگر جیسے باعتبار طول ایک ہیئت مجموعی ہے ایسے ہی باعتبار عرض یعنی اتحاد صلوٰۃ امام

ومقتدی ایک ہیئت مجموعی ہے سو قبل اہتمام ہیئت مجموعی غرض اوّل تو یہ حکم تھا:
"لا صلوة الا بفاتحة الکتاب و سورة" اِن شاء اللہ کتب حدیث میں یہ روایت ملے گی اور جب اہتمام ہیئت مشارٌ الیہ شروع ہوا تو مقتدیوں کے ذمہ سے اوّل یہ وجوب سورۃ ساقط کیا گیا بلکہ امام کو نائب خداوندی قرار دے کر اُسی کے ذمہ یہ بار رکھا کیونکہ اصل غرض ضم سورۃ سے جواب سوال "اھدنا الصراط المستقیم" ہے اِس لئے سورۃ منضمہ بمنزلہ حکم نامہ احکم الحاکمین ہے اور چونکہ وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تو ایک ہی نائب اس باب میں کافی نظر آیا البتہ فاتحہ اصل میں عرضی بندگان سراپا اخلاص تھی اور اُن کی کوئی تعداد نہیں تو ایک کا نائب کثیر ہونا کسی قدر دُشوار معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے حدیث عبادہ میں باستثناء فاتحہ قرأۃ سے ممانعت فرمائی گئی اُس کے بعد بتدریج امام کی نیابت کو ترقی ہوئی بندوں کی طرف سے بھی اس کو نائب بنایا گیا اور کیوں نہ ہو جب خدا کا نائب ہو چکا تو بندوں کی نیابت میں کیا دشواری رہ گئی اختلاف مطالب ہوتا تو ایک وقت سب کی طرف سے گذارش اور سب کی نیابت دُشوار تھی جب معروض واحد ہے اور مطلب سب کا ایک ہے تو پھر کیا دقت رہی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ قبلہ اور مقتدیوں کے بیچ میں اُس کو جگہ ملی تا کہ یہ اُس کا بین بین ہونا اُس کے بین بین ہونے پر دلالت کرے جس پر اُس کی نیابت طرفین دلالت کرتی ہے علاوہ بریں رکوع و سجود وغیرہ میں امام کا شریک مقتدی ہونا نیابت عباد کو زیادہ مصحح ہے اس وقت حدیث من کان له امام وغیرہ اور آیت و اذا قریٔ القرآن کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

مگر اُس عروج کے بعد جس پر نیابت خداوندی دلالت کرتی ہے یہ نزول جو مقتضائے نیابت عباد ہے بعینہٖ ایسا ہے جیسا رسول اوّل نائب خدا ہو کر آتا ہے یہاں آ کر اگر حسب استدعائے اُمت کچھ عرض کرتا ہے تو ادھر کی نیابت کا کام کرتا ہے اور یا یوں کہئے کہ سورۃ منضمہ تو ایک خدائے واحد کا پروانہ ہے پر فاتحہ ہر ہر واحد کی عرضی ہے

علاوہ بریں بوجہ اشتمال مضامین حمد وثناء "سبحانک اللھم " سے زیادہ تر مشابہ سو اگر یہ خیال کیجئے کہ بطور معروضات رعیت ایک شخص سب کی طرف سے حاکم سے عرض کر لیتا ہے یہاں بھی ایک شخص سب کی طرف سے معروض معلوم عرض کرلے گا تو اشتمال مذکور اور تعدد اہل عرض کا بھی خیال چاہئے اور ظاہر ہے کہ بخیال اشتمال مذکور و خیال تعدد اہل عرض ہر ایک کا فاتحہ پڑھنا مناسب نظر آتا ہے ادھر یہ حکم آچکا تھا کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب دربارہ مقتدی کچھ تصریح ہوئی نہ تھی۔

اس لئے مقتضائے احتیاط نبوی یہ ہوا کہ تا صدور حکم مصرح مقتدیوں کو فاتحہ کا ارشاد کیا جائے اس سے بیان وجہ استثناء کے لئے بطور احتیاط حدیث عبادہ میں یہ فرمایا فانہ لا صلوٰۃ الخ اوکما قال ان دونوں توجیہوں میں سے جونسی جس کسی کو پسند آئے اُس کو اختیار ہے پر توجیہ احکام دین کے حق میں زیادہ تر مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں احکام اصلیہ میں تعارض نہ ہوگا اگر ہوگا تو احکام احتیاطیہ میں ہوگا اور اس لئے خدا کی طرف سے نسخ کی نوبت ہی نہ آئے گی جو یہ خدشہ ہو کہ نسخ گو جائز ہو پر خلاف اصل ہے تا مقدور اُس سے احتراز مناسب ہے مگر ہر چہ باداباد اس طور سے رکھئے تو ہر ایک حکم بجائے خود موجہ ہو جاتا ہے اور نسخ موزوں نظر آتا ہے ورنہ بہ مقابلہ آیت مذکور یہ حدیث تو کیا فقط جملہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بھی لائق امتثال نہیں یہ مطلب نہیں کہ احادیث صحیحہ معارض قرآن ہوتے ہیں بلکہ اختلاف زمان سے اگر قطع نظر کیجئے تو یہ ممکن عادی نہیں کہ زمانہ حکم واحد ہو اور پھر حدیث صحیح معارض قرآن ہو۔

بلکہ غرض یہ ہے کہ بالفرض یہ حدیث بھی معارض ہوتی تو یہ بھی بہ مقابلہ قرآن شریف واجب الترک تھی مگر اس کو کیا کیجئے کہ یہ حدیث اصلاً معارض نہیں حاصل منطوق حدیث مذکور یہ ہے کہ ایک صلوٰۃ کے لئے ایک فاتحہ چاہئے سو باعتبار طول ایک رکعت ایک صلوٰۃ تھی اس لئے ہر رکعت میں فاتحہ ضروری ہوئی اور باعتبار عرض صلوٰۃ امام و مقتدی صلوۃ واحد ہے یہاں بھی ایک ہی فاتحہ کافی ہوگی الغرض احادیث مذکورہ

میں سے حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ گو باعتبار منطوق قرآن سے متعارض ہو مگر بوجہ اختلاف زمان جس پر شہادت فطرت سلیمہ موجود ہے تعارض نہیں کیونکہ تعارض کے لئے وحدت زمان بھی ضرور ہے جو منجملہ ہشت وحدات تناقض ہے اور حدیث لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں باعتبار منطوق بھی تعارض نہیں گو اہل ظاہر کو معلوم ہوتا ہو البتہ تعارض فاقرؤا کا کھٹکا ہنوز باقی ہے اُس کی مدافعت کے لئے یہ گذارش ہے کہ قراءۃ باعتبار صلوٰۃ مطلوب ہے اور بحکم بعض مقدمات معروضہ ضروریات صلوٰۃ کی ضرورت مصلی بالذات اور اس وصف کے موصوف بالذات کو ہوگی اس لئے مخاطب فاقرؤا سوائے امام و منفرد کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور کیونکر ہو بدلالۃ سیاق و سباق مخاطب فاقرؤا مصلی ہیں اور اطلاق مصلی موصوف بالذات بالصلوٰۃ پر تو حقیقی ہے اور موصوف بالعرض پر مجازی کیونکہ وہ واقع میں مصلی ہی نہیں ہوتا۔

اس صورت میں خطاب فاقرؤا میں مقتدی داخل ہی نہ ہوں گے جو اخراج کی ضرورت پڑے بلکہ مدرک رکوع کا بالاجماع اس حکم سے سبکدوش ہونا اسی کی تفسیر ہے کہ مقتدی حقیقت میں مصلی ہی نہیں اور اس لئے فاقرؤا کے مخاطب فقط امام و منفرد ہیں مقتدی نہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ قیام اُس پر فرض نہ ہوا کیونکہ قیام بوجہ قراءۃ مطلوب تھا جب قراءۃ ہی اُس کے ذمہ نہیں اور نہ وہ حکم قراءۃ کا مخاطب تو پھر مطالبہ قیام بے سود ہے باقی وجوب قیام رکعات باقیہ بحکم حضور ہے نہ بحکم صلوۃ اس کے بعد اس تاویل کی کچھ حاجت نہیں کہ للاکثر حکم الکل تین فرضوں میں سے دو کا اُدا ہو جانا بھی کافی ہے علاوہ بریں اگر یہ عذر قابل استماع ہو تو قیام و رکوع و سجود واحد بھی کافی ہوا کرے علیٰ ہذا القیاس قیام اور دو سجدوں سے نماز ہو جایا کرے اس وقت نہ دونوں آیتوں میں تعارض باقی رہتا ہے اور نہ اعتراض ظنیت حدیث بوجہ تخصیص درباره فرضیۃ قرأۃ علی الامام والمنفرد قادح ہو سکتا ہے اگرچہ جواب اعتراض مذکور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت فاقرؤا در بارہ قراءۃ خاص ہے اور عموم و خصوص بعض اگر ہے تو باعتبار

مخاطبین ہے اس لئے اگر قطعیت مبدل بظنیت ہوگئی تو دربارہ تعین مخاطبین ہوگی نہ دربار قرأۃ پرجیسے بدلالۃ حدیث صید جس میں احتیاط پر نظر کر کے اُس صید کو حرام کر دیا ہے جس کے اصطیاد میں اور کتا بھی شریک ہو جائے ایسے ہی بوجہ احتیاط اُن لوگوں پر قرأۃ فرض رہے گی جن کا حکم قرأۃ سے خارج ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اگر حرمت مستحق احتیاط ہے تو فرضیہ بھی یہ استحقاق رکھتی ہے۔

بالجملہ نہ آیت فاقرؤا اور آیت اذا قرئ القرآن میں تعارض ہے اور نہ حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وغیرہ احادیث دالہ علی وجوب قراءۃ فاتحہ اور آیت میں تعارض ہے۔ ہاں البتہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ اور آیت و اذا قرئ القرآن میں باعتبار منطوق تعارض ہے پر بہ لحاظ ارشادات مذکورہ حدیث مذکور کا تقدم اور آیت کا تاخر بہ نسبت تقدم آیت و تاخر حدیث زیادہ تر چسپاں ہے پھر اُن پر حدیث کی صحت میں کلام اُدھر قائلان وجوب قرأۃ فاتحہ علے المقتدی کو دیکھا کہ فکر تعمیل آیت سے غافل نہیں صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ائمہ فقہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ایجاب فاتحہ علے المقتدی میں زیادہ تشدد ہے۔

مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو تتبع سکتات امام ارشاد فرماتے اور حضرت امام شافعی کے مقلدوں کو دیکھا کہ امام بعد فاتحہ دیر تک ساکت کھڑا رہتا ہے اس وقت مقتدی فاتحہ پڑھتے ہیں سوا اس کے کہ سکتات امام اور سکتہ طویلہ میں الفاتحہ والسورۃ کو ایک تجویز اضطراری کہئے اور کیا کہئے حدیثوں میں مرفوعا شاید کہیں یہ دونوں باتیں نہ ہوں اگر یہ تجویز بہ لحاظ آیت مذکورہ نہیں تو اور کیا ہے جس صورت میں آیت مذکورہ قائلان وجوب فاتحہ علی المقتدی کے نزدیک بھی واجب التعمیل ٹھہری اور خود اُن کی تجویز غیر مروی تو اس صورت میں بھی بہتر نظر آتا ہے کہ حدیث مَنْ صلی صلوٰۃ الخ وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاوے اور اُن کی تجویز سے تو اُس کی تعمیل بہتر ہی ہوگی اور کیوں نہ ہو اوّل تو اس بارہ میں احادیث مرفوع الاسناد اور بھی موجود ہیں۔

چنانچہ امام محمد کی مؤطا میں موجود ہیں اور اگر اسی روایت پر قناعت کی جاوے اور اس سے قطع نظر کی جاوے کہ قوت درایت قوت روایت سے مقدم ہے چنانچہ ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا موقوفاً تو اس کی صحت میں کلام ہی نہیں پھر باوجود اشتہار نص لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بے اس کے متصور ہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو احتمال اجتہاد بے تاویلات رقیقہ چسپاں نہیں ایسی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔

علاوہ بریں اگر اجتہاد ہی تھا تو ایسا تھا کہ بآب زر باید نوشت یعنی جب امام دربارہ صلوٰۃ موصوف بالذات ہو تو پھر مقتدی پر بار قرأۃ بے موقع نظر آیا اور اُس کے ساتھ آیت اذا قرئ القرآن کو مانع قرأت دیکھا اور آیت فاقرؤا کو اُس کے موافق پایا مخالف نہ پایا اور حدیث عبادہ کو بوجہ تدریج مشارٌ الیہ منجملہ احکام سابقہ سمجھا ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد اس اجتہاد کو غلط کہنا مناسب نہیں ہاں کسی نص کا تعارض ایسا ہوتا کہ اُس کی مدافعت کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی تو البتہ محل تامل تھا اس وقت غور سے دیکھیے تو حدیث عبادہ اور آیت اذا قرئ القرآن کا تعارض ایسا ہے کہ بے تجویز تتبع سکتات یا سکتہ طویلہ مشارٌ الیہا اُس کی مدافعت کی کوئی تدبیر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں تجویزیں غیر مروی باقی روایت مرفوع اُس کی کسی طریقہ میں کلام ہے تو ایسی کلام تو حدیث عبادہ میں بھی موجود ہے محمد بن اسحاق کی تعدیل اگر کسی نے کی تو اُن کا قول فیصل نہیں ہو سکتا۔ روایت کا حال اوّل تو مشاہدہ افعال سے متنوع ہوتا ہے اُس میں اختلاف ہو تو وہ درحقیقت اختلاف انتزع ہے اور تعارض ظن تخمین ہے گر مراتب انتزع میں سب برابر ہیں تو بشرط تساوی مشاہدہ اعتبار میں بھی برابر ہوں گے اُن کے بعد جو کوئی کہے گا اُنہیں کے حوالہ سے کہے گا جس کسی کو متاخرین میں سے منجملہ ائمہ جرح وتعدیل کسی کا اعتقاد زیادہ ہوا اُس نے اُسی کا اتباع کیا ایک کا اعتقاد دوسرے کے حق میں واجب اللحاظ نہیں جو اُس کا قول قول فیصل سمجھا جائے یہ بات

درایت میں متصور ہیں یعنی اگر کسی نے مبناء احکام کا پتہ لگا دیا۔

جیسا کہ بشرط انصاف اوراق معروضہ میں ہوا ہے تو پھر ہر حکم ٹھکانے لگ جاتا ہے اور اِس لئے اُس کا قول قول فیصل ہو جاتا ہے پھر اگر حدیث عبادہ اور طریق سے مروی ہے تو حدیث من صلی بھی باللفظ یا بالمعنی اور طرق سے مروی ہے امام محمد کی مؤطا کو مطالعہ فرمائیے گا اس میں بعض طرق ایسے بھی نکلیں گے اِن شاء اللہ کہ علی شرط الشیخین ہوں اور یہ بات سراسر تعصب اور ناانصافی کی ہے کہ امام محمد اور امام ابوحنیفہ کا روایت میں اعتبار ہی نہ کیا جائے اگر روایت میں فقہاء کا اعتبار نہیں تو اوروں کا بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا کیا کیجئے اس ویرانہ میں مواد کتب حدیث کا بالکل پتہ نہیں اور دیو بند و سہارنپور میں اگر بعض کتابیں ہوں بھی تو یہاں سے دور علاوہ بریں کچھ بوجہ تواتر امراض ناتوانی کچھ قدیم کی تن آسانی کتاب دیکھنی ایک موت ہے ورنہ اِس باب میں بھی کچھ لکھنا بناچاری اپنے ہی خیالات پر اکتفاء کرتا ہوں میرے احباب تو بوجہ حسنِ ظن و محبت تحقیقات اور دانشمندانہ سمجھیں گے پر اور لوگ شاید اُن خیالات کو خیالات شاعرانہ سمجھیں اس لئے لکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا مگر دنیا باُمید قائم یوں سمجھ کر کہ شاید آپ کو یہ مشرب موافق مذاق نظر آئے کچھ تو لکھ چکا ہوں اور کچھ اور لکھتا ہوں۔

سنئے شاید تقریرات گزشتہ کو سُن کر کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر امام موصوف بالذات ہے اور اس وجہ سے امام اور مقتدیوں کی نماز واحد ہے تو مقتدی کے ذمہ طہارۃ اور ستر عورت اور استقبال قبلہ اور رکوع و سجود بھی نہ ہونا چاہئے یہ بار بھی امام ہی کے سر رہا ہوتا اور ہر سبحانک اور تسبیحات اور التحیات اور درود و دُعا اور تکبیر و تسلیم بھی جس درجہ میں مطلوب ہیں اُسی سے مطلوب ہوتے اس لئے یہ گذارش ہے کہ عروض وصف کے لئے یہ ضرور ہے کہ معروض یعنی موصوف بالعرض احاطہ موصوف بالذات سے خارج نہ ہو دریا میں بھی کہیں ہونا استفادہ حرکت سفینہ کے لئے کافی نہیں اُسی کے احاطہ میں ہونا ضرور ہے شعاعوں کے نور سے مستفید ہونے کے لئے بعد مجرد میں سے کیف ما اتفق

کہیں رہنا کافی نہیں اُنہیں کے احاطہ میں ہونا ضرور ہے ایسے ہی امام سے استفادہ صلوٰۃ کے لئے کہیں ہونا کافی نہیں اُسی کے احاطہ میں صلوٰۃ ہونا ضرور ہے مگر امام کے ہر قول و فعل سے نمایاں ہے کہ وہ بقدر وسعت حال اِدھر سے غائب ہو گیا اور اللہ کی درگاہ بے نہایت میں حاضر ہے خطاب **سبحانک** اور سوال **اھدنا الصراط المستقیم** اور دست بستہ کھڑا ہونا پھر کبھی جھکنا اور کبھی سر رکھ دینا بہ درجہ کمال اس حضور پر دال ہیں یہی وجہ ہے کہ اختتام صلوٰۃ پر سلام کو رکھا گیا کیونکہ انقطاع غیبت فی الجملہ پر جب سلام مسنون ہوا تو اس غیبت کبریٰ کے انقطاع کے بعد سلام کیوں نہ مشروع ہوگا اس سے زیادہ اور کون سی غیبت ہوگی کہ عالم امکان سے غائب ہو کر عالم وجوب میں پہنچا بالجملہ امام وقت نماز دربارِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے۔

اس صورت میں کسی حال میں کہیں ہونا تو کیا اُس درگاہ بے نہایت میں بھی امام سے علیحدہ ہو کر حاضر ہونا کافی نہیں وہ درگاہ تو بے نہایت ہے دریا سب متناہی ہیں جب اُن میں خارج از احاطہ سفینہ ہونا کافی نہیں تو بارگاہ غیر محدود رب معبود میں کہیں ہونا کیا نافع ہوگا اُسی کے احاطہ میں اور اُسی کے ساتھ ہونا چاہئے یہی وجہ ہوئی کہ نیت اقتداء ضرور ہے یعنی بہ مقتضائے اتصاف بالعرض نیت اقتداء مقتدی کے ذمہ ضروری ہے اس صورت میں مقتدی کو بھی حضور دربار خداوندِ عالم ضرور ہے مگر حضور دربار حکام مجازی و شاہان دنیا کو یہ لازم ہے کہ حاضر ہونے والا نہا دھو کر لباس درست کر کے وہاں پہنچے تو منہ اُدھر کو ہو آداب دربار بجالائے حاضران دربار خداوندی کے ذمہ یہ کیوں نہ ہوگا کہ پہلے پاک صاف ہو لے لباس پہنے پہنچے تو روی نیاز اُدھر کو رہے اپنے اپنے موقع پر آداب مناسب بجالائے الغرض یہ اُمور جو مقتدی کے ذمہ واجب ہیں تو بہ مقتضائے وصف صلوٰۃ نہیں ورنہ لازم تھا کہ بہ مقتضائے حکم لاصلوٰۃ اوّل سے آخر تک سوا فاتحہ کچھ نہ پڑھا جاتا بلکہ وجوب علی المقتدی یا استحباب بہ مقتضائے وصف حضور ہیں اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ دونوں اعتبار متغائر ہیں گو ایک ہی مصداق پر عارض

ہوں اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اصل صلوٰۃ وہ قرأت معودہ اور رکوع وسجود وغیرہ ملحق بالصلوٰۃ تو اتحاد مصداق بھی نہیں رہتا الحاصل یہ دونوں اعتبار متغایر ہیں اور ہر ایک کے آثار اور مقتضیات جُدا جُدا چونکہ حضور میں دونوں برابر ہیں تو اُس کے آثار بھی مشترک رہیں گے اور صلوٰۃ میں امام منفرد ہے تو قرأت جو اُس کی مقتضیات میں سے ہے امام ہی کے ساتھ خاص رہے گی اور نیت اقتداء جو مقتضیات استفادہ اور اتصاف بالعرض میں سے ہے مقتدی کے ساتھ مخصوص رہے گی اور چونکہ موصوف بالذات کو معروضات سے استغناء لازم ہے تو اُس کے ذمہ نیت امامت نہ ہوئی اور اس وقت یہ استبعاد بھی مندفع ہو جائے گا کہ سبحانک اور تسبیحات اور التحیات تو مقتدی کے ذمہ رہیں حالانکہ فی حد ذاتہ چنداں ضروری نہیں اور قرأت جو بہ مقتضائے آیت **فاقرؤا** ضروری ہے بالخصوص فاتحہ جس کی ضرورت پر نص قاطع **لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب** موجود ہے اُس کے ذمہ نہ رہی۔

اور عام طور پر اس مضمون کو بیان کیجئے تو پھر اُس کی یہ صورت ہے کہ آداب دربار بجالایا کرتے ہیں یہ عرض مطلب کے وقت اور استماع جواب کے لئے کوئی ایک ہی آگے بڑھا کرتا ہے اور کسی لائق ہی کو آگے بڑھایا کرتے ہیں اسی طرح اگر سبحانک اور تسبیحات اور التحیات اور تکبیرات سب بجالائیں اور قرأۃ جو درحقیقت عرض مطلب ہے یا اُدھر کا جواب ہے امام ہی کے ذمہ رہے تو کیا بے جا ہے اس صورت میں بھی امام کی فضیلت کے محمود اور مطلوب ہونے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے۔ اس سب گذارش کے بعد پھر گذارش ہے کہ حسب ارشاد **فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا** ترک قرأۃ خلف امام قرأۃ المقتدی سے خیر اور احسن معلوم ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم سے کم فہموں کو جتنا ترک قرأۃ قواعد مقررہ شرع پر منطبق معلوم ہوتا ہے اُتنا قرأۃ خلف الامام کو منطبق نہیں پاتے البتہ حامیان قرأۃ خلف الامام اس

باب میں اگر بول سکتے ہیں تو اتنا ہی بول سکتے ہیں کہ یہ روایت قرأۃ فاتحہ روایات ترک قراۃ سے اقویٰ ہے مگر اوّل تو یہ دعویٰ غیر مسلم اہل انصاف تو عجب نہیں اس بات کو تسلیم نہ کریں اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم ہی کیجئے تو اس کو عمل بالاحوط کہنا چاہئے از قسم ردوا الی اللہ والرسول نہیں اور ظاہر ہے کہ عمل بالاحتیاط اُسی وقت تک ہے جب تک حقیقت حال معلوم نہ ہو اگر حقیقت الامر منکشف ہو جائے تو پھر احتیاط کے لئے موقع ہی نہیں رہتا اس جا سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قوۃ روایت باعتبار روایت قوت سند سے بڑھ کر ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے فقہاء کا سند میں زیادہ اعتبار ہو اور کیوں نہ ہو روایت بالمعنی اکثر ہوتی ہے اور اُس میں فہم ہی کی زیادہ ضرورت ہے بالجملہ باعتبار درایت تخ قرأۃ مقتدی زیادہ موجہ ہے پھر اُس پر تعارض آیت و اذا قرئ القرآن سے تو باعتبار سند بھی تارکان قرأۃ ہی کی طرف رہی اُس پر بھی امام ابو حنیفہ پر طعن اور تارکان قرأۃ پر عدم جواز صلوٰۃ کا الزام ہوا کرے تو کیا کیجئے زبان قلم کے آگے کوئی آڑ نہیں دیوار نہیں پہاڑ نہیں ہم کو دیکھئے باوجود توجیہات مذکورہ اور استماع تشنیعات ملعوم فاتحہ پڑھنے والوں سے دست و گریبان نہیں ہوتے بلکہ یوں سمجھ کر کہ ہم تو کس حساب میں ہیں امام اعظم بھی باوجود عظمۃ شان امکان خطا سے منزہ نہیں کیا عجب ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ ہی صحیح فرماتے ہوں اور ہم ہنوز اُن کے قول کی وجہ نہ سمجھے ہوں اس اَمر میں زیادہ تعصب کو پسند نہیں کرتے پر جس وقت امام علیہ الرحمۃ کی توہین سُنی جاتی ہے دل جل کر خاک ہو جاتا ہے اور یوں جی میں آتا ہے کہ ان زبان درازیوں کے مقابلہ میں ہم بھی لن ترانیوں پر آجائیں اور دو چار ہم بھی سنائیں پر آیت و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما و اذا مرّو باللغوا مروا کراما۔ اور احادیث منع نزاع مانع ہیں وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ فقط

جواب حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب کا درباب تقلید وتراویح آٹھ رکعت پڑھنا اور ضاد کا مخرج ظاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کو وہ لنڈھورہ پرگنہ نگینہ ضلع بجنور کا رہنے والا آیا ہے کہتا ہے ضاد بمخرج ظاء پڑھو ورنہ نماز باطل ہوگی اور تراویح آٹھ رکعت پڑھو بیس رکعت پڑھنا فضول ہے اور تقلید کسی امام کی نہ کرنا چاہئے جس حالت میں کہ چاروں مذہب درست ہیں پھر امام اعظم رحمہ اللہ کی تقلید سے کیا فائدہ ہے جواب ہر ایک اُمر کا اپنی مہر سے مزین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے۔

جواب:۔ مخدوم من میاں جی گھیسا صاحب سلامت۔ بعد سلام یہ گذارش ہے کہ میں پرسوں تیسرے روز پیر کے دن دیوبند سے یہاں اپنے وطن میں پہنچا آپ کا خط ملا دیکھ کر رنج ہوا کیا خدا کی قدرت ہے کہ آج کل جس طرف سے صدا آتی ہے یہی آتی ہے کہ وہاں مسلمانوں میں اختلاف ہے وہاں نزاع ہے کہیں سے اتفاق کی خبریں نہیں آتیں ہاں کفار کے جتنے افسانے سُنے جاتے ہیں کہ یوں اتفاق ہے اس طرح اتحاد ہے خیر بجز اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے اور کیا کہئے آپ کی خوش نودی خاطر منظور ہے۔ اس لئے جواب لکھتا ہوں ورنہ ایسے جھگڑوں میں دخل دینا محض فضول سمجھتا ہوں جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کی جگہ ذال اور حا کے بدلے خا اور شین کی عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کی مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور اُدنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر کوئی اس بات کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلافِ عقل ونقل ہے۔

یہ بات عقل ونقل کی رُو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات کہہ دیتے ہیں اور

اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتوؤں کی مہروں کو دیکھ کر چل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا اور فتوؤں کا لکھنا ہر کسی کو نہیں آتا۔اب تقلید کی بات سنئے لا ریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری انگریزی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر لائق معالجہ ہے اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطباء یا مخالفت رائے ڈاکٹران جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے۔

ہر بات میں اُسی کا کہنا کیا جاتا ہے دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سُنی جاتی ایسے ہی وقت اختلاف ائمہ و مجتہدین جس امام یا مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اُسی کی تابعداری ضرور ہے ہاں جیسے کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اوّل کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا اور بعد تبدیل مذہب ہر بات میں دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہیں کیا کہ ایک بات اُن کی لی اور ایک بات اُن کی لی اور اس تدبیر سے ایک لامذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروڑوں عالم اور محدث گزر گئے پر مقلد ہی رہے۔

امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم اور فقیہ اور محدث تھے۔ترمذی شریف اُنہیں کی تصنیف ہے باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتبار نہ ہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے جب ایسے ایسے عالم اس کمال علمی پر مقلد ہی رہے امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کون سا عالم ہوگا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید نہ کی بھی تو کیا ہوا اور اوّل تو کروڑوں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سنتا ہے جس عاقل

سے پوچھو گے یہی کہے گا کہ جس طرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی بایں ہمہ یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی چال ہم اختیار کریں یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوسرے طبیب سے دوا نہیں پوچھتا یہ دیکھ کر بھی یہی انداز اختیار کرے اپنا علاج اپنے آپ کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تم ہی کہو ایسے آدمی غافل کہلائیں گے یا بے وقوف، سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھ کر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تو تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجئے آج کل کے عالم یقین جانئے کل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں۔

بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں دو کتابیں اُردو کی بغل میں دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالب علم کو پڑھا سکے باقی رہی تراویح اُس میں جو آج کل ملانوں نے تخفیف نکال دی ہے یعنی بیس کی آٹھ کر دی ہیں تو ہر ایک کو بوجہ آسانی یہ بات پسند آتی ہے پر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا کہ آٹھ رکعتیں جو حدیث میں آئی ہیں تو وہ تہجد کی رکعتیں ہیں تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہزارہا صحابہ تھے اُس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نے بیس رکعت میں کچھ حجت نہ کی تھی مگر آج کل ایسے اَن پڑھے اُمی عالم پیدا ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت عمر اور صحابہ کی بھی غلطی نکالی سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال۔

باقی یہ کہنا کہ حضرت عمر سے پہلے بیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے یہ خیال خام ہے یہ بات اتنی بات سے کیونکر نکل آئی کہ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس کا اہتمام شروع ہوا دیکھئے پہلے زمانہ میں نکاح ثانی کا اس لئے چنداں اہتمام نہ تھا کہ اس نکاح کو اتنا بُرا نہ سمجھتے تھے جب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ دیکھا کہ

اس اَمرِ خیر کو آج کل معیوب سمجھنے لگے اُنہوں نے اس کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا آخر کار اُن کی اولاد اور اُن کے شاگردوں نے اس کو جاری کرنے میں کمر باندھی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نکاح ثانی شاہ ولی اللہ صاحب اور اُن کے خاندان کا ایجاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بات نہیں ایسی ہی بیس رکعت کو حضرت عمر اور اُن کے زمانہ کے صحابیوں کی ایجاد نہ سمجھئے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھئے ورنہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت عمر سُنّی نہ تھے اُن کے زمانہ کے صحابہ سُنّی نہ تھے سب کے سب نعوذ باللہ بدعتی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو مٹا دیا اپنی سنت جاری کر دی۔

اب تمہی فرماؤ حضرت عمر اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بُرا سمجھنے والا کون ہوتا ہے میاں جیو صاحب حضرت عمر اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم صحیح حدیثوں میں موجود ہے ایک دو حدیث لکھے دیتا ہوں انہیں مولوی صاحب سے ان کا ترجمہ کرالینا جو آٹھ رکعت گاتے پھرتے ہیں۔

ایک حدیث تو یہ لیجئے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی"۔ دوسری یہ لیجئے "اقتدوا بالذین من بعدی" تیسری یہ لیجئے "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم"۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ مصنفہ حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ المسمٰی

الدلیل المحکم
علیٰ
قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم

باہتمام حافظ مولوی محمد عبدالاحد بماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۰۲ ہجری
بتصحیح مولوی محمد فضل الرحمن صاحب

در مطبع مجتبائی واقع دہلی حسن انطباع یافت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک
نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین
انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین
اللھم صل علی سیدنا محمد النبی الامی و ازواجہ امہات المؤمنین
وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی سیدنا ابراہیم انک حمید مجید ۝

بعد حمد و صلوٰۃ اول چند باتین عرض کرتا ہون اوس کے بعد مطلب اصلی عرض کرونگا
اول تو یہ گذارش ہے کہ اوصاف دو طرح کے ہوتے ہین ایک تو بالذات دوسرے
بالعرض مگر اوصاف بالعرض حقیقت مین وہی اوصاف موصوف بالذات ہوتے ہین
جو بوجہ ارتباط باہمی موصوف بالعرض کی طرف مجازاً منسوب ہو جاتے ہین چنانچہ
مشاہدہ احوال کشتی و جالسان کشتی سے واضح ہے غرض یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس
صورت مین وصف واحد ہوتا ہے پر موصوف متعدد کوئی موصوف بالذات کوئی موصوف

بالعرض پھر موصوف بالعرض بھی ایک موصوف بالذات کے لیے متعدد ہو سکتے ہیں
اور اسی تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ ضروریات وصف کی ضرورت فقط موصوف
بالذات کو ہوگی البتہ آثار وصف موصوف بالعرض کی طرف وصف کیہ ساتھ آئیں گے یہی
وجہ ہے کہ اسباب محرکہ کی فقط کشتی کو ضرورت ہے البتہ تبدل اوضاع جو آثار حرکت میں سے ہے
کشتی کی حرکت کی بدولت مثل حرکت کشتی نشین کو بھی میسر آجاتا ہے۔ گزارش ثانی یہ ہے کہ لفظ
دال علی الوصف سے حقائق شناسوں کے نزدیک موصوف بالذات ہی مراد ہوگا ہاں اگر
کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اوس وقت موصوف بالعرض بھی مراد لے سکتے ہیں۔ عرض ثالث
یہ ہے کہ جیسے ایک چیز کو باعتبارات مختلفہ معنی اور مدلول اور موضوع لہ اور مفہوم وغیرہ
کہہ سکتے ہیں یا ایک شخص کو باعتبارات مختلفہ باپ بیٹا چچا بھتیجا وغیرہ کہہ سکتے ہیں ایسے ہی
نماز کو باعتبارات مختلفہ صلوٰۃ ذکر طاعۃ حسنہ وغیرہ کہہ سکتے ہیں مگر جیسے معنی و مدلول وغیرہ اسماء
یا باپ بیٹا وغیرہ القاب کیلئے اعتبارات جدے جدے ہیں اور آثار جدے جدے مثلاً باپ
کیلئے تعظیم ہے اور بیٹے کے ذمہ اطاعۃ اور خدمت ایسے ہی نماز کے اسماء و القاب میں خیال
کرنا ضرور ہے۔ عرض رابع یہ ہے کہ جیسے سائلوں کے عجز و نیاز و آداب و تعظیم و دعا و ثنا
بایں وجہ کہ لغرض سوال ہی ہوتے ہیں یا انجاح سوال کے بعد سوال پر متفرع
ہوتے ہیں بمنزلہ قسم سوال سمجھے جاتے ہیں یا اوپلے لکڑی وغیرہ سامان پخت و پز
کھانے ہی کی مد میں لکھے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سب کے دام یوں کہا کرتے ہیں
کہ کھانا اس مہینہ میں ستے میں پڑا یا کھانے میں اتنا صرف ہوا ایسے ہی نماز کے
اون افعال کو جو باعتبار ذوات افعال باعتبار صلوٰۃ کے تلے اون کا داخل کرنا حقیقت
شناس و انہیں رکھ سکتا بایں نظر کہ مقصود اصلی اون سے وہ اعتبار صلوٰۃ ہے یعنی

اوس کے سامان ہین یا دسبد متفرع ہین یعنی اوس کے آثار ہین داخل صلوۃ سمجھنا لازم ہی
مگر جیسے اوپلے لکڑیکو باوجود لحوق مذکور نہ وہان رکھ سکتے ہین جہان کھانیکو رکھتے ہین! فکر
لئے اگر کوٹھری یا صحن ہی تو اونکے لیے دیگ کابی وغیرہ اور نہ وہ آثار اونپر بذات خود
متفرع ہوتے ہین جو کھانے پر متفرع ہوتے ہین نہ ان مین ذہ مزا ہے نہ راحت روح افزا
ہی روٹی وغیرہ کو پانی توے گھڑے وغیرہ کی حاجت اور لکڑی اوپلے وغیرہ کو آفتاب
کی ضرورت توڑنے پھوڑنے کی حاجت ایسی ہی افعال صلوۃ وملحقات صلوۃ کو باہم متغائر
سمجھئے اور اگر اس سے بھی زیادہ روشن مثال کی ضرورت ہو تو سنئے رعایا کو بغرض عرض
مطلب و استماع احکام شاہانہ دربار شاہی مین جانیکی ضرورۃ ہوتی ہی اور اسیوجہ سے تمام
آداب وتعظیمات جو وقت حضوری دربار بجا لائے جاتے ہین سوال ہی کی مدین شمار
کئے جاتے ہین مگر جیسے عرض مطلب کیلئے زبان اور استماع حکم کے لیے کان چاہئیں
حضوری دربار کے لیے شست وشوی دست وپا وردی اور درستی لباس کی ضرورۃ ہی
اگر حضور نہوتا تو اوس کی کچھ حاجۃ نتھی اور عرض مطلب و استماع حکم نہوتا تو زبان و کان
کی حاجۃ نتھی ایسی ہی اعتبار صلوۃ کے اور احکام ہین اور اعتبار حضور کے اور احکام
البتہ جیسے عرض مطلب وغیرہ بے حضور متصور نہین ایسی ہی تحقق اعتبار بےحضور متصور نہین
البتہ جیسے دربار کا جانا اور آداب کا بجالانا سب از قسم سوال ہی سمجھی جاتی ہین اور کیونکر
نسمجھی جائین حضور دربار اسی لئے ہی بذات خود مطلوب نہین یہی اعتبار صلوۃ اور اعتبار حضور
کو متعانق اور متلازم خیال فرمائیے۔ عرض نہم یہ ہے کہ احکام انبیاء کرام علیہم السلام
دو قسم کے ہوتے ہین ایک تو از قسم روایۃ اور ایک از قسم درایۃ اول مین تو احتمال خطا
ممکن نہین انبیاء کرام علیہم السلام صادق ومصدوق ہوتے ہین وہ ہادی خدا بیتائی

مروی جنہ خطا آئے تو کہہ سے آئے ہان احکام قسم ثانی مین گہ دیگاہ خطا کابھی احتمال
ہوتا ہی اور اس لیے احتیاط کی بھی ضرورۃ ہوتی ہی البتہ اتنی بات مقرر ہے کہ انبیاء کرام
علیہم السلام کی خطا کی اصلاح ضروری ہی اس دعوی پر احادیث کثیرہ شاہد ہین پھر اسکا یہ
مرتبہ بتصریح سے دور نہین اس لیے اس مین کچھ وکاوش کی حاجۃ نہین ان پانچ باتون کی
بعد گذارش ہی کہ صلوۃ کیلئے طول تو ایک رکعت سے زیادہ نہین چنانچہ احادیث کثیرہ مثل من
ادرک رکعۃ من الصلوۃ الخ من ادرک رکعۃ من الجمعۃ الخ من ادرک رکعۃ من الصبح الخ
من ادرک رکعۃ من العصر الخ اسپر شاہد ہین ورنہ تخصیص رکعۃ لغو ہی اور حدیث لا صلوۃ الا بفاتحۃ
الکتاب بعد لحاظ اس امر کے کہ ہر رکعۃ مین ضرورۃ فاتحہ ہی وہ جس قسم کی ضرورۃ ہو اسی کی
موید اور شب معراج مین بوجہ تخفیف پچاس نمازون کے بعد فقط پانچ کا رہ جانا اس طرف
مشیر ہی کہ استحباب پچاس کا ہنوز باقی ہی اور کیون نہو مقتضائی تخفیف بشہادۃ عقل سلیم
یہی ہی اور اگر کہین اس کے مخالف نظر آئے تو وہان وجہ تخفیف ہی باعث تعطیل نہین
ہوئی بلکہ کسی حسن وقبح کا لحاظ بھی شریک حال ہی اس صورۃ مین رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی قوۃ ہمت سے یہ متوقع ہے کہ آپ اس مستحب محبوب کو بوجہ ترک نہ
کیے ہون مگر رسول اللہ صلعم کی صلوۃ شب و روز کو تتبع کیا تو پچاس ہی رکعتین ہوتی ہین
ہان اگر کبھی دنکو کچھ کمی ہو گئی تو رات کو غالبًا جبر و نقصان فرماتے تھے اور رات کو کچھ نقصان
رہ گیا تو دنکو اوس کو پورا فرماتے تھے اس معمول نبوی صلعم کو دیکھیے تو اس سے بھی
یہی سمجھ مین آتا ہی کہ طول صلوۃ ایک رکعۃ تک ہی مگر چونکہ دشواری پچاس بار کی حاضری
مین تھی گو ایک ہی رکعت کیلئے کیون نہو تو تخفیف مین تنقیص اوقات زیادہ ملحوظ ہے
علاوہ برین خصاً کلیہ ارشاد کہ صبح کی نماز کی ایک رکعت کے ملنے کی بھی امید ہو تو بطور

معلوم ہے سنت صبح کو ادا ہی کر لے کچھ یہی کہی ہے کہ وہ بھی صلوۃ ایک ہی رکعت کو سمجھتے ہیں یعنی
جب تک ممکن ادائی صلوۃ بالجماعۃ ممکن ہو سنت مؤکدہ صبح کو ترک نہ کرے دونو فضیلتوں کو
جمع کر لے ہاں اجتماع ممکن نہ ہو تو پھر جماعت زیادہ ضروری ہے بایں ہمہ بعد اتمام رکعۃ عود
ارکان سابقہ بھی بحکم فطرت سلیمہ اسی پر دال ہے کہ صلوۃ واحد ایک رکعۃ پر ختم ہو جاتی ہے اس
صورۃ میں دو دو رکعت اور تین تین رکعت اور چار چار رکعۃ کو ایک صلوۃ کہنا بایں اعتبار
ہے کہ فصل بالاجنبی کی اجازۃ نہیں مگر جیسے اس صورۃ میں صلوۃ متعددہ کو ایک صلوۃ بوجہ
مذکور سمجھتے ہیں ایسی ہی صلوۃ امام و مقتدی کو بوجوہ لاحقہ واحد ہے بوجہ تعدد
مصلیین متعدد سمجھتے ہیں وجہ اول تو یہ ہے کہ افضلیت امام علی الترتیب معلوم اس بات پر
شاہد ہے کہ جیسے حرکت کشتی نشین سرعۃ و بطوء استقامۃ و استدارۃ وغیرہ میں تابع حرکۃ کشتی ہے
ایسے ہی فضیلت و نقصان میں صلوۃ مقتدی تابع صلوۃ امام ہے یہی وجہ ہوئی کہ امام کا اعلم
و اقرء و اورع وغیرہ ہونا محمود و مستحب ہوا اگر دونوں کی نمازیں جدی جدی ہوتیں اور اس امر میں
ایک دوسرے سے مستقل و مستغنی ہوتا تو آگے پیچھے کھڑا ہونا کچھ اس بات کو مقتضی تھا کہ امام ایسا
ہوتا یا ایسا نہ ہوتا سو سفر دینی اس حکم کے مخاطب ہوتے الغرض مثل کشتی و جالسان کشتی
اگر امام کی طرف سے افادہ مقتدیوں کی طرف سے استفادہ نہیں تو افضلیت امام پھر کاہے کی لئے ہے
دوسرے حدیث الامام ضامن اس بات پر شاہد ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدیوں کی نماز کا
فساد لازم ہے اور مقتدی کی نماز فاسد ہو تو اسی کی فاسد ہوگی اور کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی تفصیل اس
اجمال کی یہ ہے کہ ضمانت وجوب حق پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ ادائے حق ضمانت سے اصل مدیون
بری ہو جاتا ہے ورنہ بار دین اوس کی گردن پر رہیگا اور مدیون اگر عوض مال ہو دی ضامن کو دے
تو مدیون ہی کے ذمہ مطالبہ رہیگا ضامن سے نہ کسی کا مطالبہ رہیگا اس لئے یہ ضرور ہے کہ

حق ضمانت امام سے ادا نہو تو مقتدیوں کی طہارت بھی مقصود نہیں اور مقتدیوں سے یہ واجب ادا نہو
تو امام کی طہارت میں کلام نہیں غرض فساد نماز امام سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہو جانا [illegible]
اس پر شاہد ہے کہ مثل حرکت کشتی صلوۃ امام مقتدیوں کی طرف منسوب ہو جاتی ہے اور جیسے کہ سکون
کشتی سے سکون جالس ضرور ہے اور سکون جالس سے اوسکی کا سکون لازم آتا ہے اور اسکا عکس
متعدی نہیں ہوتا ایسے ہی دربارۂ فساد یہاں بھی یہی حال ہے تھپیڑے دیکھیے کہ جب
تندی ہوا وغیرہ موجبات اضطراب سے اگر کشتی مضطرب ہوتی ہے تو جالسان کشتی کا اضطراب
یعنی تہ و بالا ہونا ضرور ہے اور فقط کشتی نشین کو اگر سہو اتفاق لگے تو نہ وہ تہ و بالا ہو کشتی اور [illegible]
اور وجہ اوسکی وہی اتحاد حرکت بطور معلوم ہے اور اسی وجہ سے اس اضطراب عدم اضطراب سے
یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ادھر سے افاضہ اور ادھر سے استفاضہ ہے ایسے ہی سہو امام سے سب پر سجدہ
سہو کا لازم آنا اور مقتدی کے سہو سے کسی پر سجدہ کا لازم نہ آنا اتحاد صلوۃ پر بطور معلوم دال ہے اور
اسکو دیکھکر اہل فہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ امام کی طرف سے افادہ اور ادھر سے استفادہ ہے غرض
رکوع و سجود میں تقدیم و تاخیر کا مقتدیوں کے حق میں ممنوع ہونا بشہادۃ فطرت سلیمہ اس پر
شاہد ہے کہ امام ہی کی نماز مقتدیوں کی طرف منسوب ہے ورنہ خصوصاً استقلال یہ مخالفت ممنوع نہ ہوتی پانچویں
امام کے سترہ کا مقتدیوں کے حق میں کافی ہو جانا چنانچہ حدیث ابن عباس اوس پر شاہد ہے اس پر دلالت
کرتا ہے کہ اصل مصلی تو امام ہے اور مقتدی اوس سے مستفیض ہیں الغرض صلوۃ امام و مقتدی بوجہ
مذکورہ واحد ہے امام اصل اور موصوف بالذات ہے اور مقتدی تابع اور موصوف بالعرض ہے کیونکہ
نہ ہو اگر اختلاف اشکلات قمر وغیرہ معلوم ہے سے قضیہ نور القمر مستفاد من نور الشمس کا یقین ہو جاتا
ہے تو یہاں بھی استفادہ معلوم کا یقین ضرور ہے اس سبب سے ضروریات اعتبار صلوۃ یا ارکان کہیے
ضروریات اعتبار اتصاف بالذات مثل قرأت سب امام کے ذمہ پڑینگے اور ضروریات اتباع یعنی

بکتنے ضروریات اتصاف بالعرض مثل نیت اقتدا ر سب مقتدیوں کے ذمہ اور ضروریات اعتبار
حضور مثل رکوع وسجود وغیرہ دونون مین مشترک شرح اس معمای کی یہ ہی کہ صلوۃ کو تو صلوۃ باعتبار
وصف معروض معلوم ہوتا ہو احکام مقررہ جز قراۃ فاتحہ اور قراۃ سورۃ مین ہوتا ہی کہتے ہین
وجہ اس کی اول تو یہ ہی کہ لفظ صلوۃ بدلالۃ فقہ اللغۃ اس جانب مشیر ہی کہ دعا سے انسانی مقصود
ہی دوسرے جیسے قوۃ باصرہ وغیرہ قوی کو دیکھنے سننے کیلئے بنایا اور اس لئے یہ امور ان
قوی کے حق مین طبعی ہین ایسے ہی بدلالۃ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون نفوس انسانی کو
عبادت کیلئے بنایا ہی اور اسی وجہ سے عبادۃ انکے حق مین ایک خواہش طبعی ہوگی مگر چونکہ طاعۃ
وعبادۃ اوسکو کہتے ہین کہ مطاع ومعبود کی موافق مرضی کیا کرے مگر اوسکی مرضی کا جاننا اوسکے
بتلانے پر موقوف ہی اس لیے بالضرور بحکم شوق عبادۃ خدا تعالے سے استدعای ہدایۃ ضرور
ہوئی سو اول مین یہی استدعا اور استدعا کے جواب کے استماع کیلئے یہ افضل العبادات
یعنی نماز مقرر ہوئی قیام کا اس لیے موضوع ہونا تو خود ہی ظاہر ہے رہا رکوع وسجود اگر نظر
سرسری سے دیکھیے تو پھر بھی مثل سبحانک اللہم اوس کے ملحقات مین سے ہین اگر سبحانک اللہم
بمنزلہ سلام و مدح ہے تو رکوع وسجود بمنزلہ آداب و نیاز وقت انعام ہین یعنی جب سوال اہدنا الصراط
المستقیم کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلالت ذلک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین یہ معلوم ہوا
کہ سائل کا سوال پورا ہو گیا اور اوس کی امید پوری ہو گئی اس لیے اس انعام کے شکریہ
مین آداب و نیاز بجا لانا اوسکے ذمہ ضرور تھا البتہ اس تقریر کے موافق یہی مناسب تھا کہ سارا
قرآن بعد فاتحہ ہر رکعۃ مین پڑھا جایا کرتا کیونکہ مجموعہ کتاب کی نسبت یہ ارشاد ہے ہدی للمتقین شاید
یہی وجہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے بعض اوقات ایک رکعۃ مین سارا قرآن پڑھ لیا تھا مگر جیسے
پانی کے ہر قطرہ کو پانی اور خاک کے ہر ذرہ کو خاک کہتے ہین ایسے ہی قرآن کے ہر ٹکڑے کو

بشرطیکہ کتاب ہونا یعنی حامل خبر یا طلب ہونا اس میں پایا جاتا ہو کتاب کہہ سکتے ہیں اسلیے
بغرض تخفیف تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا چنانچہ علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر
بھی اسی پر شاہد ہے کہ اصل یہی تھا کہ سب پڑھا جایا کرتا پر تخفیف کے باعث کمی کی اجازت ہو گئی۔
بالجملہ باعتبار حقیقت نہ وہ از قسم استدعا نہ یہ از قسم دعا مگر چونکہ بلحاظ عظمت شان مسئول
عنہ سوال کے لیے یہ دونوں ضروری ہیں تو جیسے سامان بخشش و ترحم یا اطعام ہو جاتے ہیں
چنانچہ اوپر عرض کر چکا ہوں ایسے ہی یہ بھی ملحق بالسوال ہیں اور عبودیت [illegible]
سجود ادا ان دونوں حالوں پر دلالت کرتے ہیں جو [illegible] سراپا اطاعت کو وقت سوال [illegible]
ہونے چاہئیں یعنی سائل کو اولی تو مسئول عنہ کی طرف میلان [illegible]
[illegible] چنانچہ ظاہر ہے اور بعد استماع [illegible]
[illegible] سے محبوب ہوا انقیاد اور امتثال لازم ہے [illegible]
[illegible] سمع اللہ لمن حمدہ [illegible]
اور سمع اللہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور امتثال [illegible]
ہی اوس [illegible] امتثال ہو گا [illegible]
کہیے اصل انقیاد شوق [illegible]
اس لیے دو سجدے مقرر ہوئے تا انیت انواع امتثال پر دلالت کرے بہرحال سوال
تعالی کے ساتھ سوال حالی بھی جمع کیا گیا تاکہ وہم نفاق یا [illegible]

محقق سوال قالی سے بے مقدم ہو لیکن ظہور مین اوس سے متاخر بلکہ اوسکا محتاج تھا اس لیے
وہ افعال جو بالطبع مظہر احوال شمار الیہ ہون وضع مین سوال قالی سے موخر ہے مگر اس صورۃ
مین نماز کے تمام ارکان کا استدعا استماع کیلئے موضوع ہونا زیادہ تر روشن ہوگیا اور یہی روشن ہوگیا
تفضیل طول قنوت غلط نہین اور یہ بھی روشن ہوگیا کہ جیسی ایمان باینوجہ کہ وہ نیت ایک عام اور عزم انقیاد
مطلق ہی تمام اعمال سے افضل ہی حالانکہ ہر عمل مین نیت خاص کا ہونا ضرور ہی ایسی ہی صلوۃ
باینوجہ کہ اوس مین باستدعا ہدایۃ مطلقہ اور اظہار امتثال مطلق ہوتا ہی جملہ عبادات سے افضل ہی
اور کیون ہنوز زکوۃ وصوم تو قطع نظر اس سے کہ ایک امتثال خاص ہین اصل مین عبادۃ ہی نہین
بوجہ الحاق امتثال امر عبادۃ بن جاتی ہین ورنہ ملازم آئے کہ خدا تعالی سب مین زیادہ غنی ہی
کیونکہ زکوۃ اصل مقصود دفع حاجت ہوتی ہے اور صوم مین اصل مقصود تنزہ سو ظاہر ہی کہ ان دونون
باتون مین خدا تعالے سب سے زیادہ ہی رہا حج اوسکے ارکان اگرچہ مثل ارکان صلوۃ باعتبار اصل
طبیعت بتوسط محبت انقیاد پر دلالہ کرتے ہین مگر چونکہ اوس کے افعال اصل مین مظہر شیون
محبت ہین تو وہ عموم اور اطلاق عبودیت کہان جسپر صلوۃ دلالۃ کرتی ہی محبت ہر چند سامان اطاعت
ہی مگر اسکے بعض مقتضا مثل تنگدلی وغیرت وغیرہ بسا اوقات بظاہر مبہم انقیاد ہو جاتے ہین
علاوہ برین اصل انقیاد اور واسطۂ انقیاد مین بہت فرق ہی حج مین واسطۂ انقیاد ہی اور نماز
مین اصل انقیاد علے ہذا القیاس جہاد وغیرہ طاعات کو خیال فرما لیجئے لیکن جو صورتیکہ دربارہ
اعتبار صلوۃ جو اصل مقصود من الصلوۃ ہی چنانچہ اختصاص و اشتہار بنام صلوۃ بھی اوسپر شاہد
ہی امام اصل ٹھہرا اور مقتدی اوسکے تابع اور اس سے مستفید تو بحکم اتصاف بالذات ظہر دربارہ
اعتبار صلوۃ یعنی فاتحہ جو ایک عرضی بندگان سراپا اخلاص درباستدعائے طلبان باوفا ہی
در سورت وغیرہ جو حکمنامہ احکم الحاکمین ہی امام ہی کی جانب ملاہی وجہ ہی کہ ارشاد ہوا اذا قری

القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا مین اگر یہ اصلیۃ وتبعیۃ نہوتی تو جیسے دو منفرد اگرچہ قریب ہی قریب کیون نہون دربارہ قرأت ایک دوسرے کا کفیل نہین ہوتا تو یہان بھی ایک کو دوسرے کا ضامن نکہتے اور یہہ بھی نہین تو کبھی اولٹا تو ہوتا مگر اہی کیا کیجیئے کہ امام کی قراءۃ تو سب کے نزدیک ضرور ٹھہری اس صورۃ مین تدبیر استماع وانصات بجز اسکے اور کیا ہی کہ مقتدی خاموش رہین مگر چونکہ اصل وجہ اوس قرأت اور اس استماع وانصات کی وہی اصلیت امام وتبعیۃ مقتدی ہی تو صلوۃ سرّی بھی اس قصہ مین ہمسنگ صلوۃ جہری نظر آتی ہی اسی بنا پر یہہ ارشاد ہوا من کان لہ امام فقراۃ الامام الخ او کما قال رہی حدیث عبادہ جو وجوب قراۃ فاتحہ علی المقتدی پر دلالۃ کرتی ہی اول تو اوس کے ثبوت مین کلام دوسرے اگر ہی بھی تو حسن ہی صحیح نہین اور اگر بعض محدثین کی تقلید کیجئے اور صحیح بھی کہیے تو آیہ مذکورہ کی معارض نہین ہوسکتی اوسکی وجہ سے مفہوم آیۃ مین تاویل کرنی یا تخصیص کرنی جس کا حاصل وہ نسخ ہی زیبا نہین اوسکو آیۃ سے منسوخ کہین تو زیبا ہی ان نسخ بوجہ سے نسخ سو جہ زیادہ دلنشین ہوتا ہی اسلیئے گذارش ہی کہ جیسے ارکان اسلامیات مین تدریج ملحوظ رہی ہی یعنی صلوۃ و زکوۃ اول فرض ہوئی پھر جہاد پھر صوم پھر حج ایسے ہی ایک ایک حکم کو دیکھیے تو اکثر احکام مین یہی تدریج نکلیگی خاصکر صلوۃ حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو ابوداؤد مین دربارہ تحول احوال صلوۃ مروی ہی اوسپر شاہد ہی اور اول سلام وکلام کا جائز ہونا پھر توجہ قوموا للہ قانتین اونکا ممنوع ہونا بھی اس طرف مشیر ہی سو بعد غور یون معلوم ہوتا ہی کہ جیسے تعمیر مکان سے پہلے مادہ تعمیر یعنی سامان عمارت یعنی اینٹ چونا لکڑی وغیرہ فراہم کیا جاتا ہی اور اوسوقت نہ وہ ترتیب ملحوظ رہتی ہی جو وقت تعمیر پیش آتی ہی چنانچہ بسا اوقات کڑیان اور شہتیر اینٹون اور پتھرون سے پہلے خرید لیتے ہین اور وہ شہتیر اور کڑیان جو سب سے اوپر لگائی جاتی ہین سب سے پہلے آجاتی ہین

کہ بالفرض یہہ حدیث بھی معارض ہوتی تو یہہ بھی بمقابلہ قرآن شریف واجب الترک تھے مگر اسکو
کیا کیجئے کہ یہہ حدیث اصلا معارض نہیں حاصل منطوق حدیث مذکور یہ ہی کہ ایک صلوۃ کیلئے
ایک فاتحہ چاہئے سو باعتبار طول ایک رکعۃ ایک صلوۃ تھی اسلئے ہر رکعۃ مین فاتحہ ضروری
ہوئی اور باعتبار عرض صلوۃ امام و مقتدی صلوۃ واحدی یہان بھی ایک ہی فاتحہ کافی
ہوگی الغرض احادیث مذکورہ مین سے حدیث عبادۃ گو باعتبار منطوق قرآن سے معارض
ہو مگر بوجہ اختلاف زمان جسپر شہادۃ فطرۃ سلیمہ موجود ہی تعارض نہیں کیونکہ تعارض کیلئے وحدۃ
زمان بھی ضروری ہی جو منجملہ ہشت وحدات تناقض ہی اور حدیث لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب مین
باعتبار منطوق بھی تعارض نہیں گو اہل ظاہر کو معلوم ہوتا ہو البتہ تعارض فاقرؤا کا کھٹکا ہنوز
باقی ہی اوس کی مدافعۃ کیلئے یہہ گذارش ہی کہ قراۃ باعتبار صلوۃ مطلوب ہی اور بحکم بعض مقدمات
معروضہ ضروریات صلوۃ کی ضرورۃ مصلی بالذات اور اس وصف کے موصوف بالذات کو ہوگی
اس لیئے مخاطب فاقرؤا سوائے امام منفرد کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور کیونکر ہون بدلالۃ
سیاق و سباق مخاطب فاقرؤا مصلی ہین اور اطلاق مصلی موصوف بالذات بالصلوۃ پر تو حقیقی ہی اور
صورت بالعرض پر مجازی کیونکہ وہ واقع مین مصلی ہی نہین ہوتا اس صورت مین خطاب
فاقرؤا مین مقتدی داخل ہی نہونگے جو اخراج کی ضرورۃ پڑے بلکہ مدرک رکوع کا بالاجماع
اس حکم سے سبکدوش ہونا اسی کی تفسیر ہی کہ مقتدی حقیقۃ مین مصلی ہی نہین اسلیے
فاقرؤا کے مخاطب فقط امام و منفرد ہین مقتدی نہین اور یہی وجہ ہوئی کہ قیام اوس پر فرض
نہوا کیونکہ قیام بوجہ قراۃ مطلوب تھا جب قراۃ ہی اوسکے ذمہ نہین اور نہ وہ حکم قراۃ
مخاطب تو پھر مطالبہ قیام بیسود ہی باقی وجوب قیام رکعات باقیہ بحکم حضور سی نہ بحکم صلوۃ
اسکے بعد اس تاویل کی کچھ حاجۃ نہین کہ للاکثر حکم الکل تین فرضون مین سے دو کا ادا ہو جانا

بھی کافی ہے علاوہ برین اگرکچھ عذر قابل استماع ہو تو قیام و رکوع و سجود واحد بھی کافی ہوا
کرے علی ہذا القیاس قیام اور دو سجدون سے نماز ہو جایا کرے اسوقت ند دونون آیتون
مین تعارض باقی رہتا ہے اور نہ اعتراض ظنیت حدیث بوجہ تخصیص دربارہ فرضیۃ قراءۃ علی الامام
والمنفرد قادح ہو سکتا ہے اگرچہ جواب اعتراض مذکور یہہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیہ فاقرؤا دربارہ قراءۃ
خاص ہے اور عموم و خصوص بعض اگر ہے تو باعتبار مخاطبین ہے اسلیے اگر قطعیت مبدل بالظنیت
ہوگی تو دربارہ تعین مخاطبین ہوگی نہ درباب قراءۃ پر جیسے بدلالۃ حدیث صید جسمین احتیاط
پر نظر کرکے اوس صید کو حرام کر دیا ہے جسکے اصطیاد مین اور کتا بھی شریک ہو جائے ایسے ہی
بوجہ احتیاط اون لوگون پر قراءۃ فرض ہے گی جنکا حکم قراءۃ سے خارج ہونا کسی دلیل
سے ثابت نہین ہوا اگر حرمۃ مستحق احتیاط ہے تو فرضیۃ بھی یہ استحقاق رکھتی ہے بالجملہ نہ
آیہ فاقرؤا اور آیہ اذا قرئ القرآن مین تعارض ہے اور نہ حدیث لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب
وغیرہ احادیث دالہ علی وجوب قراءۃ فاتحہ اور آیۃ مین تعارض ہے ہان البتہ حدیث عبادہؓ
اور آیہ اذا قرئ القرآن مین باعتبار منطوق تعارض ہے اسلیے اگر اشارات مذکورہ حدیث مذکور کا تقدم
اور آیۃ کا تاخر بنسبت تقدم آیۃ و تاخر حدیث زیادہ ترچسپان ہے پھر اونپر حدیث کی صحت مین کلام
ادہر قائلان وجوب قراءۃ فاتحہ علی المقتدی کو دیکہا کہ فکر تعمیل آیۃ سے غافل نہین صحابہ
کرام مین حضرت ابوہریرہؓ اور ایمہ فقہ مین حضرۃ امام شافعیؒ کو ایجاب فاتحہ علی المقتدی
مین زیادہ تشدد ہے مگر حضرت ابوہریرہؓ تو تتبع سکتات امام ارشاد فرماتے ہین اور حضرۃ
امام شافعی کے مقلدونکو دیکھا کہ امام بعد فاتحہ دیر تک ساکت کھڑا رہتا ہے اوس وقت مقتدی
فاتحہ پڑہتے ہین سوا اس کے کہ سکتات امام اور سکتہ طویلہ میں الفاتحہ والسورۃ ہمکو ایک تجویز
اضطراری کہیئے اور کیا کہیئے حدیثون مین مرفوعا شاید کہین یہہ دونون باتین نہون اگر یہ

تجویز بلحاظ آیۃ مذکورہ نہین تو اور کیا ہی جس صورۃ مین آیۃ مذکورہ قائلان وجوب فاتحہ علی
المقتدی کے نزدیک بھی واجب التعمیل ٹھری اور خود اونکے تجویز غیر مروی تو اس صورت
مین یہی بہتر نظر آتا ہی کہ حدیث من صلی صلوۃ الخ وغیرہ کیطرف رجوع کیا جاوے اور اُنکی
تجویز سے تو اوس کی تعمیل بہتر ہی ہوگی اور کیون نہو اول تو اس بارہ مین احادیث
مرفوع الاسناد اور بھی موجود ہین چنانچہ امام محمد کی موطا مین موجود ہین اور اگر اسی روایۃ
پر قناعت کیجاوے اور اس سے قطع نظر کیجاوے کہ قوۃ درایۃ قوۃ روایت سے مقدم ہے
چنانچہ انشاء اللہ واضح ہوجائیگا موقوفا تو اس کی صحت مین کلام ہی نہین پہر باوجود اشتہار
لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب حضرۃ جابرؓ کا یہ ارشاد بے اسکے متصور ہی نہین کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہو احتمال اجتہاد بے تاویلات رکیکہ چسپان نہین ایسی احادیث موقوفا
بھی مرفوع کے حکم مین ہی علاوہ برین اگر اجتہاد ہی تھا تو ایسا تھا کہ آب زر باید نوشت یعنی
جب امام در بارہ صلوۃ موصوف بالذات ہو تو پہر مقتدی پر بار قراءۃ بیموقع نظر آیا اور اُسکے
ساتھ آیہ اذا قرئ القرآن کو مانع قراءۃ و نیز الہ آیۃ فاقرؤا کو اوسکے مزاحم پایا مخالف
نہ الا ... عبادۃ کو بوجہ مدرج مشار الیہ منجملہ احکام سابقہ سمجھا ان سب باتون کے
لحاظ کے بعد اس اجتہاد کو غلط کہنا مناسب نہین ہان کسی نص کا تعارض ایسا ہوتا
کہ اوسکی مدافعت کی کوئی صورۃ ہی نہوتی تو البتہ محل تامل تھا اتفاق سے دیکھئے تو حدیث
عبادہ و آیۃ اذا قرئ القرآن کا تعارض ایسا ہی کہ بے تجویز تتبع سکتات یا سکتہ طویلہ مشار الیہا
اوسکی مدافعت کی کوئی تدبیر نہین اور ظاہر ہی کہ یہ دونون تجویزین غیر مروی باقی روایۃ مرفوع
اوسکی کسی طریقہ مین کلام ہی تو ایسی کلام تو حدیث عبادۃ مین بھی موجود ہی محمد بن اسحاق کی
تعدیل اگر کسی نے کی تو اُنکا قول فیصل نہین ہو سکتا روایۃ کا حال اول تو منشاء افعال

سے منتزع ہوتا ہی اوسمین اختلاف ہو تو وہ درحقیقت اختلاف انتزاع ہی اور تعارض ظن تخمین جیسے
اگر مراتب انتزاع مین سب برابر ہین تو بشرط تساوی مشاہدہ اعتبار مین بھی برابر ہونگے اونکے
بعد جو کوئی کہیگا اونہین کے حوالہ سے کہیگا جس کسیکو متاخرین مین سے منجملہ ائمہ جرح و تعدیل کسیکا
اعتقاد زیادہ ہوا اُسنے اُسیکا اتباع کیا ایک کا اعتقاد دوسرے کیطرح قیمین واجب اللحاظ نہین جو اُسکا
قول قول فیصل سمجھا جاوی یہہ بات درایت مین تصور ہے یعنی اگر کسی نے بنائے احکام کا پتا لگا دیا
جیسا کہ بشرط انصاف اوراق معروضہ مین ہوا ہی تو پھر ہر حکم ٹھکانے لگجاتا ہی اور اسلئے اوسکا
قول قول فیصل ہوجاتا ہی پھر اگر حدیث عبادہ اور طرق سے مروی ہی تو حدیث من صلی بھی باللفظ
یا بالمعنی اور طرق سے مروی ہی بنام محمد کی موطا تو مطالعہ فرمائیگا اوسمین بعض طرق ایسے بھی نکلینگے
انشاء اللہ کہ علی شرط الشیخین ہون اور یہ بات سراسر تعصب اور ناانصافی کی ہی کہ امام محمد اور امام
ابوحنیفہ کا روایت مین اعتبار ہی نہ کیا جائے اگر روایت مین فقہاء کا اعتبار نہین تو اور کسکا ہوگا درجہ
اولی ہوگا کیا کیجئے اس ویرانہ مین مواد کتب حدیث کا بالکل پتہ نہین اور دیوبند و سہارنپور
مین اگر بعض کتابین ہون بھی تو یہان سے دور علاوہ برین کچھ بوجہ تواتر امراض ناتوانی کچھ بوجہ عدم
کی تن آسانی کتابون دیکھنے ایک موت ہی ورنہ اس باب مین بھی کچھ لکھتا با بجاری اپنے ہی خیالات
پر اکتفا کرتا ہون میرے احباب تو بوجہ حسن ظن و محبت تحقیقات دانشمندانہ سمجھینگے پر اور لوگ شاید
ان خیالات کو خیالات شاعرانہ سمجھین اسلیے لکھنے کو بھی جی نہین چاہتا مگر دنیا بامید قائم ہون
سمجھکر کہ شاید آپ کو یہہ مشرب موافق مذاق نظر آئے کچھ تو لکھ چکا ہون اور کچھ اور لکھتا ہون مگر سنئے
شاید تقریرات گذشتہ کو سنکر کسی کو یہہ خیال ہو کہ اگر امام موصوف بالذات ہی اور اسوجہ سے امام اور
مقتدیونکی نماز واحد ہی تو مقتدی کے ذمہ طہارۃ اور ستر عورۃ اور استقبال قبلہ اور رکوع و سجود بھی
نہونا چاہیئے بلکہ یہ بھی امام ہی کے سر رہتا اور سبحانک و تسبیحات اور التحیات اور درود و دعا

اور تکبیر وتسلیم بھی جسقدر جو بین مطلوب ہاین اوسی سے مطلوب ہوتے اس لئے یہ گذارش ہے کہ عروض
وصف کیلئے یہ ضرور ہے کہ معروض یعنی موصوف بالعرض احاطہ موصوف بالذات سے خارج نہو دریا مین
بھی کہین ہونا استفادہ کیلئے مستفید کیلئے کافی نہین اوسیکے احاطہ مین ہونا ضرور ہے شعاعونکو نور سے
مستفید ہونیکے لیے [illegible] مجرد مین سے کیف ما اتفق کہین ہونا کافی نہین اونہین کے احاطہ مین
ہونا ضرور ہے ایسی ہی امام سے استفادہ صلوۃ کیلئے کہین ہونا کافی نہین اوسی کے احاطہ مین
صلوۃ ہونا ضرور ہے مگر امام کے ہر قول وفعل سے نمایاں ہے کہ وہ بقدر [illegible] حال ادھر سے غائب
ہوگیا اور خدا کی درگاہ بے نہایت مین حاضر ہے خطاب ایاک [illegible] اور سوال اہدنا الصراط المستقیم اور دست
بستہ کھڑا ہونا پھر کبھی جھکنا اور کبھی سر رکھدینا بدیہہ کمال اس حضور پر دال ہین یہی وجہ ہے کہ اختتام صلوۃ
پر سلام کو رکھا گیا کیونکہ انقطاع غیبت فی الجملہ پر جب سلام مسنون ہوا تو اس غیبت کبری کے انقطاع
کے بعد سلام کیون نہ مشروع ہوگا اس سے زیادہ اور کون سی غیبت ہوگی کہ عالم امکان ہی غائب
ہوکر عالم [illegible] بالجملہ امام وقت نماز دربار خداوندی مین حاضر ہوتا ہے اس صورت مین کسی
حال مین کہین ہونا تو کیا اور [illegible] بے نہایت مین بھی امام سے علیحدہ ہوکر حاضر ہونا کافی نہین
وہ درگاہ تو بے نہایت ہے دریا سب متناہی ہین جب وہین خارج از احاطہ سفینہ ہونا کافی نہین تو بارگاہ
غیر محدود رب معبود مین کہین ہونا کیا نافع ہوگا اوسیکے احاطہ مین اور اوسیکے ساتھ ہونا چاہئے یہی وجہ
ہوئی کہ نیت اقتدا ضرور ہے یعنی بمقتضای اتصاف بالعرض نیت اقتدا مقتدی کے ذمہ ضروری
ہوا حضور مین مقتدی کو بھی حضور دربار خداوند عالم ضرور ہے مگر حضور دربار حکام مجازی وشاہان دنیا کو
لازم ہے کہ حاضر ہونیوالا نہا دھوکے لباس درست کرکے وہان پہونچے تو مونہہ ادھر کو ہو آداب دربار
بجالائے حاضران دربار خداوندی کی ذمہ یہ کیون نہوگا کہ پہلے پاک صاف ہولے لباس مناسب پہنے
پہونچے تو روی نیاز ادھر کو ہو اپنے اپنے موقع پر آداب مناسب بجالائے الغرض یہ امور جو

مقتدی کے ذمہ واجب ہین تو بمقتضاے وصف صلوۃ نہین ورنہ لازم تھا کہ بمقتضائے
حکم لا صلوۃ اول سے آخر تک سوا فاتحہ کچھ نہ پڑھا جاتا بلکہ وجوب علی المقتدی یا استحباب بمقتضائے
وصف حضوری ہین اور مین پہلے عرض کر چکا ہون کہ یہ دونون اعتبار متغایر ہین گو ایک ہی مصداق
پر عارض ہون اور اگر یہ خیال کیا جاوے کہ اصل صلوۃ وہ قراءۃ معہودہ اور رکوع و سجدہ وغیرہ
ملحق بالصلوۃ تو اتحاد مصداق بھی نہین رہتا الحاصل یہ دونون اعتبار متغایر ہین اور ہر ایک کے
آثار و مقتضیات جدے جدے ہین چونکہ حضوری مین دونون برابر ہین تو اسکے آثار بھی مشترک رہین گے
اور صلوۃ مین امام منفرد ہے تو قراءۃ جو اوسکی مقتضیات مین سے ہے امام ہی کے ساتھ خاص رہیگی
اور نیت اقتدا جو مقتضیات استفادہ اور اتصاف بالعرض مین سے ہے مقتدی کے ساتھ مخصوص
رہیگی اور چونکہ موصوف بالذات کو عوارضات سے استغنا لازم ہے اسلئے مرتبہ امامت مین تو کوئی امر
ہو تو ہو یہ استعداد بھی ملحوظ ہو جائیگا کہ سبحانک اللہم اور تسبیحات اور التحیات تو مقتدی کے ذمہ رہین والا نماز
فی حد ذاتہ چندان ضروری نہین اور قراءت جو بمقتضائے آیۂ فاقرءوا ضروری ہے بالخصوص ایسی جسکی خصوصیت
پر نص قاطع لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب ہے جو ہے اوسکے ذمہ نہ رہی اور بنام طور پر اس مضمون کو بیان کیجئے
تو پھر اوسکی یہ صورت ہے کہ آداب دربار اور سلام تو سبھی حاضران دربار بجا لایا کرتے ہین پر عرض مطلب کے وقت اور
استماع جواب کیلئے کوئی ایک ہی آگے بڑھا کرتا ہے اور یہی لائق ہے کہ آگے بڑھایا کرتے ہین اسی طرح اگر
سبحانک اور تسبیحات اور التحیات اور تکبیرات سب بجا لائین اور قراءۃ جو درحقیقت عرض مطلب ہے باعتبار کا
جواب ہے امام ہی کے ذمہ رہی تو کیا بیجا ہے اس صورت مین بھی امام کی فضیلت سب سے اور مطلوب ہونیکی خوبی معلوم
ہو جاتی ہے اس سب گذارش کے بعد پھر گذارش ہے کہ بسبب ارشاد فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول
ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا ترک قراءۃ خلف الامام قراءۃ المقتدی سے خیر اور احسن
معلوم ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہمکو تو ترک قراءۃ قواعد مقررہ شرع پر منطبق معلوم

ہوتا ہے اوستا قراۃ خلف الامام کو منطبق نہین پاتے البتہ حامیان قراۃ خلف الامام اسباب مین اگر بول سکتے ہین تو اتنا ہی بول سکتے ہین کہ روایۃ قراۃ فاتحہ روایات ترک قراۃ سے اقوی ہے مگر اول تو یہ دعوی غیر مسلم اہل انصاف تو عجب نہین اس بات کو تسلیم نکرین اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم ہی کیجیے تو اس کو عمل بالاحوط کہنا چاہیے از قسم ردوا الی اللہ والرسول نہین اور ظاہر ہے کہ عمل بالاحتیاط اوسیوقت تک ہے جبتک حقیقۃ حال معلوم نہو اگر حقیقۃ الامر منکشف ہو جائے تو پھر احتیاط کیلیے موقع ہی نہین رہتا اس جا سے یون سمجھ مین آتا ہے کہ قوۃ روایۃ باعتبار درایۃ قوۃ سند سے بڑھکر ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے فقہا کا سند مین زیادہ اعتبار ہوا اور کیون نہو روایۃ بالمعنی اکثر ہوتی ہے اور اوس مین فہم ہی کی زیادہ ضرورۃ ہے بالجملہ باعتبار درایۃ نسخ قراۃ مقتدی زیادہ موجہ ہے پھر اوس پر تعارض آیۃ واذا قری القرآن سے تو باعتبار سند بھی تارکان قراۃ ہی کی طرف ہے اوسپر بھی امام ابوحنیفہ پر طعن اور تارکان قراۃ پر عدم جواز صلوۃ کا الزام ہوا کرے تو کیا کیجیے زبان قلم کے آگے کوئی آڑ نہین دیوار نہین پہاڑ نہین ہمکو دیکھیے باوجود توجیہات مذکورہ اور استماع تشنیعات معلومہ فاتحہ پڑھنے والونسے دست وگریبان نہین ہوتے بلکہ یون سمجھکر کہ ہم تو کس حساب مین ہین امام اعظم بھی باوجود عظمۃ شان امکان خطا سے منزہ نہین کیا عجب ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ ہی صحیح فرماتے ہون۔ اور ہم ہنوز انکے قول کی وجہ نسمجھے ہون اس امر مین زیادہ تعصب کو پسند نہین کرتے پر جب امام علیہ الرحمۃ کی توہین سنی جاتی ہے دل جلکر خاک ہو جاتا ہے اور یون جی مین آتا ہے کہ ان زبان درازونکو سمجھو قابلین ہم بھی تن ترانیون پر آجائین اور دو جواب ہم بھی سنا دین پر کیا کیجیے واذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلاما واذا مروا باللغو مروا کراما باحادیث منع نزاع مانع ہین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فقط

جواب حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ کا در باب تقلید و تراویح آٹھ رکعت اور پڑھنا ضاد کا بمخرج ظاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کہ وہ لنڈھورہ نگینہ ضلع بجنور کا رہنے والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظاء پڑھو ورنہ نماز باطل ہو گی اور تراویح آٹھ رکعت پڑھو بیس رکعت پڑھنا فضول ہے اور تقلید کسی امام کی نہ کرنا چاہیے جس حالت میں کہ چاروں مذہب سنت ہیں پھر امام اعظم کی تقلید سے کیا فائدہ ہے جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مزین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے

جواب مخدوم من میاں جی نگینہ صاحب سلامت۔ بعد سلام کے گذارش ہے کہ میں پرسوں تیسرے روز پیر کے دن دیوبند سے یہاں اپنے وطن میں پہنچا آپ کا خط طلا دیکھ کر رنج ہوا کیا خدا کی قدرت ہے کہ آجکل جس طرف سے صدا آتی ہے یہی آتی ہے کہ وہاں مسلمانوں میں اختلاف ہے وہاں نزاع ہے کہیں سے اتفاق کی خبریں نہیں آتی ہاں کفار کے جتنے افسانے سنے جاتے ہیں کہ یوں اتفاق ہے اس طرح اتحاد ہے خیر بہر انا للہ وانا الیہ راجعون کہے اور کیا کہیے آپ کی خوشنودی خاطر منظور ہے اس لیے جواب لکھتا ہوں ہر چند ایسے جھگڑوں میں دخل دینا محض فضول سمجھتا ہوں جناب من جیسی کہ بے کے جگہ تے اور دال کی جگہ ذال اور حا کے بدلے خا اور شین کی عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کی مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنے سے لیکر اعلیٰ تک ہر کوئی اس بات کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے منجملہ بدیہیات ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آجکل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول باتیں کہہ بیٹھتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتووں کی مہروں کو دیکھ کر بہک جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا اور فتووں کا لکھنا ہر کسی کو نہیں آتا اب تقلید کی بات سنیئے لاریب

دین اسلام ایک ہی اور چارون مذہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری انگریزی ایک ہی
اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر لائق معالجہ ہی اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطبا
یا مخالفت رای ڈاکٹران جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہی ہر بات مین اُسیکا کہنا
کیا جاتا ہی دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رای نہین سنی جاتی ایسی ہی وقت اختلاف ائمہ
و مجتہدین جس امام یا مجتہد کا اتباع کیا جای ہر بات مین اُسکی تابعداری ضروری ہان جیسی کبھی ایک طبیب
یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کیطرف رجوع کر لیتے ہین اور پھر بعد رجوع ہر بات مین دوسرے کا اتباع
مثل اول کیا جاتا ہی ایسی ہی کبھی کبھی بعض بزرگون نے زمانہ سابق مین کسیوجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر
دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا اور بعد تبدیل مذہب ہر بات مین دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہین کیا
کہ ایک بات انکی لی اور ایک بات انکی لی اور اس تدبیر سے ایک لامذہبی کا پانچوان انداز گھڑ لیا امام
طحاوی جیسے بڑے محدث اور فقیہ ہین پہلی شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے بالجملہ بے تقلید کام نہین
چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروڑون عالم اور محدث گذر گئے پر مقلد ہی رہی امام ترمذی کو دیکھئے کتنے
بڑے عالم اور فقیہ اور محدث تھے ترمذی شریف انہین کی تصنیف ہی باوجود اس کمال کے
مقلد ہی تھے اعتبار نہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے جب ایسے ایسے عالم اس کمال پر بھی مقلد ہی رہی
امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ
کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا عالم ہوگا جسکے ذمہ تقلید ضروری نہو اگر کسی بڑے عالم نے
اماموں کی تقلید نکی بھی تو کیا ہوا اول تو کروڑون کے مقابلہ مین ایک دو کی کون سنتا ہی جس عاقل
سے پوچھو گے یہی کہیگا کہ جسطرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی یا نہیں یہ کونسی
عقل کی بات ہی کہ اس باتمین عالمونکی چال ہم اختیار کرین یہ ایسی بات ہی کہ کوئی مریض جاہل
ی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہی اور دوسرے طبیب سے دوا نہین پوچھتا

یہ دیکھکر بھی یہی انداز اختیار کرے اپنا علاج اپنے آپ کرنے لگے اور طبیبون سے کام نرکھے تم
ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائینگے یا بیوقوف سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھکر جاہل اگر
تقلید چھوڑ دیں تو یون کہو علم تو تھا یا نہ تھا عقل ہین بھی دشمنون ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلونکو
جانے دیجیے آجکل کے عالم الیقین جانیے کل نہین تو اکثر جاہل ہی ہین بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے
بھی زیادہ جاہل ہین دو کتابین اُردو کی بغلمین دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہین اور علم کے نام سے بھی
نہین جانتے کم سے کم علم آتا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالبعلم کو پڑھا سکے باقی رہی تراویح اُس
مین جو آجکل ملانون نے تخفیف نکالدی ہے یعنی بیس کی آٹھ کردی ہین تو ہر ایک کو جو جتہ سمائی
یہ بات پسند آئی ہے پر یہ بات کوئی نہین سمجھتا کہ آٹھ رکعتین جو حدیث مین آئی ہین تو وہ تہجد کی
رکعتین ہین تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز تراویح کی بیس ہی رکعتین ہین حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے زمانہ مین ہزارہا صحابہ تھے اور اس زمانہ سے لیکر آجتک کسی نے بیس رکعت مین کچھ حجت
نکی تھی مگر آجکل ایسے ان پڑھے اتنے عالم پیدا ہوئے ہین کہ انہون نے حضرت عمر اور صحابہ کی
بھی غلطی نکالی سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال باقی یہ کہنا کہ حضرت عمر سے پہلے بیس رکعتین نہین
پڑھتے تھے یہ خیال خام ہے یہ بات اتنی بات سے کیونکر نکل آئی کہ حضرت عمر کے زمانہ مین بیس کا اہتمام
شروع ہوا دیکھئے پہلے زمانہ مین نکاح ثانی کا اسلئے چندان اہتمام نتھا کہ اس نکاح کو اتنا برا نہ سمجھے
تھے جب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ دیکھا کہ اس امر خیر کو آجکل معیوب سمجھنے لگے انہون نے اسکا
ذکر اپنی تصانیف مین کیا آخر کار انکی اولاد اور انکے شاگردون نے اسکو جاری کرنے مین کمر باندھی
مگر اسکے یہ معنی نہین ایہہ نکاح ثانی شاہ ولی اللہ صاحب اور انکے خاندان کا ایجاد ہے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بات نہین ایسی ہی بیس رکعت کو حضرت عمر اور انکے زمانہ کے
صحابیون کا ایجاد نہ سمجھے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھے ورنہ اسکے یہ معنی ہوئے

کہ حضرت عمر سنی نہ تھے اُنکے زمانہ کے صحابہ سنی نتھے سب کے سب نعوذ باللہ بدعتی تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو مٹاڈ یا اپنی سُنت جاری کردی اب تمھین فرماؤ حضرت عمر اور اصحاب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا بُرا سمجھنے والا کون ہوتا ہی میانجیو صاحب حضرت عمر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم تو صحیح صحیح حدیثون مین موجود ہی ایک دو حدیث لکھے دیتا ہون اونھین مولوی صاحب سے اُنکا ترجمہ کرالینا جو آٹھ رکعت گلے پھرتے ہین ایک حدیث تو یہ لیجئے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی دوسری یہ لیجئے۔ اقتدوا بالذین من بعدی۔ تیسری یہ لیجئے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم فقط

کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟

شرح

(۱)...توثیق الکلام (۲)....الدلیل المحکم

شارح

حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری صاحب رحمہ اللہ
(اُستاذ دار العلوم دیوبند)

مُقَدِّمَہ

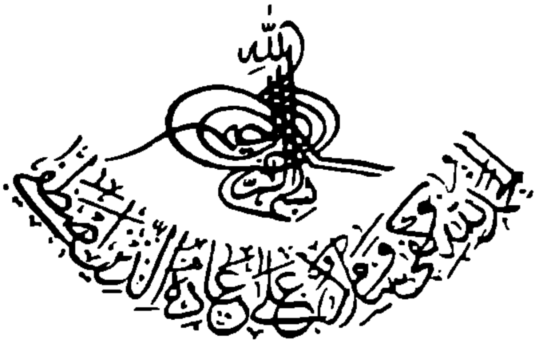

اما بعد! یہ مسئلہ کہ مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟ سرّی (خاموش پڑھی جانے والی اور جہری (بلند آواز سے پڑھی جانے والی) نمازوں کا ایک حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس سے ہر مسلمان کو روزانہ پانچ مرتبہ سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لے۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ نے اس کتاب میں یہ مسئلہ مدلل بیان فرمایا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تین مسئلوں کا باہم گہرا ربط ہے۔ اور عام طور پر لوگ اُن میں فرق نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے دلائل میں اُلجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

مسئلہ (۱): قراءت (قرآن پاک پڑھنے) نماز سے کیا تعلق ہے؟

تمام مجتہدین کرام متفق ہیں کہ قراءت نماز کا اہم اور بنیادی رکن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے میں نے مدینہ میں منادی کی کہ:

"لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِقُرْاٰنٍ وَلَوْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا زَادَ" (ابوداؤد، ص ۱۱۷، ج ۱)

ترجمہ: "قراءت ہی سے نماز ہوتی ہے۔ چاہے سورۂ فاتحہ ہی ہو یا مزید بھی۔"

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ نے نماز کی حقیقت قراءتِ قرآن ہی کو قرار دیا ہے۔ قرآنِ پاک کے اشارے بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ سورۂ مزمل میں ہے کہ

"فَاقْرَءُ وْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ."

ترجمہ: "تو جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے تم پڑھ لیا کرو۔"

یہ آیتِ پاک قیام لیل (تہجد) کی تخفیف کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ یعنی شب بیداری کے احکام میں اب تخفیف کردی جاتی ہے۔ اب جس قدر تہجد کی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو اور اس بات کو بیان کرنے کے لئے نماز کے ارکان میں سے "قراءت" کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ وہی نماز کی اُصل حقیقت ہے۔

مسئلہ ۲: سورۂ فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟

ائمہ ثلاثہ (حضرت امام شافعی و مالک و احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک رکنیت (فرض ہونے) کا تعلق ہے۔ یعنی جس طرح قراءت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوسکتی، فاتحہ پڑھے بغیر بھی نماز کی صحت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اُن کا مستدل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث متفق علیہ ہے کہ

" لَا صَلٰوةَ لمن لم يقرأ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ "

"جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں!"

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا نماز سے "وجوب" کا تعلق ہے۔ رکنیت (فرض ہونے) کا تعلق نہیں ہے۔ دیگر واجباتِ نماز کا جو حال ہے وہی سورۂ فاتحہ کا ہے کہ اگر کوئی جان بوجھ کر سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ اور بھول سے چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے نماز درست ہوجائے گی۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل بھی حضرت عُبادۃ رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث ہی ہے۔ اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے جو نماز کی نفی کی گئی ہے۔

اس سے ائمہ ثلاثہ نماز کے وجود کی نفی مراد لیتے ہیں۔ اور امام صاحب کے

نزدیک نماز کے کامل و مکمل ہونے کی نفی ہے۔ امام صاحب کے قول کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ ذیل حدیث سے ہوتی ہے کہ:

"مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً ، لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ

فَهِيَ خِدَاجٌ! فَهِيَ خِدَاجٌ!! فَهِيَ خِدَاجٌ!!!" (مسلم ص۱۶۹، ج۱)

"جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو، وہ ناقص ہے! وہ ناقص ہے!! وہ ناقص ہے!!!"

خَدَجَتِ النَّاقَةُ اس وقت کہتے ہیں جب اُونٹنی ناتمام بچہ گرادے، پس خداج کے معنی ہوئے ناقص) ادھوری اور ناتمام۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلم شریف کی شرح میں حدیث کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ بلکہ مسلم شریف کی بعض احادیث میں بھی خداج کی یہی تفسیر وارد ہوئی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے، فاسد اور باطل نہیں ہوتی۔ جو فاتحہ کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ واجب کے ترک ہی سے نماز ناقص ہوتی ہے۔ رکن کے ترک سے تو باطل ہو جاتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ فاتحہ کا تعلق نماز سے "وجوب" کا ہے، رکنیت کا نہیں ہے۔ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نماز کے کامل و مکمل ہونے کی نفی ہے، نفسِ وجود کی نفی نہیں ہے۔ اُصولِ فقہ کے ضوابط سے بھی امام صاحب ہی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حدیث عبادہ خبر واحد ہے جس سے زیادہ سے زیادہ "وجوب" ثابت ہوسکتا ہے۔ فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ ۳: سورۂ فاتحہ کا نمازی سے کیا تعلق ہے؟

نمازی تین ہیں، امام، مقتدی اور منفرد...... جمہور کے نزدیک امام اور منفرد پر فاتحہ فرض ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے۔

مقتدی کے سلسلہ میں اختلاف زیادہ ہوا ہے اور کتاب میں بحث بھی اسی سے ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل کی جاتی ہے۔

جہری نماز اور مقتدی

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ خواہ مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو، یا نہ سن رہا ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی اگر امام کی قراءت سن رہا ہے تو فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر اتنا دُور ہے کہ امام کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی تو فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ خواہ مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم (پرانا) قول یہ ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ لیکن زندگی کے آخری دَور میں وفات سے دو سال پہلے جب آپ مصر میں مقیم ہوئے، تو جدید (نیا) قول یہ فرمایا کہ مقتدی پر فاتحہ واجب ہے۔

لیکن محققین کا خیال یہ ہے کہ جہری نماز میں آپ سے وجوب کا قول ثابت نہیں ہے۔ صرف سرّی نماز میں وجوب کا قول ثابت ہے۔ تاہم حضرات شوافع رحمہم اللہ جہری نمازوں میں بھی مقتدی پر فاتحہ واجب فرماتے ہیں۔ ﴿جس طرح خود حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام ص ۹۰، ج ۱، میں تصریح کی ہے کہ نماز میں رفع یدین صرف تین جگہ ہے۔ مگر شوافع چار جگہ مانتے ہیں۔﴾

سرّی نماز اور مقتدی

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے جدید (نئے) قول میں مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا اچھا ہے۔ لیکن محقق ابنِ ہمام رحمہ

اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کی اس روایت کا انکار کیا ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار اور موطا کی عبارتیں اس کے خلاف ہیں۔

﴿مذاہب کی تفصیل کیلئے دیکھئے فیض الباری ص ۲۷۱، ج ۲، بدایۃ المجتہد ص ۱۵۴، ج ۱﴾

"جہری نمازوں میں صرف حضرات شوافع کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہے اور سری نمازوں میں صرف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، اور کسی امام کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ یعنی آدھے ½۱ امام ایک طرف ہیں اور ساڑھے ½3 تین امام دوسری طرف۔"

اس تیسرے مسئلہ کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

"وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" (الاعراف ۲۰۴)

ترجمہ "جب قرآن پاک پڑھا جایا کرے تو تم سب اس کی طرف کان لگایا کرو، اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے!"

یہ آیت پاک دوٹوک فیصلہ کرتی ہے کہ اگر امام زور سے پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ اس کی قراءت سنے۔ اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہے تو وہ خاموش رہے۔

البتہ حدیثیں اس بارہ میں دو طرح کی وارد ہوئی ہیں۔ ایک وہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔ دوسری وہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خاموش رہنا ضروری ہے۔

جواز کی روایت

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھائی۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قراءت دشوار ہوگئی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ:

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں؟"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جی ہاں! ہم پڑھتے ہیں۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"فَلا تَفْعَلُوْا، اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْبِهَا" (ترمذی، ص۴۱، ج۱)

''تو ایسا نہ کیا کرو، مگر سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے، کیونکہ اُسے پڑھے بغیر نماز ہی نہیں ہے۔''

اس حدیثِ پاک سے مقتدی پر فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ صرف جواز ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی اُستاذ اپنے شاگردوں سے کہے کہ'' یہاں کوئی نہ بیٹھے، مگر فاروق مستثنیٰ ہے۔'' تو اس سے فاروق کے لئے صرف بیٹھنے کا جواز ثابت ہوگا، وجوب ثابت نہ ہوگا۔ علمی زبان میں اس بات کو اس طرح تعبیر کریں گے کہ نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے وجوب کے لئے نہیں ہوتا۔

قائلینِ وجوبِ فاتحہ اس کے علاوہ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مگر وہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے مسئلہ کی دلیل ہے۔ تیسرے مسئلہ کی دلیل نہیں ہے۔

﴿ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی دو حدیثیں ہیں:

(۱) لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔

یہ حدیث متفق علیہ اور صحیح ہے (و اخرجه الجماعة بهذا اللفظ) مگر یہ دوسرے مسئلہ کی دلیل ہے۔ تیسرے مسئلہ کی دلیل نہیں ہے۔

(۲) حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث اس طرح ہے: قَالَ صَلّٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح، فَثَقُلَتْ عليه القراءةُ، فلما انصرف، قال: اِنى اراكم تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ ؟ قال: قلنا: يا رسول الله: اِى والله ! قال: " لا تفعلوا اِلا بِاُم القران: فانه لا صلوٰة لمن لم يقرأ بها"... قال الترمذى : حديث عبادة حديث حسن؟ و روى هذا الحديث الزهرىُ عن محمود بن الربيع، عن عبادة بن الصامت عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة

الکتاب" وھذا اصح... اس سے معلوم ہوا کہ اوّلاً تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے پھر اس سے صرف قراءتِ فاتحہ کی اباحت ثابت ہوتی ہے کیونکہ لاتفعلوا نہی ہے اور نہی جب قرائن سے خالی ہو اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور الا بام القرآن حرمت سے استثناء ہے۔ اور استثناء سلب حکم کے لئے ہوتا ہے وہ خود کوئی حکم ثابت نہیں کرتا۔ پس جب حرمت کا حکم فاتحہ سے سلب کرلیا گیا تو اباحت ثابت ہوئی۔

اور فانہ لا صلوٰۃ الخ اباحت کی تعلیل ہے، وجوب کی دلیل نہیں ہے، ورنہ کلام نبوت کے اوّل وآخر میں تعارض ہوجائے گا۔ (بذل المجہود ص۵۶، ج۲)

پھر یہ اباحت بھی شروع زمانہ میں تھی جبکہ نماز میں بہت سی چیزیں جائز تھیں، جنہیں بعد میں رفتہ رفتہ ختم کردیا گیا۔ کتاب میں اس پر مفصل بحث آرہی ہے۔۱۲۔

ممانعت کی روایات

پانچ صحابیوں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

"مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ"

اگر کوئی مقتدی بن کر نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کیلئے (بھی) قراءت ہے۔ (اس حدیث کی تخریج کے لئے دیکھئے نصب الرایہ ص۱۲۰۶، ج۲)

اور فاتحہ بھی قراءت میں داخل ہے۔ پس جس طرح امام کی پڑھی ہوئی سورت مقتدی کے حق میں محسوب ہوجاتی ہے اسی طرح فاتحہ بھی محسوب ہوگی۔ دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا"... "جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح (ص۱۷۴، ج۱، باب التشہد) میں نقل کی ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی دونوں حدیثوں کو صحیح فرمایا ہے۔

پہلی حدیث سے مقتدی کے لئے فاتحہ کا غیر ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس

حدیث سے مقتدی کے لئے قراءت کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال حدیثوں سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو قرآنِ پاک کی مذکورہ آیت سے ثابت ہوئی تھی کہ مقتدی کو امام کی قراءت سننی چاہئے اور خاموش رہنا چاہئے۔ مذاہب اور دلائل کی اس ضروری تفصیل کے بعد اب ہم کتاب کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

کتاب کا خلاصہ

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرّہ نے مسئلہ پر بحث شروع کرنے سے پہلے آٹھ باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) واسطہ فی العروض کی تعریف اور واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی سے اس کا فرق۔ (۲) وصف پر دلالت کرنے والے لفظ سے موصوف بالذات مراد ہوتا ہے۔ (۳) ایک چیز کے متعدد صفاتی نام ہو سکتے ہیں۔ اور اُن کے احکام و آثار مختلف ہوتے ہیں۔ (۴) متعلقاتِ شئی ملحق بالشئی ہوتے ہیں۔ مگر احکام مختلف ہوتے ہیں۔

(۵) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اجتہادی احکام میں چُوک ہو سکتی ہے۔

(۶) نماز کا طول (لمبائی) ایک رکعت ہے۔ یعنی ہر رکعت ایک نماز ہے۔

(۷) امام اور مقتدی کی نماز متحد (ایک) ہے۔ یعنی جماعت سے پڑھی جانے والی نماز عرض (چوڑائی) میں ایک نماز ہے۔ اور نماز کے ساتھ حقیقۃً امام متصف ہے۔ اور مقتدی اس کے واسطہ سے نماز کے ساتھ متصف ہیں۔ یعنی مقتدیوں کے وصفِ نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے امام واسطہ فی العروض ہے۔

(۸) نماز کی اصل حقیقت قراءتِ قرآن ہے۔

ان آٹھ باتوں سے مسئلہ کا خود بخود فیصلہ ہو جاتا ہے، کہ جب امام واسطہ فی العروض ہے یعنی وہی حقیقۃً نماز کے ساتھ متصف ہے۔ اور مقتدی مجازاً یعنی امام کے واسطے سے نماز کے ساتھ متصف ہیں۔ تو ضروریاتِ نماز (یعنی نماز کے نماز ہونے کے لئے جو چیز ضروری ہے) اس کی حاجت صرف امام کو ہوگی اور چونکہ نماز کی اصل حقیقت قراءتِ قرآن ہے اس لئے وہ صرف امام کے ذمہ رہے گی۔۔۔ اور جو چیز

بالعرض نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے ضروری ہے، یعنی اقتداء کی نیت اس کی حاجت صرف مقتدیوں کو رہے گی کیونکہ وہی موصوف بالعرض ہیں۔

البتہ حضوریٔ دربارِ خداوندی کے لحاظ سے جو چیزیں ضروری ہیں مثلاً رکوع، سجدے، قیام، ثناء وغیرہ اس کی حاجت دونوں کو ہوگی۔ یہ تو کتاب کی اصل بحث ہے۔ مگر ضمنی طور پر متعدد مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) پوری نماز کا فلسفہ اور ہر ہر رکن کی حکمت۔ (۲) تمام عبادتوں میں نماز کی اہمیت اور اس کے لئے روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد سے تقابلی مطالعہ۔ (۳) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر گفتگو جو ترمذی شریف میں آئی ہے۔ اس کی بر تقدیر صحت دو توجیہیں فرمائی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ منسوخ ہے۔ اور ناسخ حدیث مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ الخ اور آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ ہے۔ دوسری یہ کہ اس حدیث میں فاتحہ کی اجازت اجتہادی ہے۔ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بربناء احتیاط اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ پھر یہ اجتہادی حکم بھی آیتِ پاک کے نزول پر ختم ہوگیا ہے۔ (۴) آیت پاک ''فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ'' سے پیدا ہونے والے خلجان کو رفع فرمایا ہے کہ اس کے مخاطب صرف امام اور منفرد ہیں۔ کیونکہ وہی حقیقۃً نماز کے ساتھ متصف ہیں۔ مقتدی اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ضمنی مباحث ہیں، جو آپ کتاب میں پڑھیں گے۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہٗ کی یہ کتاب درحقیقت آپ کا ایک مکتوب ہے، جو آپ نے نانوتہ سے اپنے کسی تلمیذ کے سوال کے جواب میں ارقام فرمایا ہے، کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے اور چونکہ آپ کے تلامذہ نہایت ذکی اور صاحبِ علم تھے، اس لئے ان کے نام صادر ہونے والے مکاتیب نادر مضامین پر مشتمل ہوتے تھے۔ مگر ساتھ ہی نہایت مختصر اور بے حد دقیق بھی ہوتے تھے۔ یوں سمجھئے کہ صرف اشاروں میں باتیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ ''العاقل تکفیہ الاِشارۃُ'' اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ان اشاروں کی تفصیل کردی جائے تاکہ بات واضح

ہو جائے، اور کتاب عام قارئین کیلئے قابل فہم بن جائے۔

آپ کا یہ مکتوب دو ناموں سے شائع ہوتا رہا ہے۔ایک نام ہے "توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام"۔اور دوسرا نام ہے "الدلیل المحکم علی عدم قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم۔" یہ درحقیقت دو کتابیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔ البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زیادہ ہیں جن میں دو اعتراضوں کے جوابات ہیں۔﴿اپنی جگہ اس پر تنبیہ کی جائے گی۔١٢﴾

حضرت رحمہ اللہ کی عام کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی بے شمار طباعتی اغلاط تھیں ۱۳۹۴ھ میں جب احقر نے یہ رسالہ اپنے ہونہار تلامذہ کو پڑھایا، تو متعدد نسخوں کا مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کر دی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

شرح میں انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اپنی طرف سے عنوان قائم کر کے اس کے تحت اپنے الفاظ میں حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کی عبارت کا مطلب لکھا گیا ہے پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت رکھی گئی ہے، تا کہ ایک قاری نفس مسئلہ اور مدعا کو پہلے سے سمجھ کر، جب حضرت والا کا بیان اور اُس کے دلائل و براہین پڑھے تو نہ صرف یہ کہ پہلے سے حل شدہ مضمون، حضرت والا کی عبارت سے بھی اُس کے ذہن میں آ جائے، بلکہ حضرت کی بلیغ اور جامع تعبیرات سے اُس کے حقائق فہمی کا لطف بھی دوبالا ہو جائے۔ اور وہ ان حقائق و معارف تک پہنچ سکے، جہاں حضرتِ والا اُسے پہنچانا چاہتے ہیں۔۔۔۔ متن کی عبارت قدرے جلی قلم سے لکھی گئی ہے اور اس کی دونوں جانب کو خطوط سے محدود بھی کر دیا ہے، اور کہیں کہیں متن میں بین القوسین لفظ دو لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ما وفقنا

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیو بند (۲۸۔٦۔۹٦)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ o
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o صِرَاطَ
الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ o غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ o آمین.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ
وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

بعد حمد وصلوٰۃ اوّل چند باتیں عرض کرتا ہوں اُسکے بعد مطلب اصلی عرض کروں گا۔

(۱) واسطہ کے اقسام واحکام

کبھی کسی چیز کو وصف کے ساتھ متصف ہونے کے لئے کسی ''واسطہ'' کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً قلم کو متحرک ہونے کے لئے ہاتھ کے توسط کی ضرورت ہے۔

ریل گاڑی کے ڈبوں کو اور مسافروں کو متحرک ہونے کے لئے انجن کا واسطہ درکار ہے۔ اس ''واسطہ'' کی تین قسمیں ہیں:

(۱) واسطہ فی الاثبات (۲) واسطہ فی الثبوت اور (۳) واسطہ فی العروض۔

(۱) واسطہ فی الاثبات

واسطہ فی الاثبات، حدِ اوسط کو کہتے ہیں، مثلاً یہ قیاس کہ "عالم تغیر پذیر ہے اور ہر تغیر پذیر شئی نو پید ہے لہٰذا عالم نو پید ہے"۔ اس میں "تغیر پذیر" ہونا حدِ اوسط ہے۔ اس کو واسطہ فی الاثبات بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قیاس میں حدِ اوسط کے توسط ہی سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ واسطہ فی الاثبات یعنی قیاس میں نتیجہ ثابت کرنے کا ذریعہ۔ یعنی حدِ اوسط

(۲) واسطہ فی الثبوت

واسطہ فی الثبوت کی دو قسمیں ہیں۔ مگر دونوں کے الگ الگ نام تجویز نہیں کئے گئے ہیں۔ بلکہ بالمعنی الاوّل اور بالمعنی الثانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

واسطہ فی الثبوت بالمعنی الاوّل یہ ہے کہ کسی چیز کو وصف کے ساتھ متصف کرنے میں واسطہ سفیر محض ہو یعنی وہ خود وصف کے ساتھ متصف نہ ہوتا ہو، بلکہ وصف کے ساتھ صرف ذوالواسطہ متصف ہوتا ہو۔

جیسے رنگریزا اپنے ہاتھ پر کوئی ایسا مصالحہ لگا کر جس کی وجہ سے چمڑی رنگ نہ پکڑے، کوئی کپڑا رنگے، تو کپڑے کے رنگین ہونے کے لئے ہاتھ واسطہ محض ہے۔

یا جیسے نکاح میں فضولی (وہ شخص جو کسی کا نکاح بغیر اس کے علم و اَمر کے کر دے) واسطہ فی الثبوت بالمعنی بالاوّل ہے۔ جب اصیل نکاح کی اجازت دیتا ہے تو نکاح نافذ ہو جاتا ہے۔ اور وہ صفتِ زوجیت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے مگر فضولی، فضولی ہی رہتا ہے۔ صفتِ زوجیت کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔

اور واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی یہ ہے کہ واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں حقیقۃً وصف کے ساتھ متصف ہوں۔ مگر واسطہ اوّلاً (پہلے) متصف ہو، اور ذوالواسطہ ثانیاً (بعد میں) متصف ہو۔ جیسے لکھنے والے کا ہاتھ اور قلم دونوں حرکت کے ساتھ متصف ہیں۔ مگر ہاتھ پہلے اور قلم بعد میں متصف ہے۔

(۳) واسطہ فی العروض

واسطہ فی العروض یہ ہے کہ وصف کے ساتھ بالذات اور حقیقۃً صرف واسطہ متصف ہو، اور ذوالواسطہ بالعرض اور مجازاً متصف ہو، جیسے ۔۔۔ مسافر انجن کے واسطہ سے بالعرض اور مجازاً حرکت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ حقیقۃً صرف انجن (واسطہ) حرکت کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔

اوّل تو یہ گذارش ہے کہ (واسطہ فی العروض میں) اوصاف دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالذات (جو واسطہ میں ہوتے ہیں) دوسرے بالعرض (جو ذوالواسطہ میں ہوتے ہیں) مگر اَوصاف بالعرض حقیقت میں وہی اَوصاف موصوف بالذات ہوتے ہیں، جو بوجہ ارتباطِ باہمی موصوف بالعرض کی طرف مجازاً منسوب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدۂ اَحوالِ کشتی و جالسانِ کشتی سے واضح ہے۔

واسطوں کا فرق

واسطہ فی الاثبات (حد اوسط) تو ایک بالکل جداگانہ چیز ہے۔ اس لئے فرق بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح واسطہ فی الثبوت بالمعنی الاوّل کا فرق بھی دیگر وسائط سے واضح ہے کیونکہ اس میں واسطہ وصف کے ساتھ متصف ہی نہیں ہوتا صرف ذوالواسطہ متصف ہوتا ہے۔ البتہ واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی اور واسطہ فی العروض میں چونکہ واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں وصف کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں باہمی فرق واضح کرنا ضروری ہے۔

پہلا فرق

واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی میں اوصاف اور موصوف دونوں متعدد ہوتے ہیں۔ اور واسطہ فی العروض میں موصوف تو متعدد ہوتے ہیں، مگر وصف ایک ہوتا ہے۔ مثلاً لکھنے والے کا ہاتھ اور قلم دو (۲) موصوف ہیں۔ اور دو (۲) ہی حرکتیں ہیں۔ اور مسافر اور ریل

گاڑی موصوف تو دو (۲) ہیں۔ مگر ان کی حرکت ایک ہے۔ غرض یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس صورت میں (یعنی واسطہ فی العروض میں) وصف واحد ہوتا ہے۔ پَر (لیکن) موصوف متعدد ہوتے ہیں) کوئی موصوف بالذات (ہوتا ہے اور) اور کوئی موصوف بالعرض۔ پھر موصوف بالعرض بھی ایک موصوف بالذات کے لئے متعدد ہو سکتے ہیں۔ (جیسے ریل گاڑی سے ہزاروں مسافر بیک وقت متحرک ہوتے ہیں۔)

دوسرا فرق

واسطہ فی العروض میں چونکہ وصف ایک ہوتا ہے اور اس سے حقیقۃً صرف واسطہ متصف ہوتا ہے۔ اس لئے ضروریاتِ وصف کی حاجت صرف اسی کو ہوتی ہے۔ ذوالواسطہ کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی میں چونکہ وصف متعدد ہوتے ہیں جن کے ساتھ واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں حقیقۃً متصف ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروریات وصف کی حاجت دونوں ہی کو رہتی ہے۔ مثلاً حرکت کی ضروریات۔ کوئلہ پانی کی حاجت صرف انجن کو ہے۔ مسافروں کو اور ڈبوں کو نہیں ہے۔ مسافر اگر بیمار بھی ہو، اور حرکت کی طاقت نہ بھی رکھتا ہو۔ یا سویا ہوا ہو تو بھی وہ ریل کے واسطہ سے متحرک ہوگا۔ مگر ہاتھ اور قلم دونوں میں حرکت کے ساتھ متصف ہونے کی صلاحیت اور قابلیت ضروری ہے۔ ہاتھ اگر شَل ہو، یا قلم وزنی ہو تو حرکت نہیں کر سکتے۔

"اسی تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ (واسطہ فی العروض میں) ضروریاتِ وصف کی ضرورت فقط موصوف بالذات کو ہو گی۔ البتہ آثارِ وصف موصوف بالعرض کی طرف وصف کے ساتھ آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اسبابِ مُحَرِّکَہ کی فقط کشتی کو ضرورت ہے، البتہ تبدلِ اوضاع، جو آثارِ حرکت میں سے ہے، کشتی کی حرکت کی بدولت، مثلِ کشتی، کشتی نشین کو بھی میسر آ جاتا ہے۔"

"اوضاع" جمع ہے "وَضع" کی جو علم منطق کے دس (۱۰) مقولوں میں سے ایک مقولہ ہے، جس کا مطلب ہے "ایک جسم کے اجزاء کو دوسرے جسم کے اجزاء سے

حاصل ہونے والا تقابل اور تناسب۔" مثلاً کشتی ایک جسم ہے جس کے ہر جزو کو زمین کے کسی جزو سے تقابل حاصل ہے۔ اور جب کشتی متحرک ہوتی ہے تو یہ تقابل اور تناسب بدلتا رہتا ہے۔ اسی کا نام "تبدل اوضاع" ہے۔

اور حرکت کی وجہ سے جس طرح کشتی کی "وضع" بدلتی ہے کشتی نشین کی "وضع" بھی بدلتی ہے۔ یعنی "تبدل اوضاع" جو حرکت کے آثار میں سے ہے واسطہ (کشتی) کی طرح ذوالوسط (کشتی نشین) کو بھی میسر آجاتا ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ "مصابیح التراویح" میں لکھتے ہیں کہ

"ہر چیزے را صفتے باعتبارِ ذات خودمی باشد، قطع نظر از اغیار، وحالتے باعتبار چیز دیگرمی بود، کہ آں را وضع آں باید گفت۔" یعنی ہر چیز کے لئے کوئی صفت تو اُس کی ذات کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ دوسری چیزوں سے قطع نظر کرتے ہوئے، اور کوئی صفت دوسری چیز کے اعتبار سے ہوتی ہے جس کو اُس کی "وضع" کہنا چاہئے۔

(۲) لفظِ دال علی الوصف سے موصوف بالذات مُراد ہوتا ہے

اگر کسی جگہ کوئی ایسا لفظ استعمال ہوا ہے جو کسی وصف پر دلالت کرتا ہے، تو اس سے موصوف بالذات مراد ہوگا۔ موصوف بالعرض مراد نہیں ہوگا۔ مثلاً آیتِ پاک "فَاقْرَءُ وا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (المزمل ۲۰) میں خطاب بالاتفاق "مُصَلّی" سے ہے اور یہ لفظ وصفِ صلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے پس اس سے وہی شخص مراد ہوگا جو نماز کے وصف کے ساتھ بالذات اور حقیقۃً متصف ہوگا۔ موصوف بالعرض مراد نہیں ہوگا۔ اور نماز کے ساتھ بالذات امام اور منفرد متصف ہیں۔ مقتدی بالعرض متصف ہے۔

اس لئے آیتِ پاک کا خطاب صرف امام اور منفرد سے ہوگا، مقتدی سے نہ ہوگا۔

اور اس ضابطہ کی وجہ یہ ہے کہ "مطلق سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے" اور "فردِ کامل" وہی فرد ہے جو وصف کے ساتھ حقیقۃً متصف ہے۔ جو بالعرض وصف کے ساتھ متصف ہے، وہ فرد ناقص ہے۔ البتہ اگر موصوف بالذات مراد لینے کے لئے کوئی مانع ہو، تو اس

وقت موصوف بالذات مراد نہ لیں گے، بلکہ قرینۂ صارفہ کی وجہ سے موصوف بالعرض بھی مراد لے سکتے ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ:

"اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب۶)"

نبی مؤمنوں سے، اُن کی جانوں سے زیادہ قریب ہے۔

اس میں لفظِ "نبی" وصفِ نبوت پر دلالت کرتا ہے۔ اور آیتِ پاک اگرچہ بظاہر قضیہ شخصیہ ہے، مگر حقیقت میں قضیہ کلیہ ہے۔ یعنی ہر نبی اپنی اُمت کے مؤمنوں سے، ان کی جانوں سے زیادہ قریب ﴿تفصیل کے لئے مکاتیب قاسم العلوم کا مکتوب اوّل ملاحظہ فرمائیں۔۱۲﴾ ہے۔ مگر لفظِ نبی (دال علی الوصف) سے ہر نبی کا وصف نبوت کے ساتھ بالذات اور حقیقۃً متصف ہونا مراد نہیں ہے۔

کیونکہ دوسری آیت "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب۴۰)" کا لفظ "خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" اس بات کا قرینہ ہے کہ وصف نبوت کے ساتھ بالذات صرف ذاتِ قدسی صفات سرور امام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی متصف ہے۔ دوسرے انبیاء وصفِ نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں۔ ﴿تفصیل کے لئے آبِ حیات اور فتویٰ تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما" ملاحظہ فرمائیں﴾

"گذارشِ ثانی یہ ہے کہ لفظ دال علی الوصف سے...... حقائق شناسوں کے نزدیک...... موصوف بالذات ہی مراد ہوگا۔ ہاں اگر کوئی قرینۂ صارفہ ہو تو اس وقت موصوف بالعرض بھی مراد لے سکتے ہیں۔"

(۳) صفاتی نام متعدد ہو سکتے ہیں اور ان کے احکام و آثار مختلف ہوتے ہیں

مختلف حیثیتوں سے ایک ہی چیز کے متعدد صفاتی نام ہو سکتے ہیں۔ مثلاً قرآنِ پاک کے چند نام ہیں: (۱) قرآن (۲) کتاب اللہ (۳) ذکر (۴) فرقان وغیرہ۔

قرآن یعنی پڑھا جانے والا کلام، اس کا اصل نام ہے۔ پھر اس کے مقصد کو واضح کرنے کے لئے سورۂ تکویر اور سورۂ حجر میں اُسے ذِکر (نصیحت اور یادداشت) کہا گیا۔ پھر جب سورتوں کی اتنی مقدار ہوگئی کہ اُن کے مجموعہ کو ''کتاب'' کہا جا سکے تو سورۂ اعراف (آیت نمبر ۱، ۱۵) میں اس کو ''کتاب'' کہا گیا۔ اور آخر میں اُسے ''فُرقان'' (حق و باطل میں فیصلہ کن دستور) نام دیا گیا۔ اسی طرح احادیث میں سورۂ فاتحہ کے متعدد صفاتی نام وارد ہوئے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ اور اللہ پاک جل شلنہٗ کے اسماء حسنیٰ کی کثرت بھی اس کی مثالیں ہیں۔ یا جیسے ایک ہی شی کو مختلف اعتبارات سے معنیٰ، مدلول، موضوع لہ اور مفہوم وغیرہ کہا جاتا ہے۔

مفہوم اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ چیز اَلفاظ سے سمجھی جاتی ہے۔ مدلول اس لحاظ سے کہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ معنیٰ اس لحاظ سے کہ الفاظ سے اس کا قصد کیا جاتا ہے اور موضوع لہٗ اس اعتبار سے کہ واضع نے لفظ کو اس کیلئے وضع کیا ہے۔

یا جیسے ایک ہی شخص کو مختلف اعتبارات سے باپ، بیٹا، چچا، بھتیجا، مولوی، مفتی، قاضی اور حاجی کہتے ہیں۔ اسی طرح نماز کے بھی مختلف اعتبارات سے، متعدد صفاتی نام ہیں اس کو صلوٰۃ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ دُعا پر مشتمل ہے۔ ذِکر، یادِ الٰہی) اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اس سے ذکر خداوندی مقصود ہے (وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ) اور طاعت و عبادت اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اطاعت و عبادت ہی اس کی غرض ہے۔ اور چونکہ وہ ایک بہت بڑی نیکی ہے، اس لحاظ سے اس کو حَسَنَةٌ کہا جاتا ہے۔

اور ان صفاتی ناموں کے آثار و احکام مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ''بیٹا'' ہونے کی حیثیت سے اطاعت لازم ہے تو ''باپ'' ہونے کے اعتبار سے تعظیم کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔

اور صفاتی ناموں کا یہ تعدد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بعض چیزیں عظیم المرتبت، کثیر الجہات اور جامع الاشتات ہوتی ہیں۔ اور لغت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہوتا۔ جو ان مختلف حیثیتوں کو واضح کر سکے، اور کسی وجہ سے ان مختلف حیثیتوں کا اظہار ضروری ہوتا

ہے۔تو ایسی صورت میں اُن مختلف جہات اور متنوع حیثیتوں کو واضح کرنے کے لئے متعدد صفاتی نام تجویز کر لئے جاتے ہیں۔اللہ پاک جل شانہٗ کے جولا متناہی اسماء حسنیٰ (صفاتی) ہیں۔اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اُن کی ذات غیر متناہی کمالات کی جامع ہے اور کسی لغت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، جو ان سب کمالات کو واضح کر سکے۔اس لئے متعدد اسماء حسنیٰ کے ذریعہ ان متنوع کمالات کو سمجھایا گیا ہے۔

اللہ پاک جل شانہٗ کے ان متعدد صفاتی ناموں کے آثار و احکام مختلف ہیں۔ مثلاً اُن کی ربوبیت اور عظمت، عبادت اور تعظیم کی خواستگار ہے، ان کا بصیر و خبیر ہونا، حیا (شرم) اور ترکِ فحشاء کا متقاضی ہے۔و قس علیٰ ھذا (آب حیات ص۹)

اسی طرح اسماء رحمت کے مظاہر و آثار اور ہیں۔اور اسماء غضب و قہاریت کے شیون اور ہیں۔(۳) غرض ثالث یہ ہے کہ جیسے ایک چیز کو باعتبارات مختلفہ معنیٰ اور مدلول اور موضوع لہ اور مفہوم وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔یا ایک شخص کو باعتبارات مختلفہ باپ، بیٹا، چچا، بھتیجا وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔ایسے ہی نماز کے اسماء و القاب میں خیال کرنا ضروری ہے۔

(۴) متعلقاتِ شی ملحق بالشی ہوتے ہیں مگر اُن کے احکام مختلف ہوتے ہیں

متعلقاتِ شی اُسی کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔جیسے سائلوں کا عجز و نیاز اور آداب و تعظیم از قبیل سوال سمجھا جاتا ہے۔کیونکہ وہ یا تو سوال کی غرض سے ہوتا ہے، یا سوال پورا ہونے پر متفرع ہوتا ہے۔اور اسی وجہ سے سائلوں کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔(شامی، ص ۶۳۳، ج ۴) کیونکہ وہ حقیقت میں سلام نہیں ہے بلکہ سوال ہے یا جیسے کھانے پکانے کا سامان آگ، لکڑی، پانی، گھڑا، سب کھانے ہی کی مد میں لکھا جاتا ہے۔

البتہ ان متعلقات کے وہ احکام و آثار نہیں ہوتے جو اصل شے کے ہوتے ہیں۔ روٹی جہاں رکھی جاتی ہے، وہاں اُپلہ، لکڑی نہیں رکھی جاتی۔اور جو لطف و ذائقہ روٹی

میں ہے وہ لکڑی کوئلے میں نہیں ہے۔ روٹی توڑنے کے، اور لکڑی، اُپلہ پھوڑنے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ اسی طرح نماز کی ایک تو حقیقت ہے جو اصل چیز ہے۔ اور دوسرے وہ افعال ہیں جو اس کے متعلقات ہیں۔ اور یہ متعلقات اگرچہ نماز کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں۔ مگر سامانِ نماز ہونے کی وجہ سے نماز ہی کے ساتھ ملحق ہیں۔

(۴) عرض رابع یہ ہے کہ جیسے سائلوں کے عجز و نیاز اور آداب و تعظیم و دُعاء وثنا، کو بایں وجہ کہ بغرضِ سوال ہوتے ہیں یا انجاحِ سُوال (سوال پورا کرنے) کے بعد سوال پر متفرع ہوتے ہیں۔ سب از قسم سوال سمجھے جاتے ہیں۔ یا اُپلہ (تھاپی، کنڈا۔ گوہا ۱۲) لکڑی وغیرہ سامانِ مُخت ﴿پکانے کا سامان و مُختن پکانا اور پڑ یدن پکانا۔ ۱۲﴾ و پُز کھانے پینے کی مد میں لکھے جاتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ سب کے دام لگا کر یوں کہا کرتے ہیں کہ کھانا اس مہینہ میں اتنے میں پڑا یا کھانے میں اتنا صَرف ہوا۔ ایسے ہی نماز کے اُن افعال کو، جو باعتبار ذاتِ افعال (یعنی صرف ذات کے لحاظ سے) اعتبارِ صلوٰۃ (یعنی نماز کے نماز ہونے کے اعتبار و لحاظ) کے تلے اُن کا داخل کرنا حقیقت شناس روا نہیں رکھ سکتا (اُن کو) بایں نظر کہ مقصود اصلی اُن (افعال) سے وہ (ہی) اعتبار صلوٰۃ ہے، یعنی اس کے سامان ہیں، یا اس پر متفرع ہیں۔ یعنی اس کے آثار ہیں، (اُن کو) داخلِ صلوٰۃ سمجھنا لازم ہے۔

مگر جیسے اُپلے، لکڑی کو باوجود لحوقِ مذکور نہ وہاں رکھ سکتے ہیں، جہاں کھانے کو رکھتے ہیں، اُن کے لئے اگر صحن یا کوٹھری ہے تو اِن کے لئے دیگ، رکابی وغیرہ (ہیں) اور نہ وہ آثار اُن پر بذاتِ خود متفرع ہوتے ہیں، جو کھانے پر متفرع ہوتے ہیں، نہ اُن میں وہ مزا ہے، نہ راحتِ رُوح افزا ہے، روٹی وغیرہ کو پانی، توے، گھڑنے، دھونے وغیرہ کی حاجت (ہے) اور لکڑی، اُپلے وغیرہ کو آفتاب کی ضرورت (ہے اور) توڑنے، پھوڑنے وغیرہ کی حاجت (ہے) ایسے ہی افعالِ صلوٰۃ (یعنی نماز کے اصلی افعال) و ملحقاتِ صلوٰۃ کو باہم (احکام میں) مغائر سمجھئے۔

اس سے زیادہ واضح مثال لیجئے، جب رعیت شاہی دربار میں اپنی بات عرض کرنے کے لئے اور شاہی احکام سننے کے لئے جاتی ہے، تو وہاں دو (۲) چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک اصل مقصد یعنی اپنا مطلب عرض کرنا اور اس سلسلہ میں شاہی حکم سننا اور دوسری دربار کی حاضری اور حاضری کے وقت آداب و تعظیمات بجالانا، جنہیں عرضِ مقصد ہی کی مَد میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح مطلب عرض کرنے کے لئے زبانِ کی، اور حکم سننے کے لئے کان کی حاجت ہے۔ اور دربار کی حاضری کے لئے صفائی اور لباس کی درستگی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نماز کے نماز ہونے کے لحاظ سے اور احکام ہیں، اور دربارِ خداوندی کی حاضری کے لحاظ سے اور احکام ہیں۔ اور جس طرح دربار کی حاضری اور آداب وسلام سب از قبیلِ عرضِ مقصد شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضوریٔ دربارِ خداوندی کی ضروریات بھی نماز ہی کے ساتھ ملحق ہیں۔

اور اگر اس سے بھی زیادہ روشن مثال کی ضرورت ہو تو سنئے! رعایا کو بغرض عرضِ مطلب واستماعِ احکامِ شاہانہ، دربارِ شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے تمام آداب و تعظیمات جو وقت حضوریٔ دربار بجالائے جاتے ہیں۔ سوال ہی کے مَد میں شمار کئے ہیں۔ مگر جیسے عرضِ مطلب کے لئے زبان اور استماعِ حکم کے لئے کان چاہئے (اسی طرح) حضوریٔ دربار کے لئے شُست وشوئی دست وپا وروئے، اور درستی لباس کی ضرورت ہے۔ اگر حضور نہ ہوتا تو اس کی حاجت نہ تھی۔ اور عرضِ مطلب اور استماعِ حکم نہ ہوتا، تو زبان و کان کی ضرورت نہ تھی، ایسے ہی اعتبارِ صلوٰۃ کے اور احکام ہیں اور اعتبارِ حضور کے اور احکام ہیں۔ البتہ جیسے عرضِ مطلب وغیرہ بے حضور متصور نہیں، ایسے ہی تحققِ اعتبارِ صلوٰۃ بے حضور متصور نہیں۔ البتہ جیسے دربار کا جانا اور آداب کا بجالانا سب از قسمِ سوال ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور کیونکر نہ سمجھے جائیں؟ حضورِ دربار (تو) اسی (کے) لئے ہے۔ بذاتِ خود مطلوب نہیں۔ ایسے ہی اعتبارِ صلوٰۃ اور اعتبارِ حضور کو متعانق اور متلازم خیال فرمایئے!

(۵) انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی احکام میں خطاب (چوک) ممکن ہے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمتوں کو دو طرح کے احکام دیتے ہیں:

(الف) وہ احکام جو وہ بذریعہ وحی دیتے ہیں، اُن میں خطا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء راوی ہوتے ہیں اور اللہ پاک سے روایت کرتے ہیں پھر خطاء کیونکر ممکن ہے؟...... (ب) وہ احکام جو وحی موجود نہ ہونے کی صورت میں وہ بذریعہ اجتہاد دیتے ہیں۔ ان میں بھول چوک کا امکان ہے مگر بالآخر ان کی اصلاح کردی جاتی ہے۔ خطاء پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام غیر منصوص مسائل میں ضرورت کے وقت اجتہاد فرماتے ہیں۔ اور اُن کا اجتہاد نتیجہ کے لحاظ سے وحی ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ یہ بحث کرتے ہوئے کہ عبادات و ارتفاقات کی تشریح اور ترتیب کبھی وحی سے ہوتی ہے اور کبھی نبی علیہ السلام کے اجتہاد سے تحریر فرماتے ہیں:

اجتهاده صلى الله عليه وسلم بمنزلة الوحى،

لأن الله تعالى عصمه من ان يتقرر رايه على الخطأ.

"حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بمنزلہ وحی ہوتا ہے۔ کیونکہ بھول چوک پر برقرار رہنے سے اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی ہے۔"

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ انفال کی آیت اساری بدر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"والاية دليل على ان الانبياء يجتهدون،

وانه قد يكون خطأ ولكن لا يقرون عليه"

"آیت سے دو (۲) باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ انبیاء اجتہاد فرماتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ اس میں کبھی بھول چوک بھی ہوجاتی ہے مگر اس پر انہیں برقرار نہیں رکھا جاتا۔"

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ مکاتیب قاسم العلوم میں یہ بحث کرتے ہوئے کہ

ہر مجتہد سے بھول چُوک ممکن ہے لکھتے ہیں کہ:

”در قصۂ اسارئ بدر معلوم باشد کہ رائے نبوی چہ بود. و از حضرت ِ خدا وندی چہ خطاب آمد ، و در قصۂ نفثِ غنم معلوم باشد کہ رائے حضرت داؤدعلیہ السلام چہ بود.“ وَفَفهمنَا هَا سُلَیمٰنَ “ چہ ارشاد فرمود . پس چوں حالِ انبیاء علیہم السلام در اجتہاد ایں است، حالِ دیگر مجتہداں چہ باشد؟ پس چگونہ نگویند المجتہد یخطئ و یصیب؟ “ (مکتوب نہم)

نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے؟ یہ مسئلہ عبادت کی ہیئت ونوعیت کی تعیین کے قبیل سے ہے۔جس میں اجتہادنبوی کی گنجائش ہے۔

اوراس اجتہاد میں بھول چُوک کا بھی احتمال ہے۔آگے حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ مقدمہ سے یہی نتیجہ اخذ فرمائیں گے۔

(۵) عرض پنجم یہ ہے کہ احکام انبیائے کرام علیہم السلام دو(۲) قسم کے ہوتے ہیں ایک تو اَز قسم روایت اور ایک از قسم درایت۔ اوّل میں تو احتمالِ خطاء ممکن نہیں۔ انبیاءکرام علیہم السلام صادق ومصدوق ہوتے ہیں۔(جب) وہ راوی (ہیں اور) خدا تعالیٰ مروی عنہ (ہیں تو) خطاء آئے تو کدھر سے آئے؟۔

ہاں احکام قسم ثانی میں گاہ بہ گاہ خطاء کا بھی احتمال ہوتا ہے،اوراس لئے احتیاط کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔البتہ اتنی بات مقرر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاء کی اصلاح ضروری ہے۔(اور)اس دعوے پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں۔

پھراس پر مرتبۂ بشریت سے دُور (بھی) نہیں۔اس لئے زیادہ کنج وکاوَ ﴿کنج و کاوَ:غوروفکر۔۱۲﴾ کی حاجت نہیں (ہے)۔

(۶) نماز کا طول (لمبائی) ایک رکعت ہے

نماز کا طول ایک رکعت ہے یعنی ہر رکعت ایک پوری نماز ہے۔ایک رکعت تمام

ہونے سے ایک نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اور دوسری رکعت مستقل دوسری نماز ہے۔
حضرت قدس سرہٗ نے اس دعوے کی پانچ دلیلیں بیان فرمادی ہیں۔

پہلی دلیل

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ:

"مَنْ اَدْرَکَ رکعة من الصلٰوة مع الامامفقَدْ اَدْرَکَ الصلٰوة" (مشکوٰۃ، ج۱)

ترجمہ: "اگر کسی نے امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز پالی۔"

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ:

"مَنْ اَدْرَکَ مِن الجمعةِ رَکعةفَقَدْ اَدْرَکَ" (مجمع الزوائد ص۱۹۲، ج۲)

ترجمہ: "اگر کسی نے جمعہ کی ایک رکعت پالی تو اس نے جمعہ پالیا"۔

اور بخاری و مسلم میں ہے کہ:

"مَنْ اَدْرَکَ من العصر رکعة قبل ان تَغْرُبَ الشمس فقد ادرک و من ادرک من الفجر رکعة قبل ان تَطْلُعَ الشمس فقد ادرک" (مشکوٰۃ ص۶۱)

"اگر کسی نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اُس نے عصر کی نماز پالی۔ اور اگر کسی نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اس نے فجر کی نماز پالی۔"......ان روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ایک ہی رکعت ہے۔ ورنہ ایک رکعت کی تخصیص میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔

❁ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ مصابیح التراویح میں لکھتے ہیں: کہ "یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ من ادرک رکعة من الفجر کے معنی ہیں من ادرک رکعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک فضیلة الصلٰوة (جس نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی، اُس نے وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرلی)۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی نماز پوری ہوگئی یا یہ کہ اُس کو اُسی دَم

دوسری رکعت کا، پہلی رکعت کے ساتھ الحاق کر لینا چاہئے؟ کہ یہ حدیث اوقاتِ ثلاثہ میں ممانعت نماز والی حدیث سے معارض بن جائے اور پھر تعارض رفع کرنے کے لئے نسخ یا تخصیص کی حاجت محسوس کی جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اتمام اور الحاق مذکور کے سلسلہ میں یہ حدیث ساکت ہے، معارض نہیں ہے۔۱۲﴾

''ان پانچ باتوں کے بعد گذارش ہے کہ صلوٰۃ کے لئے طول تو ایک رکعت سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ احادیث کثیرہ مثل ''من ادرک رکعة من الصلوة من ادرک رکعة من الجمعة من ادرک رکعة من الصبح ، من ادرک رکعة من العصر'' اس پر شاہد ہیں۔ ورنہ تخصیص رکعت لغو ہے۔

دوسری دلیل

حدیث شریف ہے: ''لَا صَلٰوۃَ اِلا بفاتحة الکتاب''

ترجمہ: ''الحمد شریف پڑھے بغیر نماز ہی نہیں''

اس حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر نماز میں ایک فاتحہ ہونی چاہئے، خواہ وجوباً ہو یا استحباباً، تحقیقاً ہو یا تقدیراً ﴿امام اور منفرد پر فاتحہ تحقیقاً ہے اور مقتدی پر تقدیراً یعنی حکماً ہے۔۱۲﴾ پس اگر ایک سلام سے پڑھی جانے والی جملہ رکعات ایک ہی نماز ہوں۔ تو چاہئے کہ ان کے لئے ایک ہی فاتحہ کافی ہو جائے، حالانکہ ایک فاتحہ کافی نہیں ہے، بلکہ ہر رکعت میں علیحدہ فاتحہ ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر رکعت ایک مستقل نماز ہے۔

دیگر مسائل فقہیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً اگر فرض کی پچھلی رکعتوں میں امام کو حدث لاحق ہو جائے، اور وہ کسی اُمّی (اَن پڑھ) کو اپنا نائب بنا جائے، تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ ہر رکعت مستقل نماز ہے، اس لئے ہر رکعت میں قراءت ضروری ہے۔ خواہ تحقیقاً ہو یا تقدیراً۔ ﴿فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تحقیقاً قرأت ہے اور پچھلی دو رکعتوں میں تقدیراً یعنی حکماً قراءت ہے۔۱۲﴾ اور اَن پڑھ کسی طرح کی قراءت پر قادر نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کی دلیل اس طرح بیان فرمائی ہے۔ ولنا ان کل رکعة

صلوٰۃ فلا تخلی عن القراءۃ اما تحقیقا او تقدیراً (ص ۱۱۴، ج ۱، باب الامۃ)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض کی تمام رکعتوں میں تحقیقی قراءت فرض ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ: ''قراءت کے بغیر نماز ہی نہیں'' اور ہر رکعت نماز ہے۔اس لئے وہ اس حدیث سے ہر رکعت میں قراءت ثابت کرتے ہیں۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۱۳، ج ۱، فصل فی القراءۃ)

(۲) اور حدیث ''لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب'' بعد لحاظ اس امر کے کہ ہر رکعت میں ضرورتِ فاتحہ ہے۔ وہ جس قسم کی ضرورت ہو۔اس کی مؤید (ہے) ورنہ ایک سلام سے جتنی رکعتیں پڑھی جایا کریں، ایک ہی فاتحہ کافی ہوا کرے۔

تیسری دلیل

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول، رات دن میں پچاس رکعتیں پڑھنے کا تھا، اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نماز کا طول ایک رکعت ہے۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ اُصولِ فقہ کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی حکم صرف اُمت کی آسانی کے لئے منسوخ ہوا ہو، تو اس کا استحباب باقی رہتا ہے، جبکہ استحباب باقی رہنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ جیسے عاشوراء کا روزہ پہلے فرض تھا یا واجب تھا، پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا۔مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔اور اس ضابطہ کی وجہ یہ ہے کہ نسخ صرف اُمت کی آسانی کے لئے ہوتا ہے۔اس کی وجہ سے منسوخ ہونے والے مامور بہ میں کوئی قبح رونما نہیں ہوجاتا، بلکہ وہ بدستور حَسَنْ ہی باقی رہتا ہے۔ جیسے عاشوراء کے روزے کی فرضیت اُمت کی آسانی کے لئے ختم کی گئی، مگر اس کی خوبی اور پسندیدگی بدستور باقی رہے۔

اسی طرح شب معراج میں پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں۔پھر اُمت کی آسانی کے لئے انہیں ختم کیا گیا، اور صرف پانچ نمازیں باقی رکھی گئیں۔﴿بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معراج کی حدیث مروی ہے۔اس میں

ہے کہ خَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِی (میں نے اپنے بندوں کے لئے آسانی کردی)﴿۱۲﴾
اس لئے پچاس نمازوں کی خوبی، پسندیدگی اور استحباب اب بھی باقی رہے گا۔

شبہ

اس اُصولی ضابطہ پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ سفر میں چار رکعت والی فرض نماز میں تخفیف مسافر کی آسانی کے لئے کی گئی ہے۔ لہٰذا اتمام یعنی پوری نماز پڑھنے کا استحباب یا کم از کم جواز باقی رہنا چاہئے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک اتمام جائز نہیں ہے۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مسافر کے لئے نماز قصر پڑھنے کا حکم صرف تخفیف (آسانی) کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ایک اور بات بھی اس کے ساتھ شامل حال ہے جو اتمام کے استحباب کے لئے مانع (روک) ہے۔ اور وہ چیز ہے قصر کا صدقۂ خداوندی ہونا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب جبکہ کفار کا اندیشہ باقی نہیں رہا پھر قصر کیوں ہے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ" (مشکوٰۃ، ص ۱۱۸، ج ۱)

"قصر کرنے کا حکم تم پر صدقۂ خداوندی ہے، لہٰذا اُسے قبول کرو (اعتراض نہ کرو)۔

کیونکہ اتمام یعنی پوری نماز پڑھنے کا مطلب ہے کریم آقا کے صدقہ کو رد کرنا، جو بندے کے لئے کسی طرح بھی زیبا نہیں۔ اس وجہ سے اتمام کا استحباب بلکہ جواز بھی باقی نہیں ہے۔ اگر یہ مانع نہ ہوتا، تو پھر اُصولی ضابطہ کے مطابق اتمام کا استحباب باقی رہتا، جیسے مسافر کے لئے افطار کی رخصت، چونکہ وہ صرف سہولت اور آسانی کے لئے ہے، اس لئے اگر مشقت نہ ہو تو مسافر کے لئے روزہ رکھنا مستحب ہے۔

(۳) ادھر شبِ معراج میں بوجہ تخفیف پچاس نمازوں کے بعد، فقط پانچ کا رہ

جانا، اس طرف مشیر کہ استحباب پچاس ہنوز باقی ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ مقتضائے تخفیف ،بشہادتِ عقلِ سلیم یہی ہے۔ اور اگر کہیں اِس کے مخالف نظر آئے تو وہاں یہ تخفیف ہی باعثِ تقلیل نہیں ہوئی، بلکہ لحاظ کسی حسن وقبح ﴿یعنی صدقۂ خداوندی کو قبول کرنا حسن ہے اور رد کرنا، اگرچہ عملاً ہو، قبیح ہے۔۱۲﴾ کا بھی شریکِ حال ہے۔

بہر حال جب پچاس نمازوں کا استحباب باقی ہے، تو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کاملہ اور قوت وہمت سے اُمید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اصلی حکم پر عمل کرتے ہوں گے، یعنی رات دن میں پچاس نمازیں پڑھتے ہوں گے بلکہ بعض اوقات اگر پچاس سے بڑھ جائیں تو عجب نہیں۔

روایات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات دن میں پچاس رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس سے ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ پچاس رکعتیں درحقیقت وہی پچاس نمازیں ہیں، جو شبِ معراج میں مقرر ہوئی تھیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم رات دن میں جو پچاس نمازیں پڑھتے تھے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

◀ ...دو رکعت فجر کی سنتیں اور دو فرض ◀ ...چھ رکعتیں ظہر کی سنتیں اور چار فرض

◀ ...چار رکعتیں عصر کی فرض ◀ ...دو رکعتیں مغرب کی سنتیں اور تین فرض

◀ ...دو رکعتیں عشاء کی سنتیں اور چار فرض ◀ ...تین رکعتیں وِتر۔

◀ ...آٹھ رکعتیں نمازِ تہجد۔ ◀ ...دو رکعتیں نماز اشراق ﴿جن کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرمایا ہے۔۱۲﴾

◀ ...چار رکعتیں نمازِ چاشت ◀ ...چار رکعتیں نماز فی زوال

یہ کل پچاس نمازیں ہوئیں۔ ﴿حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ نے مصابیح التراویح میں پچاس نمازیں اس طرح شمار کی ہیں۔۱۲﴾ اور پچاس نمازیں اس طرح بھی شمار کی جاسکتی ہیں۔

◀ ...دو رکعتیں فجر کی سنتیں اور دو فرض ◀ ...آٹھ رکعتیں ظہر کی سنتیں اور چار فرض۔

◄ ...چار رکعتیں عصر کی سنتیں اور چار فرض ◄ ...چار رکعتیں مغرب کی سنتیں اور تین فرض۔ ◄ ...چار رکعتیں عشاء سے پہلے کی سنتیں پھر چار فرض، پھر چھ سنتیں ﴿کما ورد فی روایۃ ابی داؤد ۱۲﴾

تین رکعتیں وتر اور اس کے بعد دو سنتیں۔ یہ کل پچاس نمازیں ہوئیں۔ ﴿اس کے علاوہ اور طریقوں سے بھی آپ پچاس نمازیں شمار کر سکتے ہیں یعنی جس طرح بھی آپ شمار کریں گے عدد پچاس سے کم نہیں رہے گا، بڑھ جائے تو کوئی حرج نہیں۔۱۲)﴾

مگر ان میں سے بعض سنتیں مؤکدہ ہیں، اور بعض غیر مؤکدہ۔ مؤکدہ سنتیں وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے فرض نمازوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور غیر مؤکدہ سنتیں وہ ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب موقع پڑھا کرتے تھے، یعنی اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو فرضوں کے ساتھ پڑھ لیا۔ ورنہ جتنی تعداد باقی رہ گئی، اُسے تہجد میں پڑھ لیا۔ اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعتوں کی تعداد مختلف رہی۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ تعداد تہجد میں بھی پوری نہ ہو سکی، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب نکلنے کے بعد، زوال سے پہلے باقی ماندہ رکعتیں پوری فرما لیتے تھے۔ یہ خالی وقت اسی غرض سے رکھا گیا ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ
اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا“ (الفرقان،۶۲)

ترجمہ: ”رحمٰن وہ ہستی ہیں جنہوں نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، اس شخص کے لئے جو نصیحت پذیر ہونا چاہے یا شکر گذار بننا چاہے۔“

علامہ آلوسی روح المعانی میں ”لمن اراد“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”رات اور دن اللہ کو یاد کرنے والے کے لئے وقت ہیں۔ اس طرح کہ جس کا کوئی وِرد ایک میں چھوٹ جائے وہ دوسرے میں اس کا تدارک کر لے۔ آیت کے یہی معنٰی سلف کی ایک جماعت سے مروی ہیں۔“

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مُسند طیالسی اور ابن ابی حاتم کے حوالہ سے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاشت کی نماز دیر تک پڑھتے رہے۔ان سے دریافت کیا گیا کہ آج آپ نے خلافِ معمول کام کیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

"انهٔ قد بقی عَلَیَّ من وردی شیء، فاحببت ان اتمّه
او قال: أقضیه، و تلاهذه الأیة"

"میرا کچھ ورد باقی رہ رہا تھا۔ میں نے اسے پورا کرلینا پسند کیا، پھر (استدلال میں) مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔"

اس بحث سے اشراق اور چاشت کی نمازوں کی مشروعیت کی وجہ اور ان کی رکعتوں کی تعداد کے اختلاف کی بنیاد اور ہمیشہ نہ پڑھنے کی علت بھی واضح ہو جاتی ہے۔حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ مصابیح التراویح میں لکھتے ہیں کہ:

"وبنا کمی و بیشئ تهجد، و خواندن و ناخواندنِ اشراق و چاشت، حسبِ اختلاف اوقات، برهمیں کاستن و افزون مبنی می بینم" یعنی تہجد میں کمی بیشی اور اشراق و چاشت کا پڑھنا اور نہ پڑھنا۔حسب اختلافِ اوقات۔مجھ کو اسی گھٹنے اور بڑھنے پر مبنی محسوس ہوتا ہے۔

"اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت وہمت سے یہ توقع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مستحب محبوب کو بے وجہ ترک نہ کرتے ہوں۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ شب وروز کا تتبع کیا تو پچاس ہی رکعتیں ہوتی ہیں۔ہاں اگر کبھی دن کو کمی ہوتی تو رات کو غالباً جبر نقصان فرماتے تھے۔اور رات کو کچھ نقصان رہ گیا تو دن کو اس کو پورا فرماتے تھے۔اس معمولِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ طولِ صلوٰۃ ایک رکعت تک ہے۔

شب معراج میں پچاس نمازیں فرض ہونے کا مطلب تھا۔رات دن میں

پچاس مرتبہ مسجد کی حاضری۔ مگر چونکہ اس میں دُشواری تھی۔ اس لئے کم کر کے پانچ بار حاضری کا حکم دیا گیا اور نمازوں کو کم کر کے پانچ نہیں کیا گیا۔ ان میں کمی ضرور کی گئی مگر پانچ تک نہیں کی گئی بلکہ سترہ (۱۷) نمازیں (رکعتیں) باقی رکھی گئیں۔ اور اگر وِتر کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر بیس نمازیں باقی رہیں گی۔ ﴿مصابیح التراویح کے ضمیمہ میں اس پر مفصل بحث ہے۔۱۲﴾ ''مگر چونکہ دشواری پچاس بار کی حاضری میں تھی۔ گو ایک ایک رکعت ہی کے لئے کیوں نہ ہو، تو تخفیف میں تنقیصِ اوقات زیادہ ملحوظ رہی۔''

اور نمازوں (رکعتوں) کو پانچ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی طبیعت عموماً حاضر نہیں رہتی۔ اور اس کی وجہ سے خشوع وخضوع میں کمی واقع ہو جاتی ہے، بلکہ کبھی ارکان میں معمولی خلل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے متعدد نمازیں (رکعتیں) رکھی گئیں تاکہ تلافی مافات ہو جائے۔ فجر میں چونکہ طبیعت حاضر ہوتی ہے۔ اور طویل آرام کرنے کی وجہ سے خشوع وخضوع بھی نسبۃً زیادہ ہوتا ہے، اس لئے فجر کی نماز میں صرف ایک رکعت کا اضافہ کیا گیا۔ اور ظہر، عصر میں چونکہ مشاغل دنیوی کی وجہ سے ذہنی اُلجھن و پریشانی ہوتی ہے، اس لئے تین رکعتیں بڑھائی گئیں۔ اور عشاء کا وقت چونکہ نیند کے غلبہ اور تھک کر چُور ہونے کا ہے۔ اس لئے اس میں بھی تین نمازوں (رکعتوں) کا اضافہ کیا گیا۔ اور مغرب کے وقت چونکہ مشاغل سے یک گونہ فراغت ہو جاتی ہے، اور تھکن کا احساس ابھی شدت سے شروع نہیں ہوتا، اس لئے اس میں صرف دو نمازیں (رکعتیں) بڑھائی گئیں۔ اور اس وِتر (طاق نماز کی وجہ سے پچاس کے عدد میں چونکہ کسر واقع ہوئی تھی۔ اس لئے رات میں ایک اور وِتر رکھا گیا تاکہ وہ کسر پر ختم ہو کر پچاس (۵۰) نمازوں کا عدد پورا ہو سکے۔ واللہ اعلم

﴿حضرت قدس سرہٗ نے مصابیح التراویح میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اصل نماز دو (۲) رکعت ہے۔ فجر میں اضافہ نہیں کیا گیا، باقی نمازوں میں اضافہ کیا گیا۔ اس بحث کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔﴾

چوتھی دلیل

مسئلہ یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز ایک رکعت جماعت سے ملنے کی اُمید (ظنِ غالب) ہوتو سنتیں پڑھے۔اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام ایک رکعت کو نماز خیال کرتے ہیں، اس لئے فرماتے ہیں کہ جب نماز (ایک رکعت) کو با جماعت پڑھنا ممکن ہوتو سنتوں کو ترک نہ کرے، بلکہ دونوں فضیلتوں کو جمع کرے۔ ﴿حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ مصابیح التراویح میں ارقام فرماتے ہیں کہ ’’یہاں سے امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ کی خوش فہمی اوراُن پر طعن کرنے والوں کی سخن ناشناسی آپ پر عیاں ہوجائے گی۔۱۲﴾

(۴) علاوہ بریں فقہاء کا یہ ارشاد بھی کہ صبح کی ایک رکعت ملنے کی بھی اُمید ہوتو بطور معلوم ﴿یعنی جہاں جماعت ہورہی ہو، وہاں سے علیحدہ جگہ پر سنتیں پڑھے،اور اگر ایسی کوئی جگہ نہ ہوتو پھر سنتوں کو ترک کرے اور فرض میں شامل ہوجائے۔۱۲﴾ سنتِ صبح کو ادا ہی کرلے، کچھ یہی کہے ہے کہ وہ بھی صلوٰۃ ایک ہی رکعت کو سمجھتے ہیں۔یعنی جب تک ادائے صلوٰۃ بالجماعت ممکن ہو، سنتِ مؤکدہ صبح کو ترک نہ کرے، دونوں فضیلتوں کو جمع کرے، ہاں اجتماع ممکن نہ ہوتو پھر جماعت زیادہ ضروری ہے۔

پانچویں دلیل

ایک رکعت پوری ہونے پر پھر وہی ارکان دوبارہ شروع ہوجاتے ہیں۔پھر وہی قیام، قرأت، رکوع اور سجدہ شروع ہوجاتے ہیں۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا طول ایک رکعت ہے۔

(۵) بایں ہمہ بعد اتمامِ رکعت، عودِ ارکانِ سابقہ بھی بحکم فطرتِ سلیمہ اسی پر دال ہو کہ صلوٰۃِ واحد ایک رکعت پر ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے بیان فرمائے ہوئے دلائل تمام ہوئے۔اب ذیل میں ہم چند دلائل کا اضافہ کرتے ہیں۔

چھٹی دلیل

حدیث شریف میں ہے کہ

”فرض اللّٰہ الصلوٰۃ علی لسان نبیکم صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الحضر اربعا و فی السفر رکعتین و فی الخوف رکعۃ“ (مسلم)

ترجمہ: ”اللہ پاک نے تمہارے پیغمبر کے ذریعہ تم پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو (۲) رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے۔“

حضرت عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”لمعات التنقیح“ میں اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں کہ: **”أخذ بظاھرہ طائفۃ من السلف“** (مشکوٰۃ ص ۱۱۹)

ترجمہ: ”سلف کی ایک جماعت کا مسلک ظاہرِ حدیث کے موافق ہے۔“

یعنی ان کے نزدیک خوف میں نماز ایک ہی رکعت ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک رکعت کو مکمل نماز سمجھتے ہیں۔

ساتویں دلیل

حدیث شریف میں صلوٰۃ بُتَیْرَاء (دُم کٹی نماز) یعنی صرف ایک رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکعت نماز ہے، گو وہ ناقص اور دُم کٹی ہے۔ بندہ چاہے جتنا بھی اہتمام کرے وہ کما حقہ نماز ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اگر وہ ایک ہی رکعت پڑھے گا تو نماز ناقص ہوگی۔ اور اَحکم الحاکمین کے حضور پیش ہونے کے لائق نہیں ہوگی۔ اس لئے شریعت نے شفعہ (دو ساتھ) پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ایک رکعت کے نقصان کی دوسری رکعت سے تلافی ہوکر ایک مکمل نماز حضورِ خداوندی میں پیش ہو۔

آٹھویں دلیل

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وِتر ایک رکعت پڑھنا بھی جائز ہے۔

اس سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی ایک رکعت مکمل نماز ہے۔

نویں دلیل

نہایہ شرح ہدایہ میں یہ بحث ہے کہ نماز کے اصلی ارکان کیا ہیں؟ وہ لکھتے ہیں کہ "قعدۂ اخیرہ اگرچہ فرض ہے۔ مگر نماز کا اصلی رکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پہلی رکعت کے اخیر میں مشروع نہیں ہے۔" صاحب نہایہ کا یہ استدلال واضح کرتا ہے کہ ہر رکعت مکمل نماز ہے۔

دسویں دلیل

اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ لَا اُصَلِّیْ (میں نماز نہیں پڑھوں گا) پھر وہ نماز پڑھے تو ایک رکعت مکمل ہوتے ہی یعنی سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی وہ قسم میں حانث ہوجائے گا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا طول ایک ہی رکعت ہے۔ **تلک عشرة کاملة**

شبہ

البتہ یہ شبہ دامن گیر ہوسکتا ہے کہ جب نماز کا طول ایک رکعت ہے تو پھر دو (۲)، دو (۲)، تین (۳)، تین (۳) اور چار چار رکعتوں کو ایک نماز کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن رکعتوں کے درمیان اجنبی (نماز کے منافی کاموں) کے فصل کی اجازت نہیں ہوتی) اس وجہ سے وہ رکعتیں ایک شئی کی طرح شمار کرلی جاتی ہیں۔ اور انہیں ایک نماز کہہ دیا جاتا ہے۔ ﴿جس طرح گیہوں کا اطلاق ایک دانہ سے لے کر ڈھیروں اور بوریوں تک ہر کم وبیش مقدار پر درست ہے، اسی طرح یہاں بھی نماز کا اطلاق ایک رکعت سے لے کر جس قدر بھی رکعتیں جمع کرلی جائیں، سب پر درست ہے۔ یہ بحث مصابح التراویح میں دیکھنی چاہئے۔﴾ جیسا کہ امام اور مقتدیوں کی نماز جو حقیقت میں متحد (ایک) ہے مقتدیوں کے تعدد کی وجہ سے عرف میں متعدد شمار کی جاتی ہے۔

اس صورت میں دو دو رکعت اور تین تین رکعت اور چار چار رکعت کو ایک صلوٰۃ کہنا بایں اعتبار ہے کہ فصل بالاجنبی کی اجازت نہیں۔ مگر جیسے اس صورت میں صلوٰۃ متعددہ کو ایک صلوٰۃ بوجہ مذکور سمجھتے ہیں، ایسے صلوٰۃ امام ومقتدی کو جو بدلالتِ وجوہِ لاحقہ واحد ہے، بوجہ تعددِ مصلّین متعدد سمجھتے ہیں۔

(۷) امام اور مقتدیوں کی نماز متحد (ایک) ہے

امام اور مقتدیوں کی نماز جو عرف میں متعدد سمجھی جاتی ہیں، حقیقت میں ایک ہی نماز ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اس دعویٰ کی پانچ دلیلیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی دلیل

نماز پڑھانے کے لئے امام کے انتخاب کا حکم وحدتِ نماز کی پہلی دلیل ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ امامت کا زیادہ حق دار وہ شخص ہے جس میں دو باتیں پائی جاتی ہوں:

(الف) وہ ایسا کوئی دینی کمال رکھتا ہو، جس کی وجہ سے لوگ اسے پسند کرتے ہوں۔ اور اس کے ساتھ ترجیحی معاملہ کرتے ہوں۔ یعنی اُسے اپنے سے برتر سمجھتے ہوں۔

(ب) تقویٰ میں وہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہو۔ اور گناہوں سے بچنے کا سامان اس کے پاس نسبتًہ زیادہ ہو۔ ان دو (۲) باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم نے "امامت کے لئے زیادہ حق دار" کی اس طرح درجہ بندی کی ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ حق دار "اَقْرَأُ بِكِتَابِ اللّٰهِ" (دین زیادہ جاننے والا) ہے، پھر اَعْلَمُ بالسنة (احادیث زیادہ جاننے والا) ہے، پھر مسلمان ہونے میں جو مقدم ہو، پھر ہجرت میں جو مقدم ہو، پھر جو زیادہ پرہیزگار ہو، پھر بڑی عمر والا، پھر زیادہ خوب صورت، پھر وہ جس کی بیوی خوب صورت ہو، کیونکہ ایسا شخص بدنگاہی کے گناہ سے بھی محفوظ ہوگا۔

امامت کے لئے زیادہ حق دار کی یہ درجہ بندی اس وجہ سے ہے کہ جس طرح انسان سفر کے لئے عمدہ سواری کا انتخاب کرتا ہے تاکہ آرام کے ساتھ سفر ہو سکے، اسی

طرح عمدہ امام کا انتخاب کیا جاتا ہے تاکہ مقتدیوں کی نماز عمدہ بن سکے۔ کیونکہ ان کی نماز فضیلت ونقصان میں امام کی نماز کے تابع ہے۔

جیسے سوار تیز روی اور سست روی، کج روی اور راست روی میں سواری کے تابع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اور مقتدیوں کی نماز متحد ہے۔ اگر امام اور مقتدیوں کی نمازیں الگ الگ ہوتیں۔ اور امام کی نماز کا کوئی اثر مقتدیوں کی نماز تک نہیں پہنچتا۔ تو پھر امام کے افضل اور منتخب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

کیونکہ اب اگر کوئی وجہ امتیاز ہو سکتی ہے، تو وہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ امام مقتدیوں سے آگے کھڑا رہتا ہے۔ مگر یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

کیونکہ مقتدیوں سے آگے کھڑے رہنے کی وجہ سے اگر امام میں مذکورہ بالا صفات کا لحاظ ضروری ہو، تو پھر پہلی صف میں کھڑے ہونے والے مقتدیوں میں بھی ان کا لحاظ ضرور ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ بھی تو آخر دوسری صف سے آگے کھڑے ہیں۔ نیز دوسری، تیسری صف کا حال بھی یہی ہونا چاہئے۔ بلکہ آخری صف کو چھوڑ کر باقی تمام صفوں کے مقتدیوں میں اُن صفات کا لحاظ ہونا چاہئے۔

لیکن جب اگلی صفوں کے مقتدیوں میں اُن صفات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، تو پھر امام میں بھی صرف آگے کھڑے رہنے کی وجہ سے اُن صفات کا لحاظ نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی کوئی اور وجہ ہوگی۔ اور وہ وجہ وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ چونکہ امام اور مقتدیوں کی نماز متحد (ایک) ہے۔ اور اس کی نماز کی ہر کیفیت یعنی فضیلت ونقصان کا اثر مقتدیوں کی نماز تک پہنچتا ہے۔ اس لئے اس کا منتخب ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کے طفیل مقتدیوں کی نماز بھی عمدہ بن جائے۔

وجہ اوّل تو یہ ہے کہ افضلیت امام، علی الترتیب المعلوم، اس بات پر شاہد ہے کہ جیسے حرکتِ کشتی نشین سرعت وبطوء واستقامت واستدارت وغیرہ میں تابع حرکت کشتی ہے۔ ایسے ہی فضیلت ونقصان میں صلوٰۃ مقتدی تابع صلوٰۃ امام ہے۔ یہی وجہ

ہوئی کہ امام کا اَعْلَمْ واَقْرَءُ واَوْرَعْ وغیرہ ہونا محمود و مستحب ہوا۔ اور اگر دونوں کی نمازیں جُدا جُدا ہوتیں، اور اس اَمر (نماز) میں ایک دوسرے سے مستقل و مستغنی ہوتا تو آگے پیچھے کھڑا ہونا کچھ اس بات کو مقتضی نہ تھا کہ امام ایسا ہونا چاہئے۔ ورنہ بہت سے ''منفرد'' ﴿کتاب کے تمام نسخوں میں یہاں لفظ ''منفرد'' ہے مگر اس ہیچمداں کو پورا یقین ہے کہ یہ یا تو سبقتِ قلم ہے یا پھر طباعت کی غلطی ہے۔ صحیح لفظ یہاں ''مقتدی'' ہونا چاہئے۔۱۲﴾ بھی اس حکم کے مخاطب ہوتے۔ الغرض مثل کشتی و جالسانِ کشتی اگر امام کی طرف سے افاضہ، اور مقتدیوں کی طرف سے استفاضہ نہیں، تو یہ افضلیت امام پھر کاہے کے لئے ہے؟

دوسری دلیل

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہوجائے۔ تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔ لیکن اگر مقتدی کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تو صرف اس کی نماز فاسد ہوگی۔ امام کی نماز تک اس کا اثر نہیں پہنچے گا۔

اور دلیل حدیثِ پاک ''اَلْإِمَامُ ضَامِنٌ'' (رواہ ابو داوٗد والترمذی واحمد و الشافعی رحمھم اللہ تعالیٰ) ہے۔ جس طرح ضمانت میں ضامن کے قرضہ ادا کرنے سے ضامن اور اصل مدیون دونوں بَری ہوجاتے ہیں۔ اور ضامن قرضہ نہ ادا کرے تو اصل مدیون پر بارِدَین باقی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر امام کی نماز صحیح ہوجائے تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوجائے گی۔ لیکن اگر امام کی نماز فاسد ہوجائے، تو مقتدی کے ذمہ بھی نماز باقی رہ جائے گی۔

اور جس طرح ضامن کے قرضہ ادا کرنے سے وہ تو بَری ہوجاتا ہے مگر اصل مدیون پر ضروری ہوتا ہے کہ اب وہ قرضہ بجائے قرض خواہ کے ضامن کو ادا کرے، وہ بَری نہیں ہوتا بلکہ اس کا ذمہ مشغول رہتا ہے۔ اسی طرح مقتدی نے جب اقتداء کی نیت کی تو اب اس پر لازم ہے کہ نماز صحیح ادا کرے، اگر فاسد کردے گا تو اس کا ذمہ مشغول رہے گا، لیکن امام جس نے نماز صحیح ادا کرلی ہے بَری ہوجائے گا۔

بہر حال امام کو جب مقتدیوں کی نماز کا ضامن قرار دیا گیا، تو جس طرح ضمانت میں اصل مدیون اور ضامن پر دَین (قرضہ) متحد (ایک) ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی امام اور مقتدی کی نماز متحد (ایک) ہوگی۔ اور امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل نماز امام ہی کی ہے، اور جس طرح سواری کی حرکت سوار کی طرف مجازاً منسوب ہو جاتی ہے، اسی طرح امام کی نماز مجازاً مقتدیوں کی طرف منسوب ہو جاتی ہے اور جس طرح سواری کے ٹھہرنے سے سوار کا ٹھہرنا ضروری ہے۔ مگر سوار کے ٹھہرنے سے سواری کا ٹھہرنا ضروری نہیں ہے، اسی طرح امام کی نماز کے فساد سے سب کی نماز کا فساد ضروری ہے، مگر مقتدیوں کی نماز کے فساد سے انہی کی نماز کا فساد ضروری ہے، امام کی نماز کا فساد لازم نہیں ہے۔

(۲) دوسری (وجہ): حدیث ''اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ'' اس بات پر شاہد کہ امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم ہے، اور مقتدی کی نماز فاسد ہو تو اُسی کی نماز فاسد ہوگی، اور کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ضمانت وجوبِ حق پر دال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ادائے حقِ ضمانت سے اصل مدیون بری ہو جاتا ہے، ورنہ بارِ دَین اس کی گردن پر رہے گا۔ اور مدیون اگر عوض مال مؤدیٰ ضامن کو نہ دے، تو مدیون ہی کے ذمہ مطالبہ رہے گا۔ ضامن کے ذمہ کسی کا مطالبہ نہ رہے گا۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ حقِ ضمانت امام سے ادا نہ ہو تو مقتدیوں کی براءت بھی متصور نہیں، اور مقتدیوں سے واجب ادا نہ ہو تو امام کی براءت میں کلام نہیں۔

غرض فسادِ نمازِ امام سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہو جانا بھی اس پر شاہد ہے کہ مثل حرکتِ کشتی، صلوٰۃِ امام مقتدیوں کی طرف منسوب ہو جاتی ہے۔ اور جیسے کہ سکونِ کشتی سے سکونِ جالس ضرور ہے، اور سکونِ جالس سے اُسی کا سکون لازم آتا ہے، اَوروں تک متعدی نہیں ہوتا، ایسے ہی دربارہ فساد یہاں بھی یہی حال ہے۔

تیسری دلیل

مسئلہ یہ ہے کہ امام کے سہو سے خود اُس پر اور تمام مقتدیوں پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ مگر مقتدی کے سہو سے نہ اُس پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، نہ دوسرے مقتدیوں پر اور نہ امام پر، کسی پر بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔ اس سے بھی امام اور مقتدیوں کی نماز کی وحدت کا پتہ چلتا ہے۔ مثال سے اس بات کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے سواری تہ و بالا ہو جائے تو سوار ضرور تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سوار کو تیز و تند ہوا لگے، تو نہ وہ تہ و بالا ہوتا ہے، نہ سواری۔ اس لئے کہ سواری اور سوار کی حرکت میں اتحاد ہے۔ اور سواری واسطہ فی العروض ہے۔ سوار کے حرکت کے ساتھ متصف ہونے کے لئے، یعنی سواری کی طرف سے حرکت وغیرہ احوال کا افاضہ (فیضان) ہوتا ہے، اور سوار کی طرف سے استفاضہ اسی طرح امام کی طرف سے افاضہ ہے، اور مقتدیوں کی طرف سے استفاضہ۔ اور دونوں کی نماز متحد ہے۔ اور امام واسطہ فی العروض ہے مقتدیوں کے نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے، اس لئے امام کے سہو سے مقتدیوں پر بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا، مگر مقتدیوں کے سہو سے کسی پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جیسے بوجہ تندئ ہوا وغیرہ موجبات اضطراب، اگر کشتی مضطرب ہوتی ہے، تو جالسانِ کشتی کا اضطراب یعنی تہ و بالا ہونا ضرور ہے۔ اور فقط کشتی نشین کو اگر ہواءِ تند لگے، تو نہ وہ تہ و بالا ہو نہ کوئی اور سوا اس کے......اور وجہ اس کی وہی اتحادِ حرکت، بطور معلوم ہے، اور اسی وجہ سے اس اضطراب و عدم اضطراب سے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اُدھر سے افاضہ اور اِدھر سے استفاضہ ہے۔

ایسے ہی سہو امام سے سب پر سجدۂ سہو کا لازم آنا، اور مقتدی کی سہو سے کسی پر سجدہ کا لازم نہ آنا، اتحادِ صلوٰۃ پر بطورِ معلوم دال ہے۔ اور اس کو دیکھ کر اہلِ فہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ امام کی طرف سے افادہ اور اُدھر سے استفادہ ہے۔

چوتھی دلیل

نماز کے ارکان میں مقتدی کی امام کے ساتھ جو شرکت ضروری ہے اور تقدیم و تاخیر ممنوع ہے۔ اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں کی نماز ایک ہے۔ اور تقدیم و تاخیر کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سوار کو متحرک ہونے کے لئے سواری کے احاطہ میں داخل ہونا ضروری ہے، اگر سوار، کشتی، ٹرین اور موٹر کے احاطہ سے باہر ہوگا تو وہ اُن کی حرکت کے ساتھ متصف نہیں ہوگا۔ یا مثلاً آئینہ کو روشن ہونے کے لئے سورج کے مقابل ہونا ضروری ہے۔ تقابل کے بغیر روشن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح امام اور مقتدیوں کی ارکانِ نماز میں مقارنت ضروری ہے۔ کیونکہ حرکت اور روشنی صرف سواری اور سورج میں ہے، سوار اور آئینہ اس سے بالعرض متصف ہورہے ہیں۔ اس لئے دوسرے کا پہلے کے احاطہ میں داخل ہونا اور مقابل ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح مقتدی کے نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام کی نماز کے احاطہ میں داخل ہو اور ارکان میں دونوں کی مقارنت ہو۔ کیونکہ امام ہی نماز کے ساتھ حقیقۃً متصف ہے۔ مقتدی بالعرض یعنی بالواسطہ نماز کے ساتھ متصف ہیں۔ اگر امام اور مقتدیوں کی نمازیں علیحدہ علیحدہ ہوتیں تو یہ ارکان میں مقارنت کی شرکت لغو تھی۔

(۴) چوتھے رکوع وسجود میں تقدیم وتاخیر کا مقتدیوں کے حق میں ممنوع ہونا...... بشہادتِ فطرتِ سلیمہ اس پر شاہد ہے کہ امام ہی کی نماز مقتدیوں کی طرف منسوب ہے۔ اور اس صورت میں اس معیت کی ضرورت ایسی ہے کہ جیسے آئینہ کے مستنیر ہونے کے لئے تقابل کی حاجت، یا بذریعہ کشتی متحرک ہونے کے لئے کشتی کے ذیل میں ہونے کی ضرورت...... ورنہ درصورت استقلال، یہ ممانعت لغو تھی۔

پانچویں دلیل

امام کا سُترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔ یہ مسئلہ بھی دلالت کرتا ہے کہ امام اور

مقتدیوں کی نماز ایک (متحد) ہے۔

اور مسئلہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار ہو کر آیا۔ اُن دِنوں مَیں قریب البلوغ تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں نماز پڑھا رہے تھے۔ سامنے کوئی دیوار نہیں تھی۔ میں نمازیوں کی صف کے کچھ حصہ کے آگے تک بڑھتا چلا گیا۔ پھر اُتر کر گدھی کو چرتی چھوڑ کر، نماز میں شامل ہو گیا۔ اور میرے اس فعل پر کسی نے ناگواری ظاہر نہیں کی۔ (بخاری و مسلم)

کسی کے ناگواری ظاہر نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہاں، آگے سے گذرنا جائز تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سُترہ تھا۔ جو تمام مقتدیوں کے لئے بھی کافی تھا۔ اور سُترہ کے آگے سے گذرنا جائز ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ کہ امام کا سُترہ مقتدیوں کے لئے بھی کافی ہے اور مقتدی کا سُترہ امام کے لئے کافی نہیں ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ اصل نماز پڑھنے والا امام ہی ہے اور مقتدی اس سے مستفید ہیں۔

پانچویں: امام کے سُترہ کا مقتدیوں کے حق میں کافی ہو جانا

چنانچہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اس پر شاہد ہے۔ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصل مصلی وہ اِمام ہے، اور مقتدی اُس سے مستفیض ہیں۔

چھٹی دلیل

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے بیان فرمودہ دلائل تمام ہوئے۔ اب ذیل میں ہم ایک دلیل کا اضافہ کرتے ہیں۔

عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب مفرد کی اضافت جمع کی طرف ہوتی ہے، تو مضاف ایک ہوتا ہے، اور مضاف الیہ متعدد ہوتے ہیں۔ مثلاً کِتَابُهُمْ (ان کی کتاب) اَبُوْهُمْ (ان کے والد) میں کتاب اور والد ایک ہیں۔ اور مالک اور بیٹے

متعدد ہیں۔اور جب جمع کی اضافت جمع کی طرف ہوتی ہے، تو مضاف اور مضاف الیہ دونوں متعدد ہوتے ہیں۔ مثلاً رَوَوْا عَنْ آبَائِهِمْ (انہوں نے اپنے اپنے والد سے حدیث روایت کی)۔ اَخَذُوْا اَقْلَامَهُمْ (انہوں نے اپنے اپنے قلم لئے) میں ہر راوی کا والد الگ ہے اور ہر شخص کا قلم جُدا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اضافت کی پہلی صورت میں جمع کے تمام افراد، واحد (ایک چیز) میں شریک ہوتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں تقسیم الآحاد علی الآحاد ہوتی ہے۔اب تمام احادیث پر نظر ڈال لیجئے، اور عرف کو بھی دیکھ لیجئے کہ سب جگہ صَلٰوةُ الجماعة (نمازِ جماعت) کہا جاتا ہے۔ کسی جگہ صَلَوَاتُ الجماعة (جماعت کی نمازیں) نہیں ملے گا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کل جماعت کی نماز ایک ہے جس کے ساتھ امام حقیقۃً اور بالذات متصف ہے، اور مقتدی اسی کے واسطے سے مجازاً اور بالعرض متصف ہیں۔

الغرض صلوٰۃِ امام بوجوہِ مذکورہ واحد ہے۔امام اصل اور موصوف بالذات ہے اور مقتدی تابع اور موصوف بالعرض۔

شبہ

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ امام اور مقتدیوں کی نماز کے متحد (ایک) ہونے کی مذکورہ بالا دلیلیں، دلیلیں نہیں ہیں، بلکہ صرف علامات وقرائن ہیں! اُن سے مدعٰی کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

جواب

علامات وقرائن سے بھی یقین حاصل ہوسکتا ہے، مثلاً اس دعویٰ کے لئے کہ ''نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ'' (چاند کی روشنی، سورج کا فیض ہے) دلیل صرف علامات وقرائن ہیں یعنی چاند کا، مہینہ کی مختلف تاریخوں میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا، اور جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے، تو چاند کو گہن لگنا وغیرہ وغیرہ علامات وقرائن ہی سے مذکورہ دعوے کا یقین کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر مذکورہ بالا دلائل کو علامات وقرائن بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی وہ مفید یقین ہوں گے۔ اور ان سے دعویٰ ثابت ہو سکے گا۔" اور کیوں نہ ہو؟ اگر اختلافِ تَشَکُّلاتِ قمروغیرہ اُمورِ معلومہ سے قضیہ "نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ" کا یقین ہو جاتا ہے، تو یہاں بھی استفادۂ معلوم کا یقین ضرور ہے۔

امام اور مقتدیوں کی نماز کے متحد ہونے کا نتیجہ

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام اور مقتدیوں کی نماز متحد (ایک) ہے اور امام اصل ہے یعنی حقیقۃً اور بالذات نماز کے ساتھ متصف ہے، اور مقتدی اس کے تابع ہیں۔ یعنی مجازاً، بالعرض، امام ہی کے واسطے سے نماز کے ساتھ متصف ہیں تو نماز کے ہونے کے لئے جو چیز ضروری ہے۔ یعنی جو شخص نماز کے ساتھ حقیقۃً متصف ہے، اُس کے نماز سے تعلق کے لحاظ سے جو چیز ضروری ہے وہ امام کے ذمہ رہے گی، اور ایسی چیز قراءت ہے۔ اور جو چیز اِمام کی اتباع کے لئے ضروری ہے یعنی نماز کے ساتھ بالعرض متصف ہونے کے لئے ضروری ہے، وہ مقتدی کے ذمہ رہے گی۔ اور ایسی چیز اقتداء کی نیت ہے۔ اور جو چیزیں حضوریٔ دربارِ خداوندی کے لحاظ سے ضروری ہیں وہ سب دونوں کے ذمہ رہیں گی، اور ایسی چیزیں قیام، رکوع، سجدے، درود دُعاء وغیرہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مقتدی کے ذمہ قراءت نہیں ہے۔ قراءت صرف امام کے ذمہ ہے۔

اس لئے ضروریاتِ اعتبارِ صلوٰۃ، یا یوں کہئے: ضروریاتِ اعتبارِ اتصاف بالذات۔ مثل قراءت۔ سب امام کے ذمہ رہیں گے۔ اور ضروریاتِ اتباع یا یوں کہئے: ضروریاتِ اتصاف بالعرض۔ مثل نیتِ اقتداء۔ سب مقتدیوں کے ذمہ (رہیں گے)۔ اور ضروریاتِ اعتبارِ حضور مثل رکوع وسجود وغیرہ دونوں میں مشترک (رہیں گے)۔

(۸) نماز کی حقیقت فاتحہ اور سورت پڑھنا ہے

نماز کو "صلوٰۃ" دو (۲) وجہ سے کہا جاتا ہے (الف) اللہ پاک کے حضور میں

ہدایت کے لئے دُعا کرنا۔ (ب) اور اللہ پاک کی طرف سے اس کا جو جواب ملے اُسے بغور سننا۔ سورۂ فاتحہ پہلے مقصد کے لئے ہے۔ اس میں عرض کیا جاتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (خدایا ہمیں سیدھا راستہ بتلایئے) اور فاتحہ کے بعد جو سورت ملائی جاتی ہے، وہ دوسرے مقصد سے ہے، یعنی وہ اللہ پاک کی طرف سے اس درخواست کا جواب ہے، جسے اللہ پاک کی جانب سے اِمام سناتا ہے۔ نماز کو انہی دو باتوں کی وجہ سے ''صلوٰۃ'' کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں چیزیں اُس شخص کے ذمہ رہیں گی، جو نماز کے ساتھ حقیقۃً اور بالذات متصف ہے۔

''شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ صلوٰۃ کو ''صلوٰۃ'' باعتبار عرض معروض ﴿عرض معروض: درخواست، التماس ۱۲﴾ معلوم، واستماع ﴿استماع: سننا۔ ۱۲﴾ احکامِ مقررہ جو قراءتِ فاتحہ اور قراءتِ سورۃ میں ہوتا ہے کہتے ہیں۔''

پہلی دلیل

لفظِ ''صلوٰۃ'' کے لغوی معنی ہیں ''دُعاء'' اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' (سورۂ الاحزاب، آیت ۵۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! رحمت بھیجو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور خوب سلام بھیجو!''

علماء فرماتے ہیں کہ مؤمنین کی صلوٰۃ دُعا کرنا ہے، یعنی اللہ پاک سے درخواست کرنا ہے کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک اپنے نبی پر نازل فرماتے رہیں۔ کیونکہ ان کی رحمتیں بے نہایت ہیں۔

دوسری جگہ اللہ پارک ارشاد فرماتے ہیں کہ

''وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ'' (سورۃ توبہ)

ترجمہ: ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دُعاء خیر فرمادیں، بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اُن کے لئے سامانِ تسکین ہے؟''

یعنی اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے، جن کے دل حسرت وندامت سے زخمی ہو

رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا راحت وسکون کا مرہم ثابت ہوگی۔

علاوہ ازیں عربی لغت میں جہاں جہاں لفظِ ''صلوٰۃ'' آیا ہے، کبھی جگہ دُعاء ہی کے معنیٰ مراد ہیں۔ مثلاً صَلّٰی صَلَاۃً ای: دعا: صَلَّی اللّٰہ علیه ای: بارک علیه واحسن علیه الثناء۔ اور ارکانِ معہودہ اور افعالِ مخصوصہ (نماز) کو، جو ''صلوٰۃ'' کے شرعی معنیٰ ہیں۔ اسی لئے ''صلوٰۃ'' کہا جاتا ہے کہ اُس کی حقیقت بھی دُعا ہی ہے۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ

''وسمیت بالصلوٰۃ لاشتمالها علی المعنی اللغوی'' (شروع کتاب الصلوٰۃ)

افعالِ مخصوصہ کا نام ''صلوٰۃ'' اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ لغوی معنیٰ (دعا) پر مشتمل ہے۔

اور فلسفۂ لغت کا تقاضا یہ ہے کہ لفظ کے اصلی (لغوی) معنیٰ نہ صرف یہ کہ اس کے اصطلاحی (ثانوی) معنیٰ میں ملحوظ رہنے چاہئیں۔ بلکہ وہی بنیادی معنیٰ ہونے چاہئیں، اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں اس کے ساتھ ملحق و متعلق ہونی چاہئیں۔ ﴿اہلِ علم اس سلسلہ میں شرح خطبة الکافی فی علم اللغة (ص ۵۱، ۵۲) اور العَلَم الخفاق من علم الاشتقاق اور العون الکبیر فی حل الفوز الکبیر (ص۳۲۱) کی مراجعت فرمائیں۔۱۲﴾

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نماز کو ''صلوٰۃ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل حقیقت ''دُعا'' ہے۔ اور دوسری چیزیں (قیام) رکوع اور سجدے وغیرہ) اس کے متعلقات و ملحقات ہیں۔ اور ''دُعا'' سورۂ فاتحہ میں ہے۔ جس کا جواب قراءتِ سورت میں ہے۔ پس یہی دونوں چیزیں نماز کی اصل حقیقت ٹھہریں، جو صرف اس شخص کے ذمہ رہیں گی جو نماز کے ساتھ حقیقۃً متصف ہے۔ یعنی صرف امام کے ذمہ۔

''وجہ اس کی اوّل تو یہ ہے کہ لفظِ صلوٰۃ...... بدلالتِ فقہ اللغۃ ......اس جانب مشیر ہے کہ دُعائے لسانی (زبانی) مقصود ہے۔

دوسری دلیل

تخلیقِ انسانی کی اصل غرض عبادتِ خداوندی ہے، ارشادِ ربانی ہے کہ

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (الذٰریٰت، آیت نمبر ۵۶)

"اور میں نے جن اور اِنسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔"

یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے ان میں خلقۃً اس کی استعداد رکھی ہے۔ پس عبادت نفوس انسانی کی طبعی خواہش ہے۔ جس طرح آنکھ، کان کو دیکھنے، سننے کے لئے بنایا ہے اس لئے دیکھنا سننا اُن کی طبعی خواہش ہے۔

اور عبادت نام ہے معبود کی مرضی کے موافق کام کرنے کا۔ لیکن اُن کی مرضی کا پتہ اُن کے بتلائے بغیر چل نہیں سکتا۔ اس لئے شوقِ عبادت کا تقاضا یہ ہے کہ اُنہی سے درخواست کی جائے کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری راہ نمائی فرمائیں۔ بس یہی ہے نماز کی اصل غرض یعنی درخواست پیش کرنا اور اس کا جو جواب ملے اُسے بغور سننا۔

دوسرے: جیسے قوتِ باصرہ (دیکھنے کی قوت) وغیرہ قُویٰ کو دیکھنے سننے وغیرہ کے لئے بنایا، اور اس لئے یہ اُمور اُن قُویٰ کے حق میں طبعی ہیں، ایسے ہی بدلالت "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" نفوسِ انسانی کو عبادت کے لئے بنایا، اور اس وجہ سے عبادت اُن کے حق میں ایک خواہش طبعی ہے، مگر چونکہ طاعت و عبادت اُس کو کہتے ہیں کہ مُطاع و معبود کے موافقِ مرضی کیا کرے، مگر اُس کی مرضی کا جاننا اُسی کے بتلانے پر موقوف ہے، اس لئے بالضرور، بحکمِ شوقِ عبادت، خدا تعالیٰ سے استدعائے (درخواست ۱۲) ہدایت ضرور ہوئی۔ سو اَصل میں اسی استدعا اور استدعا کے جواب کے استماع کے لئے یہ افضل العبادات یعنی نماز مقرر ہوئی۔

قیام، رکوع اور سجدے، قراءت ہی کی غرض سے مشروع ہوئے ہیں..... آسان تقریر

قیام درخواستِ حالی ہے۔ آدمی قیام کی حالت میں سراپا درخواست بن جاتا ہے۔ اور رکوع، سجدے...... سرسری نظر میں...... وہ آداب و نیاز ہیں جو انعام کے

شکریہ میں بجالائے جاتے ہیں۔ جیسے کہ ثناء دربار کی سلامی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ بندہ دربارِ خداوندی میں اوّل دست بستہ کھڑا ہوکر سراپا سوال بن جاتا ہے۔ ساتھ ہی زبان قال سے بھی اللہ پاک کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتا ہے یعنی اللہ اکبر کہتا ہے، پھر سُبحٰنکَ اللّٰھُمَّ میں اللہ تعالیٰ کے ہر عیب سے پاک ہونے کا، اُن کے بابرکت اور عالی شان ہونے کا، اور ان کے تنہا معبود ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہ گویا بمنزلہ سلام دربار ہے۔

پھر شیطان کے شر سے بچنے کی دُعاء کرکے اللہ پاک کا نام لے کر الحمد شریف پڑھتا ہے۔ جس میں اوّل اللہ پاک کی تعریف کرتا ہے۔ ان کی تربیتِ عامہ اور رحمتِ خاصہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان کی مالکیت اور جزاء وسزاء کے اختیار کا اعتراف کرتا ہے۔ اور اس کے بعد ہدایت کی درخواست پیش کرتا ہے۔ اور اس کا جو جواب ملتا ہے، اُسے غور سے سنتا ہے۔ قرآن پاک ہدایت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

"ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" (سورۃ البقرہ، آیت نمبر۲)

"اس قرآنِ پاک میں شک وشبہ والی کوئی بات نہیں ہے وہ پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے۔"

پس فاتحہ کے بعد قرآنِ پاک کا پڑھنا ہی درخواست کا جواب ہے۔ پھر درخواست منظور ہونے کے شکریہ میں بندہ آداب ونیاز بجالاتا ہے۔ یعنی رکوع اور سجدہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نماز کی اصل غرض یہی درخواست پیش کرنا اور اس کا جواب سننا ہے یعنی نماز کی کل حقیقت قراءتِ قرآن ہے، اور باقی ارکان اس غرض سے ہیں۔

"قیام کا اس کے لئے موضوع ہونا تو خود ہی ظاہر ہے۔ رہا رکوع وسجود۔ اگر نظرِ سرسری سے دیکھئے۔ تو یہ بھی مثل سُبحٰنکَ اللّٰھُمَّ، اس کے ملحقات میں سے ہیں۔ اگر سُبحٰنکَ اللّٰھُمَّ بمنزلہ سلامِ دربار ہے تو رکوع وسجود مثل آداب و نیاز وقتِ انعام ہیں۔ یعنی جب سوال اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے بعد سورت پڑھی گئی، تو بدلالت "ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ"

یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہوگیا اور اُس کی اُمید بر آئی، اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب و نیاز بجالانا اس کے ذمہ ضرور ہوا۔

شبہ

یہاں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ جب قرآنِ پاک پڑھنا یعنی سورت ملانا ہی ہدایت کی درخواست کا جواب ہے، تو چاہئے کہ ہر رکعت میں پورا کا پورا قرآنِ پاک پڑھا جایا کرے کیونکہ ''ہدایت'' پورے قرآن کا وصف ہے۔ چند آیتوں کا وصف نہیں ہے۔ نیز حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھنا منقول بھی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ الأذکار میں لکھتے ہیں کہ

''ایسے حضرات جنہوں نے پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کیا ہے، بے شمار ہیں، جن میں حضرت عثمان غنی، تمیم داری رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ بھی ہیں۔'' (اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ۔ از مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۶۔ طبع قدیم)

''البتہ اس تقریر کے موافق یہ مناسب تھا کہ سارا قرآن، بعد فاتحہ، ہر رکعت میں پڑھا جایا کرتا کیونکہ مجموعۂ کتاب کی نسبت یہ ارشاد ہے ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض اوقات ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھ لیا۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ مگر آسانی کے لئے تھوڑا پڑھ لینا بھی جائز رکھا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا
مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.'' (سورۃ المزمل، آیت ۲۰)

ترجمہ: ''اللہ پاک نے جانا کہ تم اُس کو پورا نہ کرسکو گے سو تم پر معافی بھیج دی، اب پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے'' (ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ)

اس آیت پاک سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اصل تو سارا قرآن پڑھنا ہے۔ مگر آسانی کے لئے تھوڑا پڑھ لینا بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور جس طرح پانی کے ہر قطرے کو پانی کہہ سکتے ہیں اور مٹی کے ہر ذرّہ کو مٹی کہتے ہیں، اسی طرح قرآنِ پاک کے ہر حصے کو ''قرآن'' کہہ سکتے ہیں۔ اور جو وصفِ ''ہدایت'' پورے قرآنِ پاک کے لئے ثابت ہے اُسے ہر حصہ کے لئے بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قرآنِ پاک کا وہ حصہ جملہ ہو یعنی کسی خبر یا طلب کا حامل ہو۔ کلمہ نہ ہو کہ اس پر ''قرآن'' کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حائضہ معلّمہ کے لئے جائز ہے کہ وہ بچوں کو کلمہ، کلمہ تلقین کرے۔ **في الدر المختار: ويحرم به تلاوة القرآن، و لو دون اية، على المختار، قال الشامي: قوله: و لو دون اية اى: من المركبات، لاالمفردات، لأنه جُوز للحائض المعلّمة تعليمه كلمةً كلمةً** (شامی ص۱۵۹، ۱۷۰، ج۱)

''مگر جیسے پانی کے ہر قطرہ کو پانی، اور خاک کے ہر ذرّہ کو خاک کہتے ہیں، ایسے ہی قرآن کے ہر ٹکڑے کو...... بشرطے کہ کتاب ہونا یعنی حاملِ خبر یا طلب ہونا اس میں پایا جاتا ہو۔ کتاب کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے بغرضِ تخفیف تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا۔ چنانچہ ''عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ'' بھی اس پر شاہد ہے کہ اصل یہی تھا کہ سب پڑھا جایا کرتا۔ پر تخفیف کے باعث کمی کی اجازت ہوگئی۔

حاصلِ بحث

خلاصۂ کلام یہ کہ نماز کی اصل حقیقت دعا ہے، اور قیام، رکوع اور سجدے دعا کے قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ اُس کے ساتھ ملحق ہیں۔ ''بالجملہ...... باعتبارِ حقیقت...... نہ وہ (قیام) از قبیلِ استدعا (درخواست، دُعا) نہ یہ (رکوع، سجدے) از قسمِ دُعا۔ مگر چونکہ بلحاظِ عظمت وشانِ مسئول ﴿مسئول عنہ یعنی اللہ پاک جل شانہٗ﴾ عنہ سوال کے لئے یہ دونوں ضروری ہیں، تو جیسے سامانِ محنت، وجہ ملحق بالطعام ہو جاتے ہیں، چنانچہ پہلے عرض کر چکا ہوں، ایسے ہی...... یہ بھی ملحق بالسوال ہیں''۔

رکوع اور سجدے قراءت ہی کی غرض سے مشروع ہوئے ہیں......اہم تقریر

پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ نماز کی اصل حقیقت ''ہدایت کا سوال اور اس کا جواب'' ہے۔اور دیگر ارکانِ رکوع، سجود اور قیام اس کے ساتھ ملحق ہیں۔قیام کا ملحق ہونا تو واضح ہے۔ کیونکہ وہ سوالِ حالی ہے، مگر رکوع وسجود کا ملحق ہونا خوب واضح نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ توجیہ سے ان کا آداب و نیاز ہونا، یعنی سوال و جواب پر متفرع ہونا ثابت ہوتا ہے۔اُن کا خود سؤال ہونا......خواہ کسی قسم کا ہو......ثابت نہیں ہوتا۔

اس لئے اب ایک اور توجیہ پیش کی جاتی ہے، جس سے اِن تینوں ارکان کا سوال وجواب کے ساتھ ملحق ہونا بخوبی معلوم ہوجائے گا۔

غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رکوع بھی سوالِ حالی ہے۔ کیونکہ وہ اس حالت پر دلالت کرتا ہے جو بندۂ سراپا اطاعت کی سوال کے وقت ہوتی ہے۔یعنی اوّل سائل کا مسؤل عنہ کی طرف میلان ضروری ہے۔اُس میلان ہی پر سوال متفرع ہوتا ہے اور رکوع کی دلالت میلان پر واضح ہے۔ کیونکہ اُدھر کو جُھکنا خود میلان کی دلیل ہے اور پھر سر اُٹھا کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنا (جس کا حاصل یہ ہے کہ جو اللہ پاک کی تعریف کرتا ہے، اللہ پاک اُس کی سنتا ہے) بغیر اس کے موزوں نہیں ہوسکتا ہے۔کہ رکوع کو سوالِ حالی کہیں......اور سوال توجہ محبوب کے انتظار کا مقتضی ہے۔

پھر جب یہ انتظار پورا ہو جاتا ہے، اور کامِ دل حاصل ہوتا ہے تو سجدہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ سجدہ اس حالت پر دلالت کرتا ہے جو بندے کی مژدۂ کامیابی سننے کے وقت ہوتی ہے۔خاص کر اس صورت میں جبکہ وہ رضائے محبوب کا خواہش مند ہو، اُس وقت تو تن برضائے دوست کر دینا یعنی پوری طرح فرماں بردار ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔اور اس کے لئے سجدہ سے بہتر کوئی دلالت نہیں ہوسکتی۔

اور غور سے دیکھئے، تو رکوع و سجود اُن دو حالتوں پر دلالت کرتے ہیں، جو بندۂ سراپا اطاعت کو وقتِ سوال و استماع ﴿استماع: سننا، مژدہ، خوش خبری اور انجاح: کامیابی ۱۲۔﴾ مژدۂ انجاح ہونی چاہئیں۔ یعنی سائل کو اوّل تو مسؤل عنہ کی طرف میلان ضرور ہے، اُس میلان ہی پر سوال متفرع ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر اور بعد استماع مژدۂ جاں بخش......خاص اُس صورت میں جس میں مطلوبِ دلی، رضائے محبوب ہو۔

انقیاد ﴿انقیاد: تابعداری۔ امتثال: فرماں برداری ۱۲﴾ و امتثال لازم ہے۔ اوّل پر تو رکوع دال ہے۔ چنانچہ اُدھر کو جھکنا اور پھر بعد رکوع سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہنا اُس پر شاہد ہے۔ جھکنا تو خود اس عالم شہادت میں تعبیر میلان ہے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہنا بے اس کے موزوں نہیں ہوسکتا کہ رکوع کو سوالِ حالی کہئے۔ اور انتظارِ توجہ محبوب کو......جس کو استماع سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اس کے مقتضیات میں سے قرار دیجئے۔ اور ثانی پر سجود دلالت کرتا ہے کیونکہ مُنقاد (تابع دار) کا زیرِ حکم مُنقادلہ ﴿مُنقادلہ: وہ ذات جس کی تابع داری کی جائے۔ ۱۲﴾ ہونا۔

اُس کے تَسَفُّل (کم رُتبہ ہونا) اور اِس کے تَرَفُّعْ (بلند رتبہ ہونا)، اُس کے تَذَلُّلْ (ذلیل ہونا)، اس کے تَعَزُّزْ (معزز ہونا) پر دلالت کرتا ہے۔

رکوع ایک اور سجدے متعدد کیوں؟

اس لئے کہ میلان میں وحدت ہے، وہ فی نفسہ ایک چیز ہے، اس لئے اس پر دلالت کرنے والے رُکن ......رکوع ......میں وحدت ملحوظ رہی۔ اور امتثال (فرماں برداری) کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ جیسا حکم ہوگا، ویسا ہی امتثال ہوگا۔ اس لئے اس پر دلالت کرنے والے رکن......سجدے......میں تعدد مطلوب ہوا۔

''مگر چونکہ میلان فی حدِ ذاتہ ایک اَمرِ واحد ہے۔ اور امتثال کی متعدد صورتیں (ہیں کہ) جیسا حکم ہوگا، ویسا ہی اس کا امتثال ہوگا، اس لئے رکوع میں وحدت اور سجود میں تعدد مطلوب ہوا۔''

سجدے دو(۲) ہی کیوں؟

اس لئے کہ عبادت ، اطاعت و فرماں برداری کا نام ہے۔ اور اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ضروری ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے، اس سے یا تو نفع کی اُمید ہو، یا نقصان کا اندیشہ﴿نوکروں کی اطاعت ''اُمید'' پر ہوتی ہے اور محکوموں اور مظلوموں کی فرماں برداری ''اندیشہ'' پر اور محبوب کی رضا جوئی میں اگرچہ نوکروں، محکوموں اور مظلوموں جیسا اندیشہ نہیں ہوتا۔ مگر ہوتا ضرور ہے۔ کیونکہ ''اُمید'' نام ہے ''محبوب چیز کے حاصل ہونے کی آرزو'' کا، اور ''اندیشہ'' نام ہے 'محبوب چیز کے زوال کے خوف'' کا۔ پس عاشقوں کی فرماں برداری میں بھی نفع کی اُمید اور نقصان کا اندیشہ بدرجۂ اولیٰ پایا جاتا ہے۔ (قبلہ نُما ص:۴۱،۴۳، مطبوعہ قرآنِ عظیم اکیڈمی)﴾ یعنی عبادت کی علّت اللہ پاک کی صفتِ مالکیت ہے۔

﴿عبادت کی دوسری علت اللہ پاک کی صفتِ محبوبیت ہے اس کا تذکرہ آگے پر آرہا ہے۔۱۲﴾

اللہ پاک کا اِرشاد ہے کہ:

''قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا'' (المائدہ: آیت ۷۶)

ترجمہ: ''(اُن سے) پوچھو، کیا تم اللہ پاک سے نیچے ایسی چیزوں کو پوجتے ہو، جو تمہارے لئے نہ تو ضرر کا اختیار رکھتی ہیں، نہ نفع کا؟۔''

اس قسم کی متعدد آیات و احادیث ہیں، جن سے صفتِ مالکیت اور عبادت کا باہمی تعلق واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ آیتِ پاک کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے خود تراشیدہ معبودوں میں صفتِ مالکیت نہیں ہے، جس کی وجہ سے عبادت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے، پھر تم اُن کی عبادت کیوں کرتے ہو؟......اور نفع و ضرر صفتِ مالکیت کی نیرنگیاں ہیں۔ یعنی اسم نافع اور ضآر کے شیون (کارنامے) ہیں۔ پس ایک عبادت اور فروتنی تو اسم نافع، یعنی اللہ پاک کی نفع رسانی اور احسان کے مقابلہ میں ہونی چاہیئے۔ اور ایک عجز و نیاز اسم ضآر یعنی اس بے نیاز مطلق کی صفتِ قہاریت و جباریت کے مقابلہ میں ہونی چاہیئے اور سجدہ ہی غایتِ تذلّل اور انتہائی فروتنی ہے۔ اس لئے وہ دو (۲) مقرر

ہوئے، تا کہ وہ فرماں برداری کی دُوئی پر دلالت کریں۔

''یا یوں کہئے کہ اصل انقیاد، شوق ہے یا خوف ہے، اور باعثِ شوق اگر اسمِ نافع ہے تو موجبِ خوف اسمِ ضار(ہے) اس لئے دو(۲) سجدے مقرر ہوئے تا کہ اثنیئیۃ ﴿ثنیئیۃ: دوئی، انواع: اقسام اور امتثال: فرماں برداری﴾ انواعِ امتثال پر دلالت کرے۔

خلاصۂ بحث

بہر حال الحمد شریف پڑھنا اور اس کے بعد قرآنِ پاک میں سے کچھ پڑھنا سوالِ قالی ہے۔ اور رکوع، سجدے سوالِ حالی ہیں۔ جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جس حکم نامۂ خداوندی کی قراءت وسماعت کی گئی ہے۔ اس کے امتثال کے لئے ہم ہر طرح تیار ہیں۔ اور ہمارا سَرِ تسلیم خَم ہے......ہم منافق نہیں ہیں، ہماری قراءت وسماعت افسانہ خوانی یا قراءت کتبِ زبان دانی نہیں ہے۔ بلکہ ہم ہر طرح مطیع وفرماں بردار ہیں۔'' بہر حال سوال قالی کے ساتھ سوالِ حالی بھی جمع کیا گیا، تا کہ وہم نفاق پاس نہ آنے پاوے۔''

شبہ

شاید یہاں یہ خیال گزرے کہ جب قیام، رکوع اور سجدے سوالِ حالی ہیں۔ اور قراءت سوالِ قالی ہے، تو قاعدے سے سوالِ حالی مقدم ہونا چاہئے۔ اور سوالِ قالی اس کے بعد ہونا چاہئے۔ مثلاً سائل ہمارے پاس آتا ہے۔ اس کا یہ آنا ہماری طرف اس کے میلان کی دلیل ہے۔ پھر وہ مسکین صورت بن کر کھڑا ہو جاتا ہے، پھر اپنی حاجت عرض کرتا ہے۔ پس قیام تو خیر۔ سوالِ قالی کے ساتھ ہی ساتھ ہے۔ مگر رکوع، سجدے، سوال قالی سے مؤخر کیوں رکھے گئے ہیں؟

جواب

بات تو آپ کی ٹھیک ہے، مگر سائل جب بولے گا تب ہی تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اس کا یہ آنا اور مسکین صورت بن کر کھڑا ہونا سوالِ حالی ہے؟ اگر وہ اپنے منہ سے بولے نہ

تو ہمیں اس کی حالت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟...... یعنی سوالِ حالی گو پائے جانے میں سوال قالی سے مقدم ہے۔ مگر اس کا ظہور سوالِ قالی کے بعد ہی ہوتا ہے، بلکہ اس کا پتہ سوالِ قالی سے چلتا ہے۔ اس لئے سوالِ حالی، سوالِ قالی کا محتاج ہوا۔ اس لئے رکوع وسجود کو سوالِ قالی (قراءت) کے بعد رکھا گیا۔ اور اب بحمد اللہ یہ بات اچھی طرح روشن ہوگئی کہ نماز کے تمام ارکان استدعاء واستماع (قراءت) ہی کی غرض سے ہیں۔

"مگر چونکہ سوالِ حالی، گو باعتبار تحقُّق ﴿تحقق: پایا جانا﴾ سوالِ قالی سے مقدم ہو، لیکن ظہور میں اس سے مُتاخر، بلکہ اس کا محتاج تھا۔ اس لئے وہ افعال جو بالطبع مُظہر احوالِ مشارٌ الیہ ہوں، وضع میں سوالِ قالی سے مؤخر ہے...... مگر اس صورت میں نماز کے تمام ارکان کا استدعا ﴿استدعا: دعا، درخواست﴾ واستماع کے لئے موضوع ہونا زیادہ تر روشن ہوگیا۔

فائدہ (۱) قیام کی درازی رکوع، سجدوں کی زیادتی سے افضل ہے۔

اس بحث سے طولِ قیام کی افضلیت موجّہ (مدلّل) ہوگئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "اَیُّ الصَّلٰوۃِ اَفْضَلُ؟ (کون سی نماز افضل ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "طُوْلُ الْقُنُوْتِ! (وہ نماز جس میں قیام طویل ہو)۔ (رواہ الترمذی ص ۵۱، ج ۱، فی باب ماجاء فی طول القیام فی الصلوٰۃ ۱۲)

اس حدیث میں قنوت کا جو لفظ آیا ہے، اس سے مراد نماز کا قیام ہے۔ عبد اللہ بن حُبْشی خَثْعمیُ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں جو روایت مروی ہے۔ اس میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (بذل المجہود، ص ۲۸۵، ج ۲)

ان حدیثوں سے نماز کے تمام افعال میں طولِ قیام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

لیکن سجود کی فضیلت میں بھی حدیث وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرماتے ہیں کہ:

"اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَ ھُوَ سَاجِدٌ فَاَکْثِرُوا الدُّعَآءَ" (مسلم: ج ۱)

ترجمہ: "بندے کو سجدہ کی حالت میں قرب خداوندی زیادہ حاصل ہوتا

ہے۔ پس سجدے میں خوب دعائیں کرو۔"

ان مختلف روایتوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں علماء کی تین رائیں ہوگئی ہیں:

(۱) کچھ حضرات کے نزدیک سجدے کی درازی، اور رکوع وسجود کی زیادتی افضل ہے۔ یعنی مختصر قیام کر کے بہت رکعتیں پڑھے، تاکہ رکوع اور سجدے زیادہ ہوں۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیام کی دَرازی افضل ہے۔ یعنی طویل قراءت کرنا افضل ہے۔ (۳) دونوں فضیلت میں مساوی ہیں۔

محدثینِ احناف کی رائے وہی ہے، جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ بھی اسی رائے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ کیونکہ جب نماز کی اصل حقیقت قراءتِ قرآن ہے تو جس قدر اس کی زیادتی مطلوب ہو وہ قرینِ قیاس ہے۔ اور قراءت کا محل، قیام ہی ہے۔ اس لئے طولِ قیام کی افضلیت بھی روشن ہوگئی۔

"اور یہ بھی روشن ہوگیا کہ افضلیتِ طولِ قنوت غلط نہیں ہے۔"

فائدہ: (۲) ایمان تمام اعمال سے افضل ہے

اور ایمان، تمام اعمال سے افضل ہے۔ کیونکہ ایمان عام، مطلق اور کامل انقیاد کا نام ہے کیونکہ اس میں تمام تعلیماتِ اسلامی کی بجا آوری کی نیت ہوتی ہے، اور دیگر اعمال میں خاص انقیاد ہوتا ہے۔ یعنی خصوصیت سے انہی اعمال کی بجا آوری کی نیت ہوتی ہے۔ اور عام نیت کا خاص خاص نیتوں سے افضل ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اور یہ بھی روشن ہوگیا کہ جیسے ﴿لفظ "جیسے" کا تعلق فائدہ نمبر ۳ میں آنے والے لفظ "ایسے" سے ہے۔ ۱۲﴾ ایمان...... بایں وجہ کہ وہ نیت ایک عام، اور عزم انقیادِ مطلق ہے۔ تمام اعمال سے افضل ہے؟ حالانکہ ہر عمل میں نیتِ خاص کا ہونا ضرور ہے۔

فائدہ: (۳) نماز تمام عبادتوں سے افضل ہے

اور سابق بحث سے یہ بھی روشن ہوگیا کہ نماز تمام عبادتوں سے افضل ہے۔

کیونکہ نماز میں عمومی ہدایت کی درخواست ہوتی ہے اور کلی فرماں برداری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور دوسری عبادتوں میں یہ شان نہیں پائی جاتی۔

''ایسے ﴿لفظ ''ایسے'' کا تعلق فائدہ نمبر۲ میں گذرے ہوئے لفظ ''جیسے'' سے ہے۔۱۲﴾ ہی صلوٰۃ...... بایں وجہ کہ اُس میں استدعائے ہدایتِ مطلقہ اور اظہارِ امتثالِ مطلق ہوتا ہے۔ جملہ عبادات سے افضل ہے''۔

نماز کی افضلیت معلوم کرنے کے لئے دوسری عبادتوں سے اس کا تقابلی مطالعہ

نماز، روزے اور زکوٰۃ

زکوٰۃ، روزے اور نماز میں پہلا بنیادی فرق تو یہ ہے کہ نماز میں کلی فرمانبرداری ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ، روزے میں خاص فرماں برداری ہوتی ہے۔

یعنی زکوٰۃ میں صرف اموال کے سلسلے میں فرمانِ خداوندی کی تعمیل ہوتی ہے۔ اور روزے میں صرف تَنَزُّہ یعنی ترکِ دنیا کے سلسلہ میں امتثال ہوتا ہے۔ اور کلی امتثال کا مرتبہ خصوصی اور جزئی امتثال سے بہرحال اُونچا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ نماز اپنی اصل اور ذات میں عبادت ہے۔ اور زکوٰۃ، روزے اپنی اصل اور ذات میں عبادت نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لغیرہ یعنی امتثالِ اَمر کی وجہ سے عبادت بنے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بندے نے ایمان اور نماز سے ثابت کر دیا کہ وہ سراپا اطاعت ہے، تو اَب وہ بارگاہِ احکم الحاکمین کا ایک ملازم سمجھا جائے گا۔ اور مال جو درحقیقت اللہ پاک کی مِلک ہے اس میں سے کچھ اللہ پاک نے اپنے اس بندے کے قبضہ اور تصرف میں دیا ہے، اگر اس کو مالک نہیں بنا دیا، بلکہ خازن اور امین بنایا ہے۔ اس لئے وہ اس کو خرچ کرنے میں اللہ پاک کے فرمان کے تابع ہے،

جو کچھ خرچ کرے گا۔ اللہ پاک کا مال سمجھ کر۔ حسبِ اجازت خداوندی خرچ کرے گا۔ خود کھائے گا یا صرف میں لائے گا۔ تو بھی اللہ پاک کی اجازت سے کھائے گا اور صرف میں لائے گا۔ اور کسی دوسرے کو دے دلائے گا تو بھی حسب اجازت خداوندی دے دلائے گا۔ اور جس طرح اللہ پاک کے لطف وکرم سے یہ بعید ہے کہ یہ خازن و امین محتاج ہو اور وہ مال دوسروں کو دِلوا دیں اسی طرح یہ بھی مستبعد ہے کہ اس کی تحویل میں ایک بڑا خزانہ ہو اور پھر اللہ پاک محتاجوں کو ترسائیں اور نہ دِلوائیں۔ بلکہ قرینِ حکمت یہ ہے کہ تھوڑے اموال میں سے تو کسی اور کو نہ دِلوائیں۔ مگر جب زیادہ ہو جائے تو اَوروں کا حصہ بھی تجویز کریں۔ اور بندہ جو دوسروں کا حصہ نکال کر اُن کو دے گا تو یہ بطور نیابتِ خداوندی ہوگا۔ جیسے کہ خادم اگر آقا کی اجازت کے مطابق، آقا کے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے۔ تو وہ آقا ہی کا دیا ہوا سمجھا جاتا ہے۔ اور خادم داد و دہش میں محض نائب ہوتا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ" (الحدید:۷)

ترجمہ: "تم لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ، اور (ایمان لاکر) جس مال میں تم کو اُس نے قائم مقام کیا ہے، اُس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو۔" (ترجمہ تھانوی رحمہ اللہ)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ نماز تو بجمیع الوجوہ (ہر طرح سے) عبادت ہے لیکن زکوۃ حقیقت میں تو نیابتِ خداوندی ہے۔ مگر فرمانبرداری کی وجہ سے عبادت بن گئی ہے کیونکہ اگر داد و دہش (جو زکوۃ کی حقیقت ہے) فی نفسہٖ عبادت ہوتی تو لازم آتا کہ اللہ پاک سب سے بڑے عابد (عبادت گذار) ہوں۔ کیونکہ اُن سے بڑھ کر داد و دہش کرنے والا اور کون ہے؟ اسی طرح روزے بھی حقیقت میں عبادت نہیں ہیں۔ کیونکہ روزے کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ کھانے، پینے اور مباشرت کرنے سے رُک جائیں؟ اگر صرف اتنی سی بات کا نام عبادت ہے تو اللہ پاک کو...... جو معبود

ہیں...... عابد ماننا پڑے گا کیونکہ وہ بھی نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ عورت سے سروکار رکھتے ہیں۔ بلکہ روزے فرمانبرداری کی وجہ سے عبادت بنے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی دن بھر فاقہ کرے، نہ کھائے نہ پیئے، نہ عورت سے ملے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے فرمانبرداری کی نیت نہیں کی ہے۔

"اور کیوں نہ ہو؟ زکوٰۃ وصوم تو...... قطع نظر اس سے کہ ایک امتثالِ خاص ہیں۔ اصل میں عبادت ہی نہیں، بوجہ ﴿یعنی زکوٰۃ امتثالِ اَمر ہونے کی وجہ سے عبادت کے ساتھ ملحق ہے اس لئے عبادت بن گئی ہے۔۱۲﴾ التحاق، امتثالِ اَمر، عبادت بن جاتے ہیں، ورنہ لازم آئے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ عابد ہو) کیونکہ زکوٰۃ میں اصل مقصود داد و دہش ہوتی ہے، اور صوم میں اصل مقصود تَنَزُّہ (تَنَزُّہ : بچنا)۔ سو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ ہے۔

نماز اور حج

پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ عبادت واطاعت کا مدار یا تو اللہ پاک کی صفتِ مالکیت پر ہے، یا صفتِ محبوبیت یعنی صفتِ جمال پر۔ صفتِ مالکیت پر مدار ہونے کی تفصیل پہلے پر گذر چکی ہے۔ اب دوسری علت کی تفصیل سننی چاہئے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: " وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ O اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ "

"بہت سے چہرے اس روز بارونق ہونگے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے"

یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات واحادیث اللہ پاک کی صفتِ جمال کے علت ہونے کو اور عبادت کے معلول ہونے کو واضح کرتی ہیں۔ ورنہ یہ وعدۂ محبوب آخر کس خدمت کا صلہ اور انعام ہے؟ یہ وعدہ بندوں کی عبادت گذاری ہی پر تو ہے؟ ـــ اور وعدہ کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ دیدارِ خداوندی بندوں کا محبوب و مطلوب ہے، اور یہ بات اُسی صورت میں موزوں ہوسکتی ہے، جبکہ عبادت کا محرک شوقِ دیدار ہو، ورنہ اس سے زیادہ بے ہودہ بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ گدھوں کے

سامنے زعفران ڈال کران کا دل موہنے کی کوشش کی جائے؟ اور اللہ پاک کی محبوبیت اور اُن کی خوبیاں (جن کو جمال سے تعبیر کرتے ہیں) دو باتیں چاہتی ہیں (الف) بندے کی اللہ پاک کے سوا اور چیزوں سے بے غرضی کیونکہ جب عشقِ مجازی کے غلبہ کے وقت کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی، تو محبوبِ حقیقی کی محبت میں یہ بات کیوں نہ ہوگی؟

اور (ب) بے غرضی کے بعد اپنے محبوب یعنی اللہ پاک کے شوق میں محو ہو جانا، پھر وقت کے تقاضے کے مطابق کبھی تو وجد میں رہنا، صحرا نوردی اختیار کرنا، ناصح سے بیزاری ظاہر کرنا، اور کبھی اخلاص سے جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار ہو جانا۔

سو روزے پہلی شان کا مظہر ہیں کہ معیتِ الٰہی کے غلبہ میں نہ کھانے سے مطلب رہا، نہ پینے کی حاجت، نہ مرد کو عورت سے غرض، نہ عورت کو مرد کا خیال اور جب انہی باتوں سے دست برداری ہے تو اور کیا رہ گیا؟

اور حج دوسرے حال کا مظہر ہے، کہ شوق کے تقاضے سے اُس طرف کی راہ لیتے ہیں۔ جہاں تجلی ربانی ﴿اس کی تفصیل حجۃ الاسلام ص ۸۸ و ص ۹۰ (مطبوعہ معارف القرآن) میں دیکھنی چاہئے۔۱۲﴾ ہے۔ اور جہاد آخری بات کا مظہر اتم ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ارکانِ اربعہ میں سے نماز اور زکوٰۃ اللہ پاک کی صفتِ مالکیت کے تقاضے سے مشروع ہوئے ہیں۔ اور روزہ اور حج اللہ پاک کی صفتِ محبوبیت کے مقتضیات سے ہیں۔ پھر نماز اصل وضع ہی میں عبادت ہے۔ اور زکوٰۃ بواسطہ فرماں برداری عبادت بنی ہے۔ الغرض نماز اور زکوٰۃ میں باہم ربط ہے۔ اور روزے اور حج میں باہم ارتباط ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں اصل عبادت...... یعنی نماز...... مقدم ہے اور زکوٰۃ...... جو بوجہ فرماں برداری عبادت بنی ہے...... اس کے تابع اور اس کے بعد ہے۔ اور یہاں رمضان کے روزے جو حقیقت میں عبادت نہیں ہیں۔ مقدم ہیں اور حج جو بجمیع الوجوہ عبادت ہے۔ اس سے مؤخر ہے یعنی رمضان گزرتے ہی شوال

سے حج کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں اطاعتِ مطلقہ اور انقیادِ کامل کے بعد منصب نیابت وخدمت گذاری میسر آتا ہے اور یہاں عشق کی اوّل منزل ہی یہ ہے کہ غیرِ خدا پر خاک ڈالئے!

اس ضروری تفصیل کے بعد اب اصل مسئلہ سمجھنا چاہئے کہ نماز اور حج میں دو وجہ سے تفاوت ہے۔ (ا) اوّل یہ کہ نماز میں تو اطاعتِ کاملہ ہے۔ لیکن حج میں عبودیتِ کاملہ اور امتثالِ تام نہیں ہے۔ کیونکہ حج اگر چہ بجمیع الوجوہ عبادت ہے، اور محبت کے توسط سے انقیاد پر دلالت کرتا ہے، اور محبت سببِ اطاعت بھی ہے۔ مگر کبھی کبھی تنگ دلی یا غیرت کی وجہ سے عاشق بظاہر رُوٹھ بھی جاتا ہے۔

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ نماز میں اصل انقیاد ہے، اور حج میں بالواسطہ انقیاد ہے۔ اور اصل انقیاد اور بالواسطہ انقیاد میں فرق ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے...نماز میں اصل انقیاد اس لئے ہے کہ وہ صفتِ مالکیت کے تقاضے سے ہے۔ اور حج میں بندے اور اللہ پاک کی صفتِ محبوبیت کے درمیان محبتِ عباد کا واسطہ ہے۔

''رہا حج، اُس کے ارکان، اگر چہ...... مثل ارکانِ صلوٰۃ...... باعتبار اصل طبیعت ...... بتوسط محبت...... انقیاد پر دلالت کرتے ہیں، مگر چونکہ اس کے افعال اصل میں مظہر شیونِ محبت ہیں، تو وہ عموم اور اطلاق عبودیت کہاں، جس پر صلوٰۃ دلالت کرتی ہے؟ محبت ہر چند سامانِ اطاعت ہے۔ مگر اُس کے بعض آثار، مثل تنگ دِلی وغیرت وغیرہ، بسا اوقات، بظاہر مُوْہِمُ عدمِ انقیاد ہو جاتے ہیں۔ علاوہ بریں اصل انقیاد اور واسطۂ انقیاد میں بہت فرق ہے۔ حج میں واسطۂ انقیاد ہے اور نماز میں اصل انقیاد۔

نماز اور جہاد

پہلے جہاد کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔ جب بندہ مملوک اور محکوم ٹھہرا، اور محبّ و مخلص بنا، تو اَب اس پر دو باتیں خود بخود لازم ہو جائیں گی۔ ایک اللہ پاک کے دوستوں کی جان ومال سے مدد کرنا۔ اور دوسرے اللہ پاک کے دشمنوں کی تاک میں

رہنا۔ اوّل کا نام حُبّ فی اللہ ہے۔ اور دوسری کا نام بُغض فی اللہ اور سخاوت، مروّت، ایثار، حُسنِ اخلاق، حیا، صلہ رحمی، عیب پوشی، نصیحت، خیر خواہیِ اہلِ اسلام وغیرہ اعمال اوّل سے متعلق ہیں۔ اور جہاد، جزیہ اور غنیمت وغیرہ اعمال دوسرے سے متعلق ہیں۔ ۔۔ پس یہ سب اعمال بھی اصل انقیاد نہیں ہیں۔ بلکہ بالواسطہ انقیاد ہیں۔ اس لئے وہ بھی نماز کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں ہو سکتے۔

''علیٰ ہذا القیاس جہاد وغیرہ طاعات کو خیال فرمالیجئے۔''

اصل مسئلہ

اب ضمنی باتوں سے فارغ ہو کر اصل مسئلہ کو لیتے ہیں کہ نماز کے نماز ہونے کے لئے جو چیز ضروری ہے، اس میں جب امام اصل اور موصوف بالذات ٹھہرا۔ اور مقتدی اس کے تابع اور موصوف بالعرض ہوئے، تو فاتحہ اور سورت امام ہی کے ذمہ رہیں گے۔ اسی وجہ سے ارشاد خداوندی ہوا کہ:

"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" (سورۃ الاعراف، آیت ۲۰۴)

ترجمہ: ''اور جب قرآنِ پاک پڑھا جایا کرے۔ تو تم سب اس کی طرف کان لگایا کرو، اور خاموش رہا کرو''۔

ہاں اگر امام اصل اور مقتدی تابع نہ ہوتے، تو پھر ایک دوسرے کی قراءت کے ضامن بھی نہ ہوتے، جیسے دو (۲) منفرد، گو قریب ہی قریب نماز پڑھتے ہوں، مگر ایک دوسرے کی قراءت کے ضامن نہیں ہوتے،

''لیکن درصورتیکہ دربارۂ اعتبارِ صلوٰۃ جو اصل مقصود من الصلوٰۃ ہے، چنانچہ اختصاص و اشتہار بنام صلوٰۃ بھی اُس پر شاہد ﴿اس دلیل کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔۱۲﴾ ہے۔

امام اصل ٹھہرا، اور مقتدی اس کے تابع اور اُس سے مستفید، تو بحکم انصاف بالذات، ضروریاتِ اعتبارِ صلوٰۃ، یعنی فاتحہ۔ جو ایک عرضی بندگانِ سراپا اخلاص، اور استدعائے مطیعانِ باوفا ہے) اور سورۃ ﴿وغیرہ سے تعوذ و تسمیہ مراد ہیں کہ وہ بھی امام ہی کے

ذمہ ہیں۔۱۲﴾ وغیرہ جو حکم نامۂ احکم الحاکمین ہے۔ امام ہی کی جانب رہا۔
یہی وجہ ہے جو یہ ارشاد ''وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا'' ہاں اگر یہ اصلیت و تبعیت نہ ہوتی، تو جیسے دو(۲) منفرد... اگرچہ قریب ہی قریب کیوں نہ ہوں۔ در بارۂ قراءت، ایک دوسرے کا کفیل نہیں ہوتا، تو یہاں بھی ایک کو دوسرے کا ضامن نہ کہتے۔

شبہ

اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ امام کے ذمہ قراءت اس اصلیت و تبعیت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یوں ہی اتفاقاً، قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند، کے قبیل سے ہے، جیسے شرکاء درس میں سے کوئی ایک عبارت پڑھتا ہے۔

جواب

اگر ایسا ہی ہے تو پھر قراءت ہمیشہ امام ہی کے ذمہ کیوں ہے؟ جب اس کی طبیعت ناساز ہو یا کوئی اور عذر ہو، تو دوسرے کے ذمہ کیوں نہیں ہو جاتی؟ کوئی مقتدی پڑھے اور امام اور دوسرے مقتدی خاموش سنیں ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ امام ہی کی قراءت سب کے نزدیک ضروری کیوں ہے؟'' اور یہ بھی نہیں تو کبھی اُلٹا تو ہوتا؟ مگر اس کو کیا کیجئے کہ امام کی قراءت تو سب کے نزدیک ضروری ٹھہری؟''

اب بات واضح ہے

اب بات واضح ہے اور صورت صرف ایک ہی ہے کہ امام پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔ تبھی قرآنِ پاک کی آیت پر عمل ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں تدبیر استماع و انصات بجز اس کے اور کیا ہے کہ مقتدی خاموش رہیں؟

سرّی نماز کا حکم

اور جب پڑھنے، سننے اور خاموش رہنے کی بنیاد امام کی اصلیت اور مقتدی کی تبعیت ہے، تو نماز چاہے جہری ہو یا سرّی دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔

چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ"

"اگر کوئی مقتدی بن کر نماز پڑھے، تو اِمام کی قراءت اس کے لئے (بھی) قراءت ہے۔" (اس حدیث کی تخریج کے لئے نصب الرایہ۔ ج۲ ملاحظہ فرمائیں۔۱۲)

یہ حدیث اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے سرّی اور جہری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ کیونکہ حدیث میں حکم کا مدار "مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ" پر رکھا گیا ہے، اور امام جس طرح جہری نماز میں ہوتا ہے سرّی نماز میں بھی ہوتا ہے۔ "مگر چونکہ اصل وجہ اس قراءت اور استماع وانصات کی وہی اصلیت امام وتبعیتِ مقتدی ہے، تو صلوٰۃِ سرّی بھی اس قصہ میں ہم سنگ ﴿ہم سنگ۔ برابر، مساوی ۱۲﴾ صلوٰۃ جہری نظر آتی ہے۔ اسی بناء پر یہ ارشاد ہوا: "مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ" او کما قال۔"

قعدہ کی دعائیں صرف امام کیوں نہیں پڑھ لیتا؟

جس طرح سورۂ فاتحہ...... جو دُعا ہے......صرف اِمام پڑھ لیتا ہے۔ اُسی طرح قعدہ کی دُعائیں صرف امام کیوں نہیں پڑھ لیتا؟

پہلی حکمت

چونکہ یہ دعائیں نماز کا موضوع لہٗ نہیں ہیں۔ یعنی نماز کے نماز بننے میں ان کو دخل نہیں ہے۔ اس لئے یہ صرف امام کے ذمہ نہیں ہیں۔ نہایہ شرح ہدایہ میں ایضاح سے نقل کیا گیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے، رکن نہیں ہے۔

اور رکن اور فرض میں فرق یہ بتلایا ہے کہ کسی شئے کا رُکن وہ چیز ہے جس کے ذریعے اس کی حقیقت سمجھائی جائے اور فرض وہ ہے جس کا صرف ہونا ضروری ہو اس کے ذریعہ اس چیز کی حقیقت نہ سمجھائی جاتی ہو۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

"وتفسير الصلوٰة لا يقع بالقعدة و انما يقع بالقيام والقراءة

والرکوع والسجود" (ہدایہ ص۹۳، ج۱، باب صفۃ الصلوٰۃ)

"نماز کی حقیقت قعدہ کے ذریعہ نہیں سمجھائی جاتی، بلکہ صرف قیام، قراءت، رکوع اور سجدوں کے ذریعہ سمجھائی جاتی ہے۔"

بہرحال نہ تو قعدہ اصلی رکن ہے، نہ اس کی دُعاؤں کو نماز بننے میں دخل ہے۔ بلکہ صرف کرمِ خداوندی کے پیش نظر ان کی مشروعیت ہوئی ہے۔ کہ جس طرح تم نے ہماری مرضی کے مطابق دُعا کی ہے، اپنی مرضی کے موافق سوال بھی کرتے چلو۔

"باقی ادعیہ ﴿یہ عبارت الدلیل المحکم میں نہیں، توثیق الکلام میں زائد ہے۔۱۲﴾ التحیات ﴿التحیات یعنی قعدہ ۱۲﴾ اوّل تو موضوع لہٗ صلوٰۃ نہیں، فقط مقتضائے کرم ہوا ہے، پَر ﴿پَر بمعنی "مگر" ہے۔ اور اس کا تعلق "موضوع لہٗ صلوٰۃ نہیں" سے ہے۔۱۲﴾ یہ بھی اجازت ہوگئی کہ جیسے ہماری مرضی کے موافق دُعا کی ہے، اپنی مرضی کے موافق سوال کرتے چلو۔"

دوسری حکمت

حاجتیں دو طرح کی ہوتی ہیں: خاص اور عام

اوّل میں اختلاف ضروری ہے اور ثانی میں اتحاد ہوتا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں جو ہدایت کی درخواست کی جاتی ہے، وہ بندوں کی عمومی حاجت ہے، اور قعدہ میں جو دُعائیں کی جاتی ہیں، وہ بندوں کی خصوصی حاجتیں ہیں۔ اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ سب بندے اپنی اپنی حاجتیں الگ الگ پیش کریں۔

"دوسرے ﴿یہ عبارت بھی الدلیل المحکم سے زائد ہے۔۱۲﴾ دوسرے حاجاتِ مخصوصہ میں اختلاف ضروری ہے۔ اس لئے سب ہی کو اُن کی اجازت ہوگئی۔"

نمازِ جنازہ کی دُعائیں صرف امام کیوں نہیں پڑھ لیتا؟

جس طرح نماز میں صرف امام سورۂ فاتحہ پڑھ لیتا ہے، اسی طرح نمازِ جنازہ میں وہی تنہا دعائیں کیوں نہیں پڑھ لیتا؟ مقتدیوں کو بھی دعائیں کیوں پڑھنی پڑتی ہیں؟

پہلی حکمت

میت کو کون سی دُعا کی حاجت ہے؟ اس میں جنازہ پڑھنے والوں کے خیالات مختلف ہو سکتے ہیں۔ ہر نمازی اپنے خیال میں میت کی جو حاجت سمجھے گا وہی اس کے لئے مانگے گا۔ مثلاً ایک میت کو بعض نمازی گنہگار سمجھتے ہیں، تو وہ اس کی مغفرت کے لئے دُعا کریں گے دوسرے اسے پرہیزگار جانتے ہیں، وہ اس کے لئے جنت الفردوس (بہشتِ بریں) کی دُعا کریں گے۔ اور جو اسے یکے از مقربینِ بارگاہِ خداوندی تصور کرتے ہیں، وہ اس کے لئے رضائے خداوندی کی دُعا کریں گے۔ اس وجہ سے صرف اِمام کا دُعا کر لینا تجویز نہیں کیا گیا۔ بلکہ سب ہی لوگوں کو میت کے لئے دُعا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ''علیٰ ہذا القیاس ﴿یہ عبارت بھی الدلیل المحکم سے زائد ہے۔﴾ بہ نسبت حاجتِ میت اختلافاتِ خیالات ممکن۔''

دوسری حکمت

شفاعت (سفارش) میں تکثر زیادہ کارگر ہے۔ مثلاً ایک سفارشی تار ایک ہزار آدمیوں کے دستخط سے جائے، اور ایک ہزار سفارشی تار علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو دونوں میں اَثر کے اعتبار سے بڑا فرق ہوگا۔ ایک سفارش نامہ پر ایک ہزار آدمی دستخط کریں اور ایک ہزار سفارش نامے علیحدہ علیحدہ جائیں تو اس میں بڑا فرق ہوگا۔ اس لئے نمازِ جنازہ کی دُعاء جو درحقیقت میت کے لئے سفارش ہے۔ کئی دستخطوں (آمینوں) سے بھیجنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ کئی دُعائیں علیحدہ علیحدہ جائیں۔

''علاوہ ﴿یہ بھی الدلیل المحکم سے زائد ہے۔۱۲﴾ بریں صلوٰۃِ جنازہ اپنے لئے دُعاء نہیں، اَور کے لئے ہے۔ یعنی از قسم شفاعت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثر ﴿تکثر: زیادتی﴾ اور تعدُّد زیادہ کارگر ﴿کارگر: مؤثر انداز۔۱۲﴾ ہے۔
اس لئے دعائے صلوٰۃِ جنازہ میں بھی سب ہی شریک رہے ہیں۔

حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ پر بحث

حضرتِ عبادہ رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں مروی ہیں، ایک بخاری جو مسلم میں ہے، جو بالاتفاق صحیح ہے۔ کہ: ”لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ “

ترجمہ: ”جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز ہی نہیں۔“

یہ حدیث مقتدی پر فاتحہ کے وجوب کو ثابت نہیں کرتی۔ بلکہ صرف فاتحہ کا نماز سے تعلق واضح کرتی ہے، جس کی تفصیل مقدمہ میں عرض کی جاچکی ہے۔

دوسری حدیث حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھائی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قراءت دُشوار ہوگئی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ:

”میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات اِمام کے پیچھے پڑھتے ہیں؟“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جی ہاں! ہم پڑھتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

” فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِهَا “.

ترجمہ: ”تو ایسا نہ کرو، مگر سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے، کیونکہ اُسے پڑھے بغیر نماز ہی نہیں۔“

اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے

یہ حدیث اگرچہ بظاہر مقتدی پر فاتحہ کے وجوب کو ثابت کرتی ہے، مگر خود اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں آٹھ (۸) اور متن میں پندرہ (۱۵) اضطراب ﴿تفصیل کے لئے مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہٗ کی معارف السنن ص۲۰۳، ج۳، ملاحظہ فرمائیں۔۱۲﴾ ہیں۔ پھر اس سے استدلال کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

”رہی حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ جو وجوبِ قراءتِ فاتحہ علی المقتدی پر دلالت کرتی ہے۔ اوّل تو اس کے ثبوت میں کلام۔“

وہ زیادہ سے زیادہ حسن ہے

اور اگر کثرتِ طرق کا لحاظ کرتے ہوئے معتبر بھی مانیں، تو حَسَن سے زیادہ نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

"حدیث عبادة حدیث حسن" (ترمذی ص ۴۱، ج ۱)

ترجمہ: "حضرتِ عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے (صحیح نہیں ہے)۔

"دوسرے اگر ہے بھی تو حَسَنٌ ہے صحیح نہیں ہے!"

حدیثِ عبادہ رضی اللہ عنہ منسوخ ہے

اور اگر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اس دوسری حدیث کو صحیح مان لیں۔ جیسا کہ بعض محدثین کی رائے ہے، تو پھر وہ منسوخ ہوگی۔ اس لئے کہ اس سے جہری قراءت کی حالت میں بھی مقتدیوں پر فاتحہ پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ واقعہ فجر کی نماز کا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اور ٹکراؤ کی گنجائش ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں آیتِ پاک:

"وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا" (الاعراف، آیت نمبر ۲۰۴)

ترجمہ: "اور جب قرآن پاک پڑھا جائے تو تم اُسے سنو اور خاموش رہو۔"

سے تعارض ہو جائے گا۔ اور تعارض کے وقت آیتِ پاک میں کسی قسم کی تاویل کرنے سے جس کا حاصل نسخ ہے، حدیث کو منسوخ ماننا زیادہ بہتر ہے۔

"اور اگر بعض محدثین کی تقلید کیجئے، اور صحیح بھی رکھئے، تو آیت مذکورہ کے معارض نہیں ہو سکتی۔ اُس کی وجہ سے مفہوم آیت میں تاویل کرنی، یا تخصیص کرنی۔ جس کا حاصل نسخ ہے۔ زیبا نہیں (بلکہ) اُسی کو آیت سے منسوخ کہیں تو زیبا ہے۔"

لیکن چونکہ بے دلیل دعوئے نسخ سے مدلل نسخ زیادہ دل نشین ہوتا ہے اس لئے ذیل میں نسخ کی دو تقریریں پیش کی جاتی ہیں۔

نسخ حدیث کی پہلی تقریر

پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جس طرح مختلف اعمال کی تشریع میں تدریج ملحوظ رہی ہے اُسی طرح اکثر احکام کو بھی ان کی موجودہ ہیئت تک تدریجاً پہنچایا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مختلف حقیقتوں والے اعمال مثلاً نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ وغیرہ اعمال کی تشریع یکبارگی نہیں ہوئی، بلکہ ان کی تشریع میں تدریج ملحوظ رہی ہے۔ پہلے نماز اور زکوٰۃ فرض ہوئی، پھر جہاد، پھر روزے اور آخر میں حج فرض ہوا۔ اسی طرح اکثر احکام کی تشریع میں فی نفسہٖ بھی تدریج ملحوظ رہی ہے۔ یعنی اُن میں ہر ہر حکم کو رفتہ رفتہ اور تدریجاً اُن کی موجودہ ہیئت تک پہنچایا گیا ہے۔ مثلاً شراب یکبارگی حرام نہیں کی گئی بلکہ پہلے صرف اس قدر بتلایا گیا کہ اس میں مضرت کا پہلو غالب ہے۔ ﴿دیکھئے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۹﴾

پھر نماز کے اوقات میں اس کے پینے کی ممانعت کی گئی اور دوسرے اوقات میں اجازت باقی رہی۔ ﴿دیکھئے سورۃ النساء۔ آیت نمبر ۴۳﴾ پھر آخر میں اس کو قطعاً حرام کر دیا گیا۔ ﴿دیکھئے سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹﴾

زکوٰۃ کے حدود اور تفصیلی احکام بھی رفتہ رفتہ مقرر ہوئے ہیں اس کا حکم تو ہجرت سے پہلے ہی، مکہ کے زمانہ قیام میں ہو گیا تھا، چنانچہ سورۂ مؤمنون، سورہ نحل اور سورۂ لقمان کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہلِ ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے، حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکی دَور کی ہیں۔ لیکن اس وقت زکوٰۃ کے لئے نہ نصاب کی قید تھی نہ اس کی کوئی خاص شرح مقرر ہوئی تھی۔ اس وقت زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ پاک کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ پھر ہجرت کے بعد زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل ہوئے۔ روزوں کا بھی یہی حال رہا۔ ابوداؤد شریف میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، روزوں میں تین انقلابوں (تغیرات) کا ذکر ہے۔

اسی طرح نماز کو بھی اس کی موجودہ ہیئت تک رفتہ رفتہ پہنچایا گیا ہے۔ ابوداؤد

شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، نماز میں تین تغیرات کا ذکر ہے۔(۱) جماعت کا نظام قائم کیا گیا اور اس کے لئے اذان کی مشروعیت عمل میں آئی۔(۲) مسبوق کی جماعت میں شرکت اور فوت شدہ رکعتوں کے ادا کرنے کا ضابطہ عمل میں آیا۔(۳) قبلہ کا معاملہ طے ہوا۔

اسی طرح پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہوگئی۔ پہلے فرض نماز صرف (۲) رکعت پڑھی جاتی تھی۔ پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں۔

ابتدائی دَور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی پھر جب آیتِ پاک قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ﴿دیکھئے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۸﴾ نازل ہوئی تو اس کی ممانعت کردی گئی۔ پہلے نماز میں متعدد جگہ رفع یدین کیا جاتا تھا پھر کم ہوتے ہوتے صرف ایک جگہ رہ گیا۔ غرض نماز میں متعدد تغیرات عمل میں آئے۔

غور کرنے سے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے نماز کے صرف مادّے یعنی ارکان کی تعلیم دی گئی۔ اس وقت مُنافیِ نماز چیزوں کو بھی مثلاً سلام و کلام کو بھی گوارا کرلیا گیا تھا، پھر آہستہ آہستہ یہ اجنبی چیزیں ختم کردی گئیں۔

اس ضروری تفصیل کے بعد سمجھنا چاہئے کہ نماز کی دو ہیئتیں اور صورتیں ہیں:

(الف) نماز کے طول (درازی) کے اعتبار سے یعنی ایک رکعت کے مجموعۂ ارکان کی موجودہ ہیئت (ب) نماز کے عرض (چوڑائی) کے اعتبار سے یعنی امام اور مقتدیوں کی نماز کی مجموعی ہیئت۔ جس طرح نماز کی پہلی ہیئت میں انقلابات و تغیرات ہوتے رہے ہیں اور اس کو آہستہ آہستہ موجودہ ہیئت تک پہنچایا گیا ہے، اسی طرح اس کی دوسری ہیئت میں بھی تغیرات عمل میں آئے ہیں۔ جس کی تفصیل ذیل میں عرض کی جاتی ہے۔

پہلا دَور

پہلے امام کی طرح مقتدیوں کے ذمہ بھی قراءت یعنی فاتحہ اور سورت دونوں تھیں۔ ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ

"مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ، وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ، وَ تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ، وَلَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِالْحَمْدِ وَ سُوْرَةٍ فِيْ فَرِيْضَةٍ اَوْ غَيْرِهَا. (ص ۳۲، ج ۱، باب ما جاء في تحريم الصلوٰة و تحليلها ورواہ ابن ماجہ وابن ابی شیبہ وابن راہویہ ۱۲)

ترجمہ: "پاکی ہی نماز کی چابی ہے، اور تکبیر ہی اس کا تحریمہ ہے، اور سلام ہی اس سے نکلنے کا طریقہ ہے، اور اُس شخص کی نماز ہی نہیں ہے جو الحمد شریف اور کوئی سورت نہ پڑھے، فرض نماز اور غیر فرض کا حکم یکساں ہے۔"....اس حدیث پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس دَور کا ہے، جبکہ نماز کے مادّے یعنی ارکان کی تعلیم دی جارہی تھی۔ کیونکہ اس میں نماز کے موٹے موٹے ارکان کی تعلیم ہے، جو اِبتدائی دَور ہی میں ہوسکتی ہے۔ اس وقت فاتحہ اور سورت بھی سب کے ذمہ تھی۔

دوسرا دَور

پھر نماز کی دوسری ہیئت کا اہتمام شروع ہوا۔ اور مقتدیوں کے ذمہ سے سورت کا وجوب ختم کیا گیا۔ اس طرح کہ امام کو نائبِ خداوندی قرار دیا گیا۔ اور اُسی کے سر سورت پڑھنے کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ کیونکہ سورت اللہ پاک کی طرف سے اُس ہدایت کی درخواست کا جواب ہے، جو بندوں نے فاتحہ کے ذریعہ کی ہے۔ اور اللہ پاک چونکہ ایک ہیں، اس لئے ان کی طرف سے صرف امام کی نیابت کافی سمجھی گئی اور فاتحہ چونکہ بندوں کی عرضی ہے اور وہ متعدد ہوسکتے ہیں۔ اس لئے ان کی طرف سے ایک امام کی نیابت مشکل نظر آئی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث حدیث اِس دَور کی ہے۔ اس میں فاتحہ کو مستثنیٰ کر کے باقی قراءت سے روک دیا گیا ہے۔

تیسرا دَور

پھر اِمام کی نیابت کو ترقی ہوئی۔ اس کو بندوں کی طرف سے بھی نائب مان لیا گیا۔ کیونکہ جب وہ اللہ پاک کا نائب بن سکتا ہے تو اَب بندوں کی نیابت میں کیا دشواری رہی؟

اگر مقتدیوں کی درخواستیں مختلف ہوتیں، تو ایک بات بھی تھی۔ مگر جب سب کی حاجتیں متحد ہیں یعنی سب ہدایت ہی کی درخواست کر رہے ہیں۔ تو پھر ان کی طرف سے ایک امام کی نیابت میں کیا دُشواری باقی رہتی ہے؟ ہاں نسخ بے وجہ سے نسخِ مُوجّہ زیادہ دل نشین ہوتا ہے۔ اس لئے یہ گذارش ہے کہ جیسے احکام مختلفۃ الماہیات میں تدریج ملحوظ رہی ہے۔ یعنی صلوٰۃ و زکوٰۃ اوّل فرض ہوئی، پھر جہاد، پھر صوم، پھر حج۔ ایسے ہی ایک ایک حکم کو دیکھئے، تو اکثر احکام میں یہی تدریج نکلے گی، خاص کر صلوٰۃ۔

چنانچہ حدیثِ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی، جو ابو داؤد میں، دربارۂ تحولِ احوالِ صلوٰۃ مروی ہے، اس پر شاہد ہے۔ اور اوّل اوّل سلام و کلام کا جائز ہونا، پھر بوجہ نزول قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ان کا ممنوع ہونا بھی اس طرف مشیر ہے۔

سو بعدِ غور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تعمیرِ مکان سے پہلے مادۂ تعمیر و سامانِ عمارت یعنی اینٹ، چونا، لکڑی وغیرہ فراہم کیا جاتا ہے، اور اُس وقت نہ وہ ترتیب ملحوظ رہتی ہے، جو وقتِ تعمیر پیش آتی ہے، چنانچہ بسا اوقات کڑیاں اور شہتیر اینٹوں اور پتھروں سے پہلے خرید لیتے ہیں۔ اور وہ پتھر اور اینٹیں جو سب سے اُوپر لگائی جاتی ہیں، سب سے پہلے آ جاتی ہیں۔ اور نہ اُس وقت فصل بالاجنبی سے احتراز ہوتا ہے۔ کوئی چیز کہیں پڑی ہے، تو کوئی کہیں، پھر بیچ میں سینکڑوں وہ چیزیں ہوتی ہیں، جو وقتِ تعمیر بدستورِ سابق، اُن کا بیچ میں فاصل اور حائل رہنا گوارا نہیں ہوتا، ایسے قبلِ تکمیلِ کارِ صلوٰۃ اوّل مادۂ صلوٰۃ یعنی ارکانِ صلوٰۃ کی تعلیم کی گئی۔ جب ہیئتِ مجموعی کا زمانہ آیا، تو اُمورِ اجنبیہ کی ممانعت ہوگئی۔

مگر جیسے باعتبار طول ایک ہیئتِ مجموعی ہے، ایسے ہی باعتبارِ عرض یعنی اتحادِ صلوٰۃِ امام و مقتدی ایک ہیئتِ مجموعی ہے، سو قبل اہتمام ہیئتِ مجموعی، غرض، اوّل تو یہ حکم تھا "لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ" چنانچہ اِن شاءاللہ ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث میں یہ روایت ملے گی۔ اور جب اہتمام ہیئتِ مشارٌ الیہ ﴿یعنی ہیئتِ مجموعی باعتبارِ عرض ۱۲﴾ شروع ہوا، تو مقتدیوں کے ذمہ سے اوّل یہ وجوب سورۃ ساقط کیا گیا۔ بلکہ امام کو

نائبِ خداوندی قرار دے کر اُسی کے ذمہ یہ بار رکھا۔ کیونکہ اصل غرض ضمِ سورۃ سے جوابِ سوال اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے۔ اس لئے کہ سورۂ منضمہ بمنزلہ حکم نامۂ احکم الحاکمین ہے۔ اور چونکہ وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، تو ایک ہی نائب، اس باب میں، کافی نظر آیا۔ البتہ فاتحہ اصل میں عرضی بندگانِ سراپا اخلاص تھی، اور اُن کی کوئی تعداد نہیں، تو ایک کا نائب کثیر ہونا کسی قدر دُشوار معلوم ہوتا تھا، اس لئے حدیثِ عبادہ رضی اللہ عنہ میں باستثنائے فاتحہ، قراءت سے ممانعت فرمائی گئی۔

اس کے بعد بتدریج امام کی نیابت کو ترقی ہوئی (اور) بندوں کی طرف سے بھی اُس کو نائب بنایا گیا۔ اور کیوں نہ ہو؟ جب خدا کا نائب ہو چکا تو بندوں کی نیابت میں کیا دُشواری رہ گئی؟ (اگر) اختلافِ مطالب ہوتا، تو ایک وقت (میں) سب کی طرف سے گذارش، اور سب کی نیابت دُشوار تھی، (مگر) جب معروض واحد ہے، اور مطلب سب کا ایک ہے، تو پھر کیا دقّت رہی؟۔

نیابتِ طرفین کی دلیل

اور اِمام کو جو مقام (کھڑے ہونے کی جگہ) ملا ہے، وہ اس کے طرفین کے نائب ہونے کی واضح دلیل ہے۔ یعنی اس کا یہ توسط مکانی اُس کے توسط رُتبی پر دال ہے۔

”یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ قبلہ اور مقتدیوں کے بیچ میں اس کو جگہ ملی، تا کہ یہ اس کا بَین بَین ﴿بین بین: درمیان درمیان۔۱۲﴾ ہونا، اُس کے اُس بَین بَین ہونے پر دلالت کرے، جس پر اس کی نیابتِ طرفین دلالت کرتی ہے۔

نیابتِ مقتدی کی دلیل

امام کا نائبِ خدا ہونا تو اجماعی مسئلہ ہے۔ سب ہی اس کو نائبِ خداوندی مانتے ہیں، گفتگو جو کچھ ہے وہ اس کے نائبِ مقتدی ہونے نہ ہونے میں ہے۔ حالانکہ اس کا نائبِ مقتدی ہونا، نائبِ خدا ہونے سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ وہ ارکانِ نماز،

رکوع وسجود میں مقتدیوں کے ساتھ شریک رہتا ہے اور رکوع، سجدے کرنا بندوں کا فریضہ ہے۔ خدا اور اس کے نائب کا کام نہیں ہے۔ پس اگر امام صرف اللہ پاک کا نائب ہوتا تو وہ رکوع، سجدوں میں مقتدیوں کے ساتھ شریک کیوں ہوتا؟

علاوہ بریں رکوع وسجود وغیرہ ارکان میں امام کا شریکِ مقتدی ہونا نیابتِ عُبّاد کو زیادہ مُصَحِّح ﴿مصحح: صحیح کرنے والا۔۱۲﴾ ہے۔

تیسرے دَور کی آیت اور حدیثیں

نماز کے جماعتی ہیئت کے اس تیسرے دَور سے متعلق آیت اور حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (الاعراف:۲۰۴)

ترجمہ: ''اور جب قرآنِ پاک پڑھا جایا کرے، تو تم سب اس کی طرف کان لگایا کرو، اور خاموش رہا کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

یہ آیتِ پاک امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ﴿دیکھئے نصب الرایہ، ص ۱۴، ج ۲۔۱۲﴾

غرض اس آیت نے نازل ہو کر نماز کی جماعتی ہیئت کو آخری شکل دے دی، کہ امام چاہے زور سے قراءت کر رہا ہو یا آہستہ، مقتدیوں کو بہرحال اس کی قراءت سننی چاہئے۔ اور خاموش رہنا چاہئے۔

حدیث (۱)

پانچ صحابیوں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ

"مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ"

''اگر کوئی شخص مقتدی بن کر نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لئے (بھی) قراءت ہے۔'' (تخریج کے لئے دیکھئے نصب الرایہ، ۶۔۱۲۔ج ۲)

یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو مؤطا میں بہ سندِ ذیل نقل کیا ہے:

"انا ابو حنیفه نا ابو الحسن موسٰی بن ابی عائشة عن عبداللّٰه بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبداللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال:

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَ ةِ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَ ةٌ"

ترجمہ: "(امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) ہم سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث بیان کی۔ اُن سے موسیٰ بن ابی عائشہ نے بیان کی، وہ عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص مقتدی بن کر نماز پڑھے، تو اِمام کی قراءت اس کے لئے (بھی) قراءت ہے۔"

یہ سند علی شرط الشیخین ہے۔ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط کے مطابق ہے۔ اور نہایت صحیح اور بے غبار ہے۔

حدیث (۲)

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ: "إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا" (ص ۱۷۴، ج ۱، باب التشہد)

"جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔"

حدیث (۳)

امام طحاوی رحمہ اللہ شرح معانی الآثار میں خالد احمر کے طریق سے بسند جید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

"إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ، فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا"

ترجمہ: "امام اسی لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پس جب وہ قراءت کرے، تو تم خاموش رہو"۔ (ص ۱۲۸، ج ۱... باب القراءۃ خلف الامام)

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (مسلم شریف ص ۱۷۴، ج ۱، باب التشہد) مذکورہ آیتِ پاک اور حدیثیں نماز کے تیسرے دَور سے تعلق رکھتی ہیں۔

"اس وقت حدیث مَنْ كَانَ لَهُ اِمَام وغیرہ، اور آیہ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔"

شبہ

نسخ کی مذکورہ بالا تقریر میں امام کو پہلے نائبِ خدا تسلیم کیا گیا، پھر فرمایا کہ اس کی نیابت کو بتدریج ترقی ہوئی، اور وہ بندوں کا بھی نائب بن گیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ امام کی ترقی کیا ہوئی؟ یہ تو تنزّل ہوا۔

جواب

جواب یہ ہے کہ اگر امام کی پہلی نیابت ختم ہو کر اُس کی جگہ یہ دوسری نیابت اس کو دی جاتی، تو یقیناً یہ تنزّل تھا۔ مگر جب اس کی پہلی نیابت برقرار ہے اور مزید یہ دوسری نیابت دی گئی ہے تو یہ تنزّل نہیں ہے بلکہ ترقی ہے، جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اوّل نائبِ خدا ہو کر آتے ہیں۔ پھر جب وہ اُمت کی طرف سے کوئی بات اللہ کے حضور میں عرض کرتے ہیں تو وہ بندوں کے نائب ہوتے ہیں۔ اور اس سے انبیاء کی نیابت میں تنزّل نہیں ہوتا بلکہ ترقی ہوتی ہے۔ "مگر اس عروج کے بعد...... جس پر نیابتِ خدا وندی دلالت کرتی ہے...... یہ نزول ...... جو مقتضائے نیابتِ عباد ہے...... بعینہٖ ایسا ہے جیسا رسول اوّل نائبِ خدا ہو کر آتا ہے۔ (پھر) یہاں آ کر اگر حسبِ استدعائے اُمت کچھ عرض کرتا ہے۔ تو اِدھر کی نیابت کا کام کرتا ہے۔"

نسخ کی دوسری تقریر

نسخ حدیث کی پہلی تقریر میں کہا گیا تھا کہ دوسرے دَور میں، جب نماز کی ہیئتِ اجتماعی کا اہتمام شروع ہوا، تو اللہ پاک کی طرف سے اوّلاً سورت کا وجوب مقتدیوں

کے ذمہ سے ختم کیا گیا۔ البتہ فاتحہ پڑھنے کا حکم باقی رکھا گیا، پھر اسے بھی تیسرے دَور میں ختم کر دیا گیا۔ اس کے بجائے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے دور میں، جب نماز کی ہیئتِ اجتماعی کا اہتمام شروع ہوا، اور قراءت کا وجوب مقتدیوں کے ذمہ سے ختم ہوا، تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے، مندرجۂ ذیل وجوہ کی بناء پر احتیاطاً فاتحہ کا وجوب باقی رکھا۔

(۱) چونکہ سورت خدائے واحد کا پروانہ تھی، اس لئے اس میں تو نیابت سمجھ میں آتی تھی، مگر فاتحہ چونکہ ہر ہر شخص کی عرضی تھی، اس لئے اس میں نیابت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

(۲) فاتحہ چونکہ حمد وثناء پر مشتمل تھی، اس لئے سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ سے مشابہ نظر آئی۔

الغرض فاتحہ میں دو پہلو جمع ہو گئے تھے۔

(الف) بندوں کی عرضی ہونا جس کا تقاضہ تھا کہ جس طرح ایک شخص سب کی طرف سے حاکم سے عرض کر لیتا ہے، یہاں بھی صرف امام سب کی طرف سے عرض کرے۔

(ب) فاتحہ کا حمد وثناء کے مضامین پر مشتمل ہونا، اور یہ احتمال کہ عرضی گذاروں کی اغراض مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان دو باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص فاتحہ پڑھے۔ اور یہ دوسرا پہلو زیادہ ظاہر تھا۔ نیز لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا حکم بھی موجود تھا جس سے فاتحہ کی پوری اہمیت ظاہر ہوتی تھی۔ اور مقتدیوں کے بارے میں کوئی صریح حکم آیا نہیں تھا۔ اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بر بنائے احتیاط، صریح حکم آنے تک مقتدیوں کے ذمہ فاتحہ کا وجوب باقی رکھا۔ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فاتحہ کا استثناء فرما دیا۔ اور وجہ استثناء کے طور پر فرمایا کہ فانہ لا صلوٰۃ الخ۔

خلاصۂ تقریر یہ ہے کہ دوسرے دَور میں مقتدیوں کے ذمہ فاتحہ کا وجوب جس کا ذکر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، وہ اللہ پاک کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہے، اور اجتہاد میں بہر حال بھول چوک کا احتمال رہتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے

آیت پاک وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ نازل ہوئی۔ اور معاملہ کا دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا۔

اور یا یوں کہئے کہ: سورۃ منضمہ تو ایک خدائے واحد کا پروانہ ہے، پر فاتحہ ہر ہر واحد کی عرضی ہے، علاوہ بریں بوجہ اشتمالِ مضامینِ حمد وثناء سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ سے زیادہ تر مشابہ، سواگر یہ خیال کیجئے کہ بطور معروضاتِ رعیت، ایک شخص سب کی طرف سے حاکم سے عرضی کر لیتا ہے یہاں بھی ایک شخص سب کی طرف سے معروضِ معلوم عرض کر لے گا، تو اشتمالِ مذکور اور تعددِ داہلِ عرض کا بھی خیال چاہئے۔

اور ظاہر ہے کہ بخیالِ اشتمالِ مذکور وخیالِ تعدد داہلِ عرض، ہر ایک کا فاتحہ پڑھنا مناسب نظر آتا ہے، اُدھر یہ حکم آچکا تھا کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ ، اور دربارۂ مقتدی کچھ تصریح ہوئی نہ تھی اس لئے مقتضائے احتیاطِ نبوی یہ ہوا کہ تا صدورِ حکم مصرح مقتدیوں کو فاتحہ کا اِرشاد کیا جائے۔ اس لئے بیانِ وجہ استثناء کے لئے بطورِ احتیاط حدیثِ عُبادہ رضی اللہ عنہ میں یہ فرمایا فانه لا صلٰوة الخ او کما قال۔

نسخ کی کون سی تقریر اچھی ہے؟

نسخ کی مذکورۂ بالا دونوں ہی تقریریں اچھی ہیں، جس کسی کو جو پسند آئے، وہ اسی کو اختیار کرے مگر دینی احکام میں دوسری تقریر اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس صورت میں احکام اصلیہ میں تعارض نہ ہوگا۔ اور اللہ پاک کی طرف سے نسخ کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ اور یہ اُلجھن پیش نہ آئے گی کہ نسخ گو جائز ہے، مگر خلافِ اصل ہے حتی الامکان اس سے بچنا ہی چاہئے۔ اس صورت میں اگر تعارض ہوگا تو صرف احکامِ احتیاطیہ اجتہادیہ میں ہوگا، جو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

یعنی آیت پاک میں جو حکم ہے وہ حکم خداوندی ہے۔ اور حدیث عُبادہ رضی اللہ عنہ میں جو حکم ہے وہ حکمِ نبوی ہے، جو بر بنائے احتیاط دیا گیا ہے۔ پس اگر تعارض ہوگا بھی تو آیت میں اور حکم احتیاطی میں ہوگا۔

ان دونوں توجیہوں میں سے جَون سی جس کسی کو پسند آئے، اُس کو اختیار ہے پر

توجیہ اخیر احکامِ دین کے حق میں زیادہ تر مناسب ہے، کیونکہ اس صورت میں احکام اصلیہ میں تعارض نہ ہوگا۔ اگر ہوگا تو احکامِ احتیاطیہ میں ہوگا۔ اور اس لئے خدا کی طرف سے نسخ کی نوبت ہی نہ آئے گی، جو یہ خدشہ ہوا کہ: ''نسخ گو جائز ہے پر خلاف اصل ہے، تامقدور اُس سے احتراز مناسب ہے''۔

حدیث کا آیت سے تعارض نہیں ہوسکتا

بہر حال جو بھی تقریر آپ پسند کریں اُس سے ہر حکم بجائے خود مدلل ہو جاتا ہے۔ اور نسخ کی معنویت صاف نظر آتی ہے۔ ورنہ پھر آیتِ پاک واجب العمل ہوگی اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث واجب الترک۔ کیونکہ حدیث کا قرآنِ پاک سے تعارض نہیں ہوسکتا۔ آیت کا مرتبہ بہر حال حدیث سے بلند ہے۔ اس لئے تعارض کی صورت میں آیت پر عمل کیا جائے گا، حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی صرف یہی حدیث نہیں جو ضعیف ہے یا حسن ہے بلکہ ان کی دوسری حدیث بھی جو بالاتفاق صحیح ہے، وہ بھی آیت کے مقابلہ میں لائقِ عمل نہیں!

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحیح احادیث اور قرآنِ پاک میں تعارض ہوتا بھی ہے۔ یہ بات عادۃً ناممکن ہے کہ زمانۂ حکم ایک ہو اور حدیثِ صحیح، قرآنِ پاک کے معارض ہو جائے۔ اگر کہیں ایسا نظر آئے، تو وہاں یقیناً زمانۂ حکم مختلف ہوگا۔

مگر ہر چہ باداباد، اس طور سے رکھئے، تو ہر ایک حکم بجائے خود مُوَجّہ ہو جاتا ہے اور نسخ موزوں نظر آتا ہے۔ ورنہ بہ مقابلۂ آیت مذکورہ یہ حدیث تو کیا فقط، جملہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ بھی لائقِ امتثال نہیں۔

یہ مطلب نہیں کہ احادیثِ صحیحہ معارضِ قرآن ہوتی ہیں۔ بلکہ اختلافِ زمان سے اگر قطع نظر کیجئے تو یہ ممکنِ عادی نہیں کہ زمانۂ حکم واحد ہو، اور پھر حدیثِ صحیح معارضِ قرآن ہو بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ حدیث بھی معارض ہوتی، تو یہ بھی بہ مقابلۂ قرآن شریف واجب الترک تھی۔

حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث قرآن کے معارض نہیں ہے

حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث یعنی لَاصَلٰوۃَ لمن لم یقرأ بفَاتِحَۃِ الکِتَابِ قرآنِ پاک کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سورۂ فاتحہ کا نماز سے تعلق واضح کرتی ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک نماز کے لئے ایک فاتحہ چاہئے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ لمبائی میں ہر رکعت ایک نماز ہے۔ لہٰذا اس میں فاتحہ ضروری ہے۔ اور چوڑائی میں امام اور مقتدیوں کی نماز ایک نماز ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بھی ایک فاتحہ کافی ہے۔

"مگر اس کو کیا کیجئے کہ یہ حدیث اصلاً معارض نہیں۔ حاصلِ منطوقِ حدیث مذکور یہ ہے کہ ایک صلوٰۃ کے لئے ایک فاتحہ چاہئے۔ سو باعتبار طول ایک رکعت ایک صلوٰۃ ہے، اس لئے ہر رکعت میں فاتحہ ضروری ہوئی۔ اور باعتبارِ عرض صلوٰۃِ امام و مقتدی صلوٰۃِ واحد ہے، یہاں بھی ایک ہی فاتحہ کافی ہوگی۔

حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث بھی قرآن کے معارض نہیں

رہی حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث جو ضعیف ہے یا حَسن ہے اور جو مقتدی کے فاتحہ سے بحث کرتی ہے، وہ بھی اگرچہ بظاہر قرآنِ پاک سے معارض معلوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت میں معارض نہیں ہے۔ کیونکہ تعارض کیلئے آٹھ چیزوں میں اتحاد ضروری ہے۔ (۱) دو قضیوں کا موضوع ایک ہو۔ پس حسن کھڑا ہے اور حسین کھڑا نہیں ہے۔ ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

(۲) دو قضیوں کا محمول ایک ہو۔ پس رشید کھڑا ہے اور رشید بیٹھا نہیں ہے۔ ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔ (۳) دو قضیوں کی جگہ ایک ہو۔ پس وحید مسجد میں ہے اور وحید بازار میں نہیں ہے۔ ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

(۴) دو قضیوں کی شرط ایک ہو۔ پس اگر سورج نکلا ہے تو دن ہے۔ اور اگر سورج

نہیں نکلا تو دن نہیں ہے۔ ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

(۵) دو قضیوں کی اضافت ایک ہو۔ پس زید فاضل ہے (یعنی فلاں مدرسہ کا) اور زید فاضل نہیں ہے (یعنی فلاں مدرسہ کا)۔ ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

(۶) ان دو قضیوں میں جز وکل کا اختلاف نہ ہو۔ پس یہ کمرہ سفید ہے (یعنی اس کا مرمری فرش) اور یہ کمرہ سفید نہیں ہے (یعنی پورا) ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

(۷) دو قضیوں میں قوت وفعل کا اختلاف نہ ہو۔ پس حمید عالم ہے (یعنی بالقوۃ) اور حمید عالم نہیں ہے (یعنی بالفعل) ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

(۸) دو قضیوں کا زمانہ ایک ہو۔ پس اَنیس پڑھتا ہے (دن میں) اور اَنیس نہیں پڑھتا ہے۔ (رات میں) ان دو باتوں میں تعارض نہیں ہے۔

اور جب حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دوسرے دَور کی ہے۔ اور آیت پاک تیسرے دَور کی۔ تو دونوں کا زمانہ ایک نہ رہا۔ اس لئے تعارض بھی نہ رہا۔ رہی اُن کی متفق علیہ حدیث تو وہ تو مفہوم کے اعتبار سے بھی معارض نہیں ہے۔ جیسا کہ ابھی واضح ہوا۔

الغرض احادیثِ مذکورہ میں سے حدیث عُبادہ رضی اللہ عنہ گو باعتبارِ منطوق قرآن شریف سے معارض ہو، مگر بوجہ اختلافِ زمان جس پر شہادت فطرتِ سلیمہ موجود ہے۔ تعارض نہیں۔ کیونکہ تعارض کے لئے وحدتِ زمان بھی ضرور ہے، جو منجملہ ہشت (۸) واحداتِ تناقض ہے۔ اور حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ میں (تو) باعتبار منطوق بھی تعارض نہیں۔ گو اہلِ ظاہر کو معلوم ہوتا ہو۔

آیت فَاقْرَءُوْا کے مخاطب صرف امام اور منفرد ہیں

البتہ آیتِ پاک فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (تو جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے تم پڑھ لیا کرو) کے بارے میں خلجان ہوسکتا ہے کہ اس میں خطاب (حکم) عام ہے۔ پس قراءت کا حکم مقتدیوں کو بھی شامل ہوگا۔

اس لئے عرض ہے کہ اس آیت کے مخاطب صرف امام اور منفرد ہیں۔ کیونکہ وہی

نماز کے ساتھ حقیقۃً متصف ہیں۔ مقتدی آیت کے مخاطب ہی نہیں ہیں، جو اُن کے استثناء کی فکر کرنی پڑے۔ کیونکہ وہ تو مجازاً نمازی ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیتِ پاک کا خطاب بالاتفاق ''مُصَلِّی'' سے ہے۔ اور یہ لفظ وصفِ صلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ لفظ دال علی الوصف سے موصوف بالذات مراد ہوتا ہے۔ پس مصلّی سے وہی شخص مراد ہوگا، جو نماز کے ساتھ بالذات اور حقیقۃً متصف ہو۔ جو موصوف بالعرض ہو وہ مراد نہ ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ نماز کے ساتھ بالذات صرف امام اور منفرد متصف ہیں۔ اور مقتدی بالعرض متصف ہیں۔ اس لئے آیت پاک کا خطاب صرف امام اور منفرد سے ہے، مقتدیوں سے نہیں ہے۔

البتہ تعارض فَاقْرَءُ وْا کا کھٹکا ہنوز باقی ہے۔ اُس کی مدافعت کے لئے یہ گذارش ہے کہ قراءت باعتبار صلوٰۃ مطلوب ہے۔ اور بحکم بعض مقدمات ﴿دیکھئے شروع کتاب میں پہلا مقدمہ﴾ معروضہ ضروریاتِ صلوٰۃ کی ضرورت مصلی بالذات، اور اس وصف کے موصوف بالذات کو ہوگی۔ اس لئے مخاطب فَاقْرَءُ وْا سوائے اِمام و منفرد کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور کیوں کر ہوں؟ بدلالتِ سیاق وسباق مخاطب فَاقْرَءُ وْا مصلّی ہیں۔ اور اطلاقِ مصلی، موصوف بالذات بالصلوٰۃ پر تو حقیقی ہے۔ اور موصوف بالعرض پر مجازی۔ کیونکہ وہ واقع میں موصوف ہی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں فَاقْرَءُ وْا میں مقتدی داخل ہی نہ ہوں گے، جو اخراج کی ضرورت پڑے۔

مقتدی مجازاً نمازی ہیں

پہلی دلیل: مسئلہ ہے کہ اگر مقتدی امام کو رکوع میں پالے، تو اس کی یہ رکعت محسوب ہوگی۔ اور یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے، مقتدی پر فاتحہ واجب کہنے والے بھی اس کے قائل ہیں اگر چہ اس مقتدی نے فاتحہ نہیں پڑھی ہے۔ تاہم اس کی رکعت ہوگئی۔ اور فاتحہ کے حکم سے وہ سبکدوش ہوگیا۔ یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حقیقۃً مصلّی ہی نہیں ہے۔ ورنہ بغیر فاتحہ کے اس کی نماز (رکعت) کیسے ہوگئی؟ اور جب وہ حقیقۃً

نمازی نہیں تو آیت فَاقْرَءُ وْا کا مخاطب بھی نہیں۔ بلکہ مُدرکِ رکوع کا بالاجماع اِس حکم سے سبکدوش ہونا، اسی کی تفسیر ہے کہ مقتدی حقیقت میں مصلّی ہی نہیں۔ اور اس لئے فَاقْرَءُ وْا کے مخاطب فقط امام ومنفرد ہیں، مقتدی نہیں۔

دوسری دلیل

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو مقتدی سے فریضۂ قیام (جو نماز کے ارکان میں سے ہے) ساقط ہو جاتا ہے۔ مقتدی کو چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً اِمام کے ساتھ رکوع میں جا ملے۔ ﴿لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قیام کی حالت میں کہی گئی ہو، یعنی رکوع سے قریب ہونے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہو، تب وہ تکبیر تحریمہ صحیح اور معتبر ہوگی، اور اگر جھک کر رکوع سے قریب ہونے کی حالت میں تکبیر کہی ہے، تو یہ تکبیر تحریمہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے نماز نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ قیام للصلاۃ تو اس مقتدی سے ساقط ہے، مگر قیام للتحریمہ ضروری ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۹۲، ج ۱، جدید حاشیہ والا)﴾ یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی مجازاً مصلّی ہے۔ اور چونکہ اس پر قراءت واجب نہیں ہے، اس لئے قیام بھی اس پر فرض نہیں ہے۔ کیونکہ قیام، قراءت ہی کی وجہ سے مطلوب تھا۔ جب قراءت ہی اس کے ذمہ نہیں۔ تو قیام کا مطالبہ بھی بے سود ہے۔ اگر وہ حقیقۃً نمازی ہوتا تو قیام کا فریضہ اس سے کیسے ساقط ہو جاتا!

”اور یہی وجہ ہوئی کہ قیام اُس پر فرض نہ ہوا۔ کیونکہ قیام بوجہ قراءت مطلوب تھا، جب قراءت ہی اس کے ذمہ نہیں، اور نہ وہ حکمِ قراءت کا مخاطب، تو پھر مطالبۂ قیام بے سود ہے!“

شبہ: جب مقتدی مجازاً نمازی ہے اور اس وجہ سے قیام اس سے ساقط ہے۔ تو باقی رکعتوں میں اس پر قیام کیوں ضروری ہے؟

جواب

وہ حضوریٔ دربار کے تقاضے سے ہے۔ نماز کے تقاضے سے نہیں ہے۔ یعنی جب وہ دربارِ خداوندی میں حاضر ہے، تو درخواست پیش کئے جانے کی حالت میں اور اس

کے جواب کی سماعت کرنے کی حالت میں اس کو مؤدب کھڑا رہنا ہوگا۔
''باقی وجوبِ قیام رکعاتِ باقیہ بحکم حضور ہے، نہ بحکم صلوٰۃ''

غلط تاویل

بعض لوگوں نے مقتدی سے قیام کے ساقط ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کا ساقط ہونا لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کے قاعدے سے ہے۔ یعنی تین فرضوں (قیام، رکوع اور سجدوں) میں سے دو (رکوع اور سجدوں) کا ادا ہو جانا بھی کافی ہے۔ اس تاویل کی اوّل تو کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر ہے بھی یہ تاویل محلِ نظر، کیونکہ اس قاعدے سے تو جب قیام، رکوع اور ایک سجدہ کیا گیا ہو اور ایک سجدہ چھوٹ گیا ہو، تو بھی نماز صحیح ہو جانی چاہئے اسی طرح قیام اور دو سجدے کئے گئے ہوں اور رکوع چھوٹ گیا ہو تو بھی نماز صحیح ہو جانی چاہئے۔ کیونکہ اکثر ارکان پائے گئے۔ حالانکہ ان صورتوں میں نماز صحیح نہیں ہوتی بلکہ صحیح بات وہی ہے جو ہم نے عرض کی کہ چونکہ وہ مجازاً نمازی ہے۔ اس لئے اس پر قراء ت نہیں ہے۔ اور قراء ت نہ ہونے کی وجہ سے قیام بھی فرض نہیں ہے۔

اس کے بعد اس تاویل کی کچھ حاجت نہیں کہ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ، تین فرضوں میں سے دو (۲) کا اَدا ہو جانا بھی کافی ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ عذر قابلِ استماع ہو تو قیام و رکوع و سجدۂ واحد بھی کافی ہوا کرے! علیٰ ہذا القیاس قیام اور دو سجدوں سے نماز ہو جایا کرے!

توجیہ کی خوبی

یہ توجیہ کہ آیت فَاقْرَءُ وْا کا مصداق صرف امام اور منفرد ہیں، مقتدی نہیں ہیں۔ نہایت عمدہ توجیہ ہے۔ اس کی وجہ سے دو آیتوں میں تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور آیت فَاقْرَءُ وْا میں بظاہر جو تعارض نظر آتا ہے کہ اوّل سے مقتدی کا خاموش رہنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور ثانی سے اس پر قراء ت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ یہ تعارض اب ختم ہو گیا۔ کیونکہ پہلی آیت کا تعلق صرف مقتدی سے ہے۔ امام اور

منفرد سے نہیں ہے، اور ثانی کا تعلق صرف امام اور منفرد سے ہے مقتدی سے نہیں ہے۔

نیز اس توجیہ سے یہ اعتراض بھی ختم ہوگیا کہ آیت **فَاقْرَءُ وْا** کو حدیث **مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ** سے، امام اور منفرد کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث ظنی الثبوت ہے۔ اُس سے آیتِ پاک میں تخصیص جو فی الجملہ نسخ ہے۔ کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ اعتراض اس طرح ختم ہوگیا کہ اس توجیہ کے پیشِ نظر آیت پاک میں تخصیص کی نوبت ہی نہیں آئی، کیونکہ اس کا تعلق مقتدی سے رہا ہی نہیں۔

''اس وقت نہ دونوں آیتوں میں تعارض باقی رہتا ہے، اور نہ اعتراض ظنّیتِ حدیث، بوجہ تخصیص در بارۂ فرضیتِ قراءت علی الامام والمنفرد، قادح ہوسکتا ہے۔''

آیت فَاقْرَءُ وْا کی دوسری توجیہ

آیت فَاقْرَءُ وْا کی عمدہ توجیہ تو وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی۔ مگر اس کی ایک توجیہ اور بھی ممکن ہے۔ جو ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

آیت پاک فَاقْرَءُ وْا خاص ہے عام نہیں ہے۔ جو مقتدی کی تخصیص سے اس کے مخصوص منہ البعض ہو کر ظنی ہو جانے کا خلجان پیدا ہو، اور تعیم و تخصیص اگر ہوئی ہے، تو آیتِ پاک کے منطوق و مفہوم میں نہیں ہوئی۔ بلکہ آیت کے متعلق (جس سے آیت کا تعلق ہے) میں ہوئی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ **فَاقْرَءُ وْا** میں ایک تو فعل قراءت ہے اور ایک ضمیر فاعل ہے یعنی جمع مذکر حاضر کی ضمیر ''اَنْتُمْ'' ہے۔ اوّل آیت پاک کا مصداق ہے یعنی آیت قراءت کے باب میں وارد ہوئی ہے اور خاص اور قطعی ہے، اس سے قراءت کی فرضیت ثابت ہوئی ہے۔ عام نہیں، نہ اس میں کسی قسم کی تخصیص ہوئی ہے۔ کیونکہ قراءت کے باب میں تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ قراءت کہیں تو فرض ہو۔ اور کہیں غیر فرض۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قراءت جہاں بھی ہے فرض ہی ہے۔

رہی یہ بات کہ آیتِ پاک کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ تو بظاہر آیت عام ہے۔ امام، مقتدی اور منفرد سب ہی اس کے مخاطب ہیں۔ مگر حدیث **مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ** کی

وجہ سے آیت کے متعلق (مخاطبین) میں تخصیص ہوئی ہے۔یعنی اب اس کا تعلق صرف امام اور منفرد سے باقی رہا ہے۔مقتدی سے اس کا تعلق باقی نہیں رہا۔

اور اس تخصیص سے آیتِ پاک اگر مخصوص منہ البعض ہوئی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔کیونکہ یہ تخصیص آیتِ پاک کے متعلق (مخاطبین) میں ہوئی ہے۔اس کے مصداق (قراءت) میں نہیں ہوئی۔

"اگرچہ جوابِ اعتراضِ مذکور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت فَاقْرَءُوْا دربارۂ قراءت خاص ہے،اور عموم وخصوصِ بعض،اگر ہے تو باعتبارِ مخاطبین ہے۔اس لئے اگر قطعیت مبدّل بظنّیت ہوگی تو دربارۂ تعین مخاطبین ہوگی،نہ درباب قراءت۔

اعتراض

اگر کوئی شخص اس دوسری توجیہ پر اعتراض کرے کہ جب آیت مخاطبین کے اعتبار سے پہلے عام تھی اور حدیث سے اس میں تخصیص ہوئی یعنی مقتدی کا آیت سے تعلق منقطع ہوا تو اب وہ مخاطبین کے اعتبار سے عام مخصوص منہ البعض ہوئی۔اور ظنی الدلالۃ ہوگئی۔پھر امام اور منفرد کے حق میں بھی اس سے قراءت کی فرضیت کیسے ثابت ہوگی؟ کیونکہ ظنی الدلالۃ نص سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

﴿ ثبوت ودلالت کے اعتبار سے نصوص چار طرح کی ہیں۔اوران کے احکام مختلف ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: (۱) قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ۔وہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتی۔(۲) قطعی الثبوت وظنی الدلالۃ ۔وہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ جو تاویل کا احتمال رکھتی ہیں۔

(۳) ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ ۔وہ خبرِ واحد جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتی۔

(۴) ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ ۔وہ خبرِ واحد جو تاویل کا احتمال رکھتی ہے۔

قسم اوّل: مفید یقین ہے،اس لئے اس سے جانبِ فعل میں فرضیت اور جانبِ

ترک میں حرمت ثابت ہوتی ہے۔..... قسم دوم وسوم: مفید ظن ہے اس لئے اس سے جانب فعل میں وجوب اور جانب ترک میں کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ چہارم سے جانب فعل میں سُنیت واستحباب اور جانب ترک میں کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔

جواب

آیتِ پاک سے امام اور منفرد کے حق میں قراءت کی فرضیت احتیاط ثابت کی گئی ہے۔ جیسا کہ احتیاط ہی پر نظر کرتے ہوئے حدیثِ صید سے (جو خبر واحد ہے) حرمت ثابت کی گئی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ نص سے ثابت تو ''وجوب'' ہی ہوتا ہے مگر نظر بر احتیاط امام اور منفرد کے حق میں قراءت کی فرضیت ثابت کی گئی ہے۔ کیونکہ اُن کا حکم قراءت سے خارج ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

اور اس کی نظیر ''شکار کی حدیث'' ہے جس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اِنْ شَارَکَ کَلْبَکَ کَلْبٌ اٰخَرُ فَلا تَاْکُلْ ، فَاِنَّکَ اِنَّمَا سَمَّیْتَ عَلٰی کَلْبِکَ ، وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰی کَلْبِ غَیْرِکَ'' (متفق علیہ)

''اگر شکار مارنے میں تیرے کُتے کے ساتھ دوسرا کُتا شریک ہوگیا ہو تو اس کو نہ کھا، کیونکہ تو نے صرف اپنے کُتے پر بسم اللہ پڑھی ہے، غیر کے کُتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی ہے۔''

یہ حدیث خبر واحد ہے، یا زیادہ سے زیادہ خبر مشہور ہے۔ بہر حال ہے ظنی الثبوت۔ پس قاعدے سے اس سے شکار کی حرمت ثابت نہ ہونی چاہئے، بلکہ کراہت تحریمی ثابت ہونی چاہئے۔ مگر احتیاط پر نظر کرتے ہوئے اس شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ صاحبِ ہدایہ کتاب الصید میں لکھتے ہیں:

''لانہ اجتمع المبیح والمحرم فتغلب جھۃ الحرمۃ نصا او احتیاطاً'' (ص۴۹۲،ج۴)

''اس لئے کہ یہاں مباح کرنے والی دلیل اور حرام کرنے والی دلیل جمع ہیں۔ پس اَز روئے نص یا بر بنائے احتیاط حرمت کی جانب غالب ہوگی۔''

یعنی تعلیم یافتہ کتے کا شکار تو حلت چاہتا ہے اور غیر تعلیم یافتہ وغیرہ کا شکار حرمت کا مقتضی ہے۔ اور یہاں ایک ہی شکار میں یہ دونوں باتیں مجتمع ہیں۔ پس از روئے نص ﴿نص سے مراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ "جب بھی حرام وحلال مجتمع ہوتے ہیں تو حرام غالب رہتا ہے"۔ (نصب الرایہ)﴾ یا بر بنائے احتیاط حرمت کی جانب غالب رہے گی۔ تو جس طرح یہاں احتیاطاً حرمت ثابت کی گئی ہے، اسی طرح آیت فَاقْرَءُوْا سے احتیاطاً امام اور منفرد کے حق میں قراءت کی فرضیت ثابت کی گئی ہے۔ کیونکہ جب حرمت مستحق ہے تو فرضیت کو یہ شرف کیوں حاصل نہ ہوگا؟ پُر جیسے بدلالتِ حدیثِ صید، جس میں احتیاط پر نظر کر کے اُس صید کو حرام کر دیا ہے، جس کے اصطیاد میں اَوْ کُتّا بھی شریک ہو جائے، ایسے ہی بوجہ احتیاط اُن لوگوں پر قراءت فرض رہے گی، جن کا حکمِ قراءت سے خارج ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا۔ اگر حرمت مستحق احتیاط ہے، تو فرضیت بھی یہ استحقاق رکھتی ہے۔

خلاصۂ بحث

اب بحمد اللہ ثابت ہوگیا کہ آیت فَاقْرَءُوْا اور آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں تعارض نہیں ہے۔ اوّل کا تعلق صرف امام اور منفرد سے ہے، اور ثانی کا تعلق صرف مقتدی سے، نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ حدیث لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اور اس طرح کی دوسری حدیثیں جو فاتحہ کا نماز سے تعلق واضح کرتی ہیں، ان میں اور آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں بھی تعارض نہیں ہے۔

البتہ اگر بظاہر تعارض ہے تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث اور آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں ہے، مگر ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ وہ حدیث مقدم ہے اور آیت مؤخر ہے۔ اس لئے وہ حدیث منسوخ ہے۔ اور یہ بات اس سے زیادہ چسپاں ہے کہ ہم آیت کو مقدم اور حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کو مؤخر مانیں۔

"بالجملہ نہ آیۃ فَاقْرَءُوْا اور آیۃ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں تعارض ہے اور نہ

حدیث لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب وغیرہ احادیث دالّہ علی وجوب قراءۃ الفاتحہ اور آیۃ میں تعارض ہے۔ ہاں البتہ حدیث عُبادہ رضی اللہ عنہ و آیۃ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ میں، باعتبارِ منطوق، تعارض ہے۔ پر بلحاظ اشاراتِ مذکورہ، حدیثِ مذکور کا تقدم اور آیۃ کا تاخر، بہ نسبت تقدم آیۃ و تاخر حدیث زیادہ چسپاں ہے۔

آیت حدیث سے مؤخر ہے

آیت وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ کے حدیث عُبادہ رضی اللہ عنہ سے مؤخر ہونے کے کئی قرائن ہیں۔ (۱) اوّل فطرتِ سلیمہ کی شہادت کہ ایسا ہی ہونا زیادہ مناسب ہے۔

(۲) دوسرے حدیث کی صحت میں کلام۔

(۳) تیسرے قائلینِ قراءت مقتدی کا آیت کے بارے میں طرزِ عمل۔

اس تیسرے قرینہ کی تشریح یہ ہے کہ جو حضرات مقتدی پر فاتحہ واجب فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ائمہ مجتہدین میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وہ حضرات بھی آیتِ پاک کی تعمیل کی فکر سے غافل نہیں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو اس کے لئے یہ تجویز فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتات کی ٹوہ میں رہے۔ جب امام پڑھتے ہوئے کسی جگہ ٹھہرے، تو مقتدی اس وقفہ میں جلدی سے فاتحہ کی ایک آیت پڑھ لے۔ اور اس طرح کر کے فاتحہ پوری کرے۔ اور حضرات ﴿مقدمہ میں ہم نے مذاہب ائمہ کی تفصیل دی ہے۔ اُس سے واضح ہوگا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے وجوب فاتحہ علی المقتدی کا قول صرف سرّی نمازوں میں ثابت ہے۔ جہری نمازوں میں ثابت نہیں ہے، اس میں حضرات شوافع واجب مانتے ہیں۔ پس امام کے فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد سکتہ طویلہ کی تجویز بھی حضرات شوافع کی ہوگی۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے ایسی خلاف عقل بات کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔﴾ شوافع کی تجویز یہ ہے کہ فاتحہ سے فارغ ہو کر امام خاموش ہو جائے۔ تا کہ تمام مقتدی فاتحہ پڑھ سکیں۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں تجویزیں بدرجۂ مجبوری ہیں۔ مجبور ہو کر ہی ان حضرات نے

یہ تجویز کیا ہے۔ کیونکہ احادیث میں تو کہیں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ مرفوع احادیث میں سکتہ طویلہ صرف ایک ثابت ہے۔ اور وہ ہے تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت شروع کرنے سے پہلے، ثناء پڑھنے کے لئے اور فاتحہ کے بعد سکتہ اور سورت کے بعد سکتہ کی روایات مضطرب ہیں۔ (دیکھئے بذل المجہود ص ۳۵، ج ۲۔ ۱۲)

بہر حال ان حضرات کی یہ تجویزیں آیتِ پاک کی تعمیل کی فکر میں نہیں ہیں تو اور کس وجہ سے ہیں؟ پس ثابت ہوا کہ آیتِ پاک مؤخر ہے۔ کیونکہ اس کی تعمیل کے لئے قائلینِ فاتحہ بھی فکر مند ہیں۔ پھر اُس پر حدیث کی صحت میں کلام ...ادھر قائلانِ وجوبِ قراءت فاتحہ علی المقتدی کو دیکھا کہ فکرِ تعمیل آیۃ سے غافل نہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ائمہ فقہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو ایجاب فاتحہ علی المقتدی میں زیادہ تشدد ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو تتبع سکتاتِ امام کا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مُقلّدوں کو دیکھا کہ امام بعد فاتحہ دیر تک ساکت کھڑا رہتا ہے، اُس وقت مقتدی فاتحہ پڑھتے ہیں۔ سوا اس کے کہ تتبع سکتاتِ امام اور سکتۂ طویلہ بین الفاتحہ والسورۃ کو ایک تجویز اضطراری کہیے اور کیا کہیے؟ حدیثوں میں مرفوعاً شاید کہیں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی۔ اگر یہ تجویز بہ لحاظ آیۃ مذکورہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اب بہتر کیا ہے؟

جب آیتِ پاک وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ قائلینِ فاتحہ کے نزدیک بھی واجب التعمیل ٹھہری، اور اُن کی تجویزیں غیر معتبر ثابت ہوئیں تو اب بہتر یہی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع:

"مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ، فَاِنَّ قِرَاءَ ةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَ ةٌ" (مؤطا محمد، ص ۹۶)

"اگر کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کیلئے (بھی) قراءت ہے۔"

اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کی طرف رجوع کیا جائے، کیونکہ لوگوں کی

تجویزوں سے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل بہتر ہی ہے؟

''جس صورت میں آیۂ مذکورہ قائلینِ وجوب فاتحہ علی المقتدی کے نزدیک بھی واجب التعمیل ٹھہرے، اور خود اُن کی تجویز غیر مروی، تو اس صورت میں یہی بہتر نظر آتا ہے کہ حدیث مَن صَلّٰی الخ وغیرہ کی طرف رجوع کیا جائے اَوروں کی تجویز سے تو اُس کی تعمیل بہتر ہی ہوگی؟''

حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف رجوع بہتر کیوں نہ ہوگا، جبکہ اس سلسلہ میں اور بھی مرفوع احادیث موجود ہیں؟ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم شریف (باب التشہد ص ۱۷۴، ج ۱) میں ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث طحاوی شریف میں عمدہ سند سے ہے۔ (ص ۱۲۸، ج ۱، باب القراءۃ خلف الامام)

اور اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر قناعت کی جاوے تو جاننا چاہئے کہ دو طرح سے مروی ہے۔ مرفوع اور موقوف، مرفوع میں اگر کوئی کلام ہے بھی تو وہ مُضر نہیں، کیونکہ درایت کی قوت اس کو حاصل ہے اور قوتِ درایت، قوتِ سند سے مقدم ہے جیسا کہ کتاب کے آخر میں آرہا ہے۔ اور موقوف کی صحت میں تو کلام ہی نہیں۔ پھر جس زمانہ میں حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب مشہور ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بغیر اس کے ممکن ہی نہیں ہے کہ اُنہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، اجتہاد سے فرمانے کا احتمال نہایت ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

اور فرض کرو اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اجتہاد سے فرمائی ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ ارشاد درایۃً نہایت صحیح ہے جس کی تفصیلات آپ پڑھتے آرہے ہیں۔

اور کیوں نہ ہو؟ اَوّل تو اس بارے میں احادیث مرفوع الاسناد اور بھی موجود ہیں

چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا میں موجود ہیں۔﴿مؤطا امام محمد رحمہ اللہ میں مرفوع الاسناد روایت صرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے البتہ مسلم شریف وغیرہ میں مرفوع الاسناد روایتیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی موجود ہیں۔۱۲﴾

اور اگر اسی روایت پر قناعت کی جاوے اور اس سے قطع نظر کی جاوے کہ قوتِ درایت، قوتِ روایت سے مقدم ہے چنانچہ اِن شاءاللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔(تو) موقوفاً تو اس کی صحت میں کلام ہی نہیں۔ پھر باوجود اشتہار (شہرت) نص لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بےاس کے متصور ہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، احتمالِ اجتہاد بے تاویلاتِ رکیکہ (ضعیفہ) چسپاں نہیں، ایسی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔علاوہ بریں (یہ) اَمر (معاملہ) اگر اجتہادی تھا تو ایسا تھا کہ بآبِ زر باید نوشت! یعنی جب امام در بارۂ صلوٰۃ موصوف بالذات ہو، تو پھر مقتدی پر بارِ قراءت بے موقع نظر آیا، اور اس کے ساتھ آیۃ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کو مانع قراءت دیکھا اور آیۃ فَاقْرَءُوْا کو اُس کے موافق پایا، مخالف نہ پایا، اور حدیثِ عُبادہ رضی اللہ عنہ کو بوجہ تدریج مشارٌ الیہ، مُجملہٗ احکامِ سابقہ سمجھا، ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد اس اجتہاد کو غلط کہنا مناسب نہیں۔

ہاں کسی نص کا تعارض ایسا ہوتا کہ اس کی مدافعت کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی، تو البتہ محلِ تأمل تھا۔اس وقت غور سے دیکھئے تو حدیثِ عُبادہ رضی اللہ عنہ اور آیۃ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا تعارض ایسا ہے کہ بے تجویزِ تتبعِ سکتات، یا سکتۂ طویلہ مشارٌ الیہا، اس کی مدافعت کی کوئی تدبیر نہیں۔اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں تجویزیں غیر مروی!

جرح وتعدیل کا ضابطہ

اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کی کسی سند میں کلام ہے تو اس سے حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہاں محفوظ ہے؟ اس کی سند میں محمد بن اسحٰق ہیں۔ جن پر ائمہ جرح وتعدیل نے کلام کیا ہے۔اور بعض ائمہ نے اگر ان کی تعدیل بھی کی

ہے تو ان کی بات قولِ فیصل نہیں ہو سکتی کیونکہ رُوَات کی جرح وتعدیل اُن کے اعمال و افعال سے منتزع کی جاتی ہے، کیونکہ کسی کی واقعی حالت کا تو کسی بھی ناقد کو پتہ نہیں ہوتا۔ راویوں کے افعال واَطوار دیکھ کر ہی نقادِ حدیث جرح کرتے ہیں یا تعدیل۔ اب اختلاف کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ راوی کا ایک فعل ایک ناقد کے نزدیک قابلِ جرح ہوتا ہے اور دوسرے کے نزدیک قابلِ جرح نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک محدث دوسرے محدث کا شہرہ سُن کر ان سے حدیث سننے کے لئے ان کے گھر گئے۔ وہاں اُنہوں نے دیکھا کہ وہ محدث ایک خالی توبڑہ لے کر، گھوڑے کو پکڑنے کے لئے، دکھا رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی آنے والے محدث واپس لَوٹ گئے۔ اور فرمایا کہ جو شخص بے زبان جانور کو دھوکہ دے سکتا ہو اس کی روایت کا کیا اعتبار؟ یعنی اُن محدث صاحب نے تشدّد کی وجہ سے یا زیادتیِ احتیاط کی وجہ سے اس فعل سے جرح منتزع کی اور ان کی مرویات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا۔ لیکن غیر متشدد ناقد اس فعل سے کبھی جرح منتزع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جانور کو پکڑنے کے لئے گھاس دانہ دِکھانا، یا خالی توبڑا، ٹوکرا دکھانا عرف میں دھوکہ دینا شمار نہیں ہوتا، اس لئے غیر متشدد ناقد اس فعل کو دیکھنے کے بعد بھی تعدیل ہی کرے گا۔ یا پھر ناقدین کے درمیان اختلاف کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ راوی کے افعال کے مشاہدہ میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک ناقد راوی کے ان افعال کا مشاہدہ کرتا ہے جو اَچھے ہیں جس سے تعدیل منتزع ہوتی ہے اور دوسرا راوی اس کے بُرے افعال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس پر جرح کرتا ہے۔ اسی طرح معاصرانہ چشمک یا مذاہب کا فروعی اختلاف اور اس سلسلہ کا تعصب بھی جرح وتعدیل میں اختلاف کے بڑے عوامل ہیں، پھر اگر مراتب انتزاع میں (یعنی جرح وتعدیل کے مفصل ومبہم ہونے میں) ناقدین مساوی ہیں اور مشاہدۂ افعال میں بھی مساوی ہیں (یعنی ایسا نہیں ہے کہ ایک نے تو افعال کا مشاہدہ کر کے جرح وتعدیل کی ہے اور دوسرے نے صرف سُنی سُنائی باتوں پر جرح وتعدیل کر دی ہے) تو مشاہدۂ افعال اور مراتب انتزاع

میں مساوات کی صورت میں اعتبار میں بھی سب ناقد برابر ہوں گے۔ ۔۔ پھر ان ناقدین کے بعد جو کوئی راویوں کے بارے میں گفتگو کرے گا وہ انہی کے اقوال کو مبنیٰ بنا کر گفتگو کرے گا۔ اور انہی کا حوالہ دے گا۔ اس لئے اب یہ اختلاف برابر برقرار رہے گا، پھر متاخرین کا، ائمہ جرح وتعدیل میں سے جس کسی کے ساتھ اعتقاد زیادہ ہوگا وہ اسی کا اتباع کریں گے اور جرح وتعدیل میں سے کسی ایک کو ترجیح دیں گے۔ لیکن ایک کا اعتقاد چونکہ دوسرے کے حق میں واجب اللحاظ نہیں ہے اس لئے فیصلہ کیونکر ہوگا؟ اور کس ناقد کے قول کو ''قولِ فیصل'' قرار دیا جائے گا؟

''باقی روایتِ مرفوع، اُس کے کسی طریقہ (سند) میں کلام ہے تو ایسا کلام تو حدیثِ عُبادہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے۔ محمد بن اسحٰق کی تعدیل اگر کسی نے کی، تو اُن کا کہا قولِ فیصل نہیں ہوسکتا۔ رُوَات ﴿ کتاب کے تمام نسخوں میں یہاں لفظ ''روایت'' ہے مگر صحیح لفظ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ جو راوی کی جمع ہے۔ ۱۲﴾ کا حال، اوّل تو مشاہدۂ افعال سے منتزع ہوتا ہے۔''

اُس ﴿اس میں یعنی جرح وتعدیل میں ۱۲﴾ میں اختلاف ہو تو وہ درحقیقت اختلافِ انتزاع ہے، اور تعارضِ ظن وتخمین ہے۔ اگر مراتبِ انتزاع میں سب برابر ہیں، تو بشرط تساویٔ مشاہدہ اعتبار میں بھی سب برابر ہوں گے، اُن کے بعد جو کوئی کہے گا اُنہیں کے حوالہ سے کہے گا جس کسی کو متاخرین میں سے، منجملۂ ائمہ جرح وتعدیل، کسی کا اعتقاد زیادہ ہو، اُس نے اُسی کا اتباع کیا ایک کا اعتقاد دوسرے کے حق میں واجب اللحاظ نہیں، جو اُس کا قول ''قولِ فیصل'' سمجھا جائے۔

درایت ہی قولِ فیصل ہوسکتی ہے

یہ بات درایت ہی میں ممکن ہے کہ بعد کے لوگ ٹھکانے کی بات پالیں۔ جرح و تعدیل میں یہ بات ممکن ہی نہیں ہے۔ پس اگر بعد کے لوگوں میں سے کوئی احکام کا ''مبنیٰ'' معلوم کرلے جس کی وجہ سے ہر حکم برمحل ثابت ہوجائے تو اس کا قول ''قولِ

فیصل'' سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ہم نے احکام کا ''مبنٰی'' پالیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر حکم برمحل ہو جاتا ہے۔

''یہ بات درایت میں متصور ہے۔ یعنی اگر کسی نے بنائے احکام کا پتہ لگا دیا۔ جیسا بشرطِ انصاف اوراقِ معروضہ میں ہوا ہے۔ تو پھر ہر حکم ٹھکانے لگ جاتا ہے، اور اِس لئے اس کا قول ''قولِ فیصل'' ہو جاتا ہے۔''

حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح سند بھی ہے

اگر کوئی کہے کہ محمد بن اسحٰق کی سند کے علاوہ بھی حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کی سند موجود ہے تو یہ بات حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے، وہ بھی باللفظ یا بالمعنی اور سندوں سے مروی ہے۔ موطا محمد رحمۃ اللہ علیہ میں اس کی سند علی شرط الشیخین موجود ہے۔ جو یہ ہے:

قال محمد اخبرنا ابو حنیفة، قال: حدثنا ابو الحسن موسٰی بن ابی عائشة ، عن عبداللّٰه بن شداد بن الهادِ عن جابر بن عبداللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلمؑ انه قال: من صَلّٰی خلف الامام، فان قراء ة الامام له قراء ة (ص۹۴)

''امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے، ان سے ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشہ نے، وہ عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، اور وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی قرأت اس کے لئے (بھی) قراءت ہے۔

یہ حدیث علیٰ شرط الشیخین ہے کیونکہ علیٰ شرط الشیخین کا مطلب حازمی نے ''شروط الائمة الخمسة'' میں یہ لکھا ہے کہ اسناد متصل ہوں، راوی مانا ہوا، سچا، تدلیس نہ کرنے والا ہو، نیز اس کی معلومات میں خلط و اشتباہ بھی نہ ہوا ہو، صفاتِ عدالت کے ساتھ متصف ہو، یادداشت والا، سلیم ذہن والا، قلیل وہم والا، اور برحق اعتقاد والا ہو۔ (فتح المغیث ص۱۷) مذکورہ سند اس معیار پر پوری اُترتی ہے۔ پس وہ علیٰ شرط الشیخین ہے۔

پھر اگر حدیثِ عُبادہ رضی اللہ عنہ اور طُرُق (سندوں) سے مروی ہے تو حدیث من صلّٰی بھی باللفظ یا بالمعنی اور طُرُق سے مروی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی مؤطا کو مطالعہ فرمایئے گا، اُس میں بعض طُرُق ایسے بھی نکلیں گے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ کہ علیٰ شرط الشیخین ہوں۔

چھلنی بھی بولی

اور دار قطنی رحمہ اللہ نے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مذکور سند پر جرح کرتے ہوئے جو کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ﴿دار قطنی رحمہ اللہ کے نقد کے لئے دیکھئے نصب الرایہ، ص ۸، ج ۲، اور اُن کے نقد کے جواب کے لئے ملاحظہ فرمایئے نصب الرایہ کا حاشیہ بغیۃ الالمعی ص ۸، ج ۲﴾ ضعیف ہیں تو یہ سراسر ناانصافی کی بات ہے اور تعصب کی وجہ سے ہے ۔کیونکہ روایت میں اگر فقہاء کا اعتبار نہیں تو دوسروں کا بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں دار قطنی کو جن کی حیثیت عرفی سب کو معلوم ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر نقد کرنے کا حق کہاں سے پہنچتا ہے؟ چھلنی بھی بولے جس میں ستر (۷۰) سوراخ ہوتے ہیں؟!

اور یہ بات سراسر تعصب اور نا اِنصافی کی ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا روایت میں اعتبار ہی نہ کیا جائے۔ اگر روایت میں فقہاء کا اعتبار نہیں تو اَوروں کا بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔

روایتی بحث نہ کرنے کی وجہ

کیا کیجئے! اس ویرانہ ﴿یعنی قصبۂ نانوتہ، دیکھئے قبلہ نما ص ۲۹، (مطبوعہ معارف القرآن)﴾ میں موادِ کتب حدیث کا بالکل پتہ نہیں اور دیوبند اور سہارن پور میں اگر بعض کتابیں ہوں بھی تو یہاں سے دُور! علاوہ بریں کچھ بوجہ توارِ امراض، ناتوانی، کچھ قدیم کی تن آسانی، کتاب دیکھنی ایک موت ہے، ورنہ اس باب ﴿یعنی روایات کے سلسلہ میں ناظرین کرام روایتی بحث کے لئے علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "فصل الخطاب فی مسئلہ اُم الکتاب" دیکھیں﴾ میں کچھ لکھتا۔

بہ ناچاری اپنے ہی خیالات پر اکتفا کرتا ہوں۔ میرے احباب تو بوجہ حُسنِ ظن و محبت، تحقیقاتِ دانشمندانہ سمجھیں گے، پر اور لوگ شاید ان خیالات کو، خیالاتِ شاعرانہ سمجھیں۔ اور اس لئے لکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ مگر دُنیا باُمید قائم، یوں سمجھ کر کہ شاید آپ کو یہ مَشرَب موافقِ مذاق نظر آئے۔ کچھ تو لکھ چکا ہوں۔ اور کچھ اور لکھتا ہوں۔

اعتراض

سنئے! شاید تقریراتِ گذشتہ کو سُن کر کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر امام موصوف بالذات ہے، اور اس وجہ سے امام اور مقتدیوں کی نماز واحد ہے، تو مقتدی کے ذمہ، طہارت اور ستر عورت اور استقبالِ قبلہ اور رکوع و سجود بھی نہ ہونا چاہئے۔ یہ بار بھی امام کے ہی سر رہا ہوتا! ادھر سبحٰنک اور تسبیحات اور التحیات، اور درود و دُعا، اور تکبیر و تسلیم بھی جس درجہ میں مطلوب ہیں۔ اُسی سے مطلوب ہوتیں!

جواب...... عالمانہ تقریر

واسطہ فی العروض میں ذوالواسطہ کے وصف کے ساتھ متصف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ واسطہ کے احاطہ میں ہو، خارج نہ ہو، مثلاً مسافروں کے متحرک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ٹرین، موٹر اور کشتی کے احاطہ میں ہوں، دریا میں یا دنیا میں کہیں ہونا کافی نہیں ہے۔ یا مثلاً سورج کی روشنی سے منور ہونے کے لئے اُسی کی عملداری میں ہونا ضروری ہے، بُعدِ مجرد ﴿بعد مجرد فضا اور خلا اور امتداد ہے جو زمین اور آسمان کے بیچ میں نظر آتا ہے اور جس میں تمام عالم کے اجسام سمائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں (قبلہ نما ص ۱۳۴، مطبوعہ معارف القرآن)﴾ میں کہیں ہونا کافی نہیں ہے، اسی طرح امام کے واسطہ سے نماز کے ساتھ متصف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مقتدی، امام کی نماز کے احاطہ میں ہو، خارج نہ ہو۔ اور نماز نام ہے حضوریٔ دربارِ خداوندی کا۔ امام کے ہر قول و فعل سے یہ بات آشکارا ہے۔ سبحٰنک میں کاف

خطاب اور اِھْدِنَا میں صیغۂ خطاب، اور دست بستہ کھڑا ہونا، پھر کبھی جھکنا، کبھی سر رکھ دینا، اور نماز سے فارغ ہونے پر سلام کرنا کمالِ حضوری پر دال ہیں۔

پس مقتدی کا کہیں ہونا اور کسی حال میں ہونا تو کیا کافی ہوتا۔ امام سے ہٹ کر دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا یعنی اپنی علیحدہ نماز میں ہونا بھی کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ امام ہی کی نماز کے احاطہ میں ہو یعنی نماز میں اُسی کے ساتھ ہو اسی وجہ سے مقتدی پر اقتداء کی نیت ضروری ہے اور جب مقتدی کے لئے بھی حضورِ دربار خداوند ذوالجلال ضروری ہو، تو جس طرح حُکّامِ دنیا کے دربار کی حاضری کے لئے پاکی، لباس کی دُرستگی، بوقتِ حاضری ان کی طرف توجہ اور آدابِ دربار کی بجا آوری ضروری ہے۔ اسی طرح دربارِ خداوندی میں حاضری کے لئے بھی یہ چیزیں ضروری ہوں گی۔

خلاصہ یہ کہ معترض نے جن باتوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ وصفِ صلوٰۃ (نمازیت) کے تقاضے سے نہیں ہیں ورنہ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے پیشِ نظر لازم تھا کہ نماز میں شروع سے آخر تک بس فاتحہ ہی فاتحہ ہوتی؟ پس ثابت ہوا کہ یہ تمام چیزیں حضوریٔ دربار کے تقاضے سے ہیں۔ اور پہلے یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ یہ دونوں اعتبار ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اگرچہ ایک ہی مصداق یعنی نماز کو دونوں عارض ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ نماز کی حقیقت تو صرف قراءت ہے اور رکوع وسجود وغیرہ نماز کی حقیقت کے متعلقات ہیں تو پھر طہارت وغیرہ نماز کی حقیقت کو عارض نہ ہوں گے بلکہ اس کے متعلقات کو عارض ہوں گے۔ پس مصداق بھی متحد نہ رہے گا۔

الغرض یہ دونوں اعتبار ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور ہر ایک کے احکام جُدا ہیں۔ پس چونکہ حضور میں امام اور مقتدی سب مشترک ہیں، تو اس کے مقتضیات میں بھی سب مشترک رہیں گے۔ اور نماز میں امام تنہا ہے، تو قراءت صرف اس کے ذمہ رہے گی اور اقتداء کی نیت صرف مقتدیوں کے ذمہ رہے گی۔ کیونکہ نیت بالعرض وصفِ نماز کے ساتھ متصف ہونے کے مقتضیات میں سے ہے اور چونکہ واسطہ فی العروض میں واسطہ،

ذوالواسطہ سے مستغنی ہوتا ہے اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جیسے انجن اپنے ڈبوں سے مستغنی ہوتا ہے۔اس لئے امام کے ذمہ امام ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

اب امام بخاری ﴿امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''جزء القراءۃ'' میں یہ اعتراض امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر کیا ہے۔اس رسالہ کی نہایت عمدہ تلخیص زیلعی رحمہ اللہ نے ''نصب الرایہ'' میں کی ہے۔ دیکھئے نصب الرایہ ص۱۹، ۲۰، ج۲﴾ رحمہ اللہ کا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ثناء ودُعا اور تسبیحات...جو چنداں ضروری نہیں ہیں...وہ تو مقتدیوں کے ذمہ رہیں اور قراءت بالخصوص فاتحہ، مقتدیوں کے ذمہ نہ رہے، یہ عجیب بات ہے۔ جواب کی تقریر تمام ہوئی۔اس جواب میں چند باتیں ضمناً زیر بحث آئی ہیں، ان کی تفصیل ذیل میں عرض کی جاتی ہیں:

سلام کی حکمت

نماز سے فارغ ہونے پر دائیں بائیں سلام پھیرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ بوقتِ نماز، گویا میں اس عالم سے باہر چلا گیا تھا، اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر، اُس کی درگاہ میں پہنچ گیا تھا، اس کے بعد اب پھر واپس آیا ہوں، اور موافق رسمِ آئندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں۔ ﴿قبلہ نما ص۳۶، مطبوعہ معارف القرآن﴾

کیونکہ معمولی غیبت پر سلام مسنون ہے۔حدیث شریف میں ہے:

''اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَۃٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ'' (ابو داؤد ص ۳۵۲، ج۲، کتاب الادب ، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ یُسَلِّمُ علیہ ؟)

ترجمہ: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی (مسلمان) سے ملے تو اُسے سلام کرے۔ پھر اگر دونوں کے درمیان درخت، دیوار یا پتھر آ جائے اور پھر ملاقات ہو تو (دوبارہ) سلام کرے۔''

جب اس معمولی غَیْبَتْ پر سلام مسنون ہوا تو غیبت کبریٰ ختم ہونے پر سلام کیوں مسنون نہ ہوگا؟ اور غیبتِ کبریٰ سے مراد اس عالم امکان سے عالمِ وجوب میں پہنچ جانا ہے۔یعنی بندے کا اِس عالم ظلماتی سے بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں حاضر ہو جانا ہے۔

اقتداء کی نیت ضروری ہے

مقتدی بن کر نماز پڑھنے کے لئے متعدد شرطیں ہیں منجملہ ان کے نیتِ اقتداء ہے۔ اقتداء کی نیت کئے بغیر کوئی کسی کا مقتدی بن ہی نہیں سکتا، رَبْطُ صَلٰوةِ الْمُؤْتَمِّ بِالْإِمَامِ بِشُرُوْطٍ عَشَرَةٍ نِيَّةُ الْمُؤْتَمِّ الْإِقْتِدَاءَ الخ (شامی ص ۵۱۲، ج ۱)

حضرت رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اتصافِ عرضی کا تقاضا یہی ہے مثلاً ڈبے جب تک انجن سے نہ جڑیں گاڑی کیسے چلے گی؟

امام کے لئے امام ہونے کی نیت ضروری نہیں

امام کے لئے امام ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص آ کر اس کی اقتداء کرلے تو مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ البتہ امام کو امامت کا ثواب اُس وقت ملے گا جب وہ امام ہونے کی نیت کرے۔ یہ مسئلہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔ (شامی ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۴۸۴ ج ۱)

یہاں سے ایک اور اختلافی مسئلہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا امام پر عورتوں کی امامت کی نیت ضروری ہے؟ یعنی اگر عورت مقتدی بن کر نماز پڑھے تو کیا اس کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے، کہ امام اس کی امامت کی نیت بھی کرے؟

نماز جنازہ میں بالاتفاق نیت کی حاجت نہیں ہے۔ اور جمعہ اور عیدین میں اصح قول یہ ہے کہ اس کی حاجت نہیں ہے۔ مسئلہ محاذات میں بالاتفاق ضرورت ہے اور ان کے علاوہ نمازوں میں اختلاف ہے۔ (دیکھئے شامی ص ۳۹۵، ج ۱، و ص ۵۳۹، ج ۱)

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کی اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اور نمازوں میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح مردوں کی نماز صحیح ہونے کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح عورتوں کی نماز صحیح ہونے کے لئے بھی نیت ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہ بھی کی ہو تب بھی ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور مسئلہ محاذات میں نیت کی حاجت ایک اور وجہ سے ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس لئے یہ گذارش ہے کہ عروضِ وصف کے لئے یہ ضرور ہے کہ

معروض یعنی موصوف بالعرض احاطۂ موصوف بالذات سے خارج نہ ہو۔ دریا میں بھی کہیں ہونا، استفادۂ حرکتِ سفینہ کے لئے کافی نہیں، اُسی کے احاطہ میں ہونا ضرور ہے۔ شعاعوں کے نور سے مستفید ہونے کے لئے بُعدِ مجرد میں سے کَیْفَ مَا اتَّفَقَ کہیں رہنا کافی نہیں، انہیں کے احاطہ میں ہونا ضرور ہے ایسے ہی امام سے استفادہ صلوٰۃ کے لئے کہیں ہونا کافی نہیں، اُسی کے احاطۂ صلوٰۃ میں ہونا ضرور ہے۔

مگر امام کے ہر قول و فعل سے نمایاں ہے کہ وہ بقدرِ وسعتِ حال اِدھر سے غائب ہوگیا۔ اور خدا کی درگاہِ بے نہایت میں حاضر ہے۔ خطاب سُبْحٰنَکَ، اور سوال اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، اور دست بستہ کھڑا ہونا، پھر کبھی جھکنا، اور کبھی سر رکھ دینا بدرجۂ کمال اس حضور پر دال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اختتامِ صلوٰۃ پر سلام کو رکھا گیا۔ کیونکہ انقطاعِ غَیْبَت فی الجملہ پر جب سلام مسنون ہوا، تو اس غَیْبَتِ کبریٰ کے انقطاع کے بعد، سلام کیوں نہ مشروع ہوگا؟ اس سے زیادہ اور کون سی غَیْبَتْ ہوگی، کہ عالَمِ امکان سے غائب ہوکر عالَمِ وجوب میں پہنچا؟

بالجملہ امام وقتِ نماز دربارِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے۔ اس صورت میں کسی حال میں، کہیں ہونا تو کیا، اُس درگاہِ بے نہایت میں بھی امام سے علیحدہ ہوکر حاضر ہونا کافی نہیں۔ وہ درگاہ تو بے نہایت ہے، دریا سب متناہی ہیں، جب اُن میں خارج از احاطۂ سفینہ ہونا کافی نہیں تو بارگاہِ غیر محدود ربِّ معبود میں کہیں ہونا کیا نافع ہوگا؟ اُسی کے احاطہ میں اور اُسی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہوئی کہ نیتِ اقتداء ضرور ہے یعنی بہ مقتضائے اِتِّصَافْ بالعرض نیتِ اقتداء مقتدی کے ذمہ ضروری ہے۔

اس صورت میں مقتدی کو بھی حضورِ دربارِ خداوندِ عالَم ضرور ہے مگر حضورِ دربارِ حکامِ مجازی و شاہانِ دُنیا کو یہ لازم ہے کہ حاضر ہونے والا نہا دھو کے، لباس درست کر کے، وہاں پہنچے تو منہ اُدھر کو ہو، آدابِ دربار بجالائے، (تو) حاضرانِ دربارِ خداوندی کے ذمہ یہ کیوں نہ ہوگا کہ پہلے پاک صاف ہولے، لباس مناسب پہنے، پہنچے تو رُوئے نیاز اُدھر کو رہے، اپنے اپنے موقع پر آداب مناسب بجالائے؟

الغرض یہ اُمور، جو مقتدی کے ذمہ واجب ہیں۔ تو بہ مقتضائے وصفِ صلوٰۃ

نہیں، ورنہ لازم تھا کہ بہ مقتضائے حکم لاصلوٰۃ اوّل سے آخر تک سوائے فاتحہ کچھ نہ پڑھا جاتا، بلکہ وجوب علی المقتدی یا استحباب بہ مقتضائے وصفِ حضور ہے۔ اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ دونوں اعتبار متغائر ہیں، گو ایک ہی مصداق پر عارض ہوں، اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اصل صلوٰۃ وقراءتِ معہودۃ ہے اور رکوع وسجود وغیرہ ملحق بالصلوٰۃ، تو اتحادِ مصداق بھی نہیں رہتا۔ الحاصل یہ دونوں اعتبار متغائر ہیں۔ اور ہر ایک کے آثار اور مقتضیات جدا جدا۔ چونکہ ''حضور'' میں دونوں برابر ہیں، تو اُس کے آثار بھی مشترک رہیں گے اور صلوٰۃ میں امام منفرد ہے تو قراءت جو اُس کے مقتضیات میں سے ہے۔ امام ہی کے ساتھ خاص رہے گی۔ اور نیتِ اقتداء جو مقتضیاتِ استفادہ اور اتصاف بالعرض میں سے ہے۔ مقتدی کے ساتھ مخصوص رہے گی اور چونکہ موصوف بالذات کو معروضات سے استغناء لازم ہے، تو اس کے ذمہ نیتِ امامت نہ ہوئی۔

اور اِس وقت یہ اِستبعاد بھی مُندَفع ہو جائے گا کہ سبحٰنک اور تسبیحات اور التحیات تو مقتدی کے ذمہ رہیں، حالانکہ فی حدّ ذاتہ چنداں ضروری نہیں، اور قراءت، جو بہ مقتضائے آیت **فَاقْرَءُ وْا** ضروری ہے، بالخصوص فاتحہ جس کی ضرورت پر نصِ قاطع **لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ** موجود ہے، اُس کے ذمہ نہ رہے!

جواب......عوامی تقریر

اور عام طور پر اس مضمون کو بیان کیجئے تو پھر اُس کی صورت یہ ہے کہ آدابِ دربار اور سلام، تو سبھی حاضرانِ دربار بجالایا کرتے ہیں، پَر عرضِ مطلب کے وقت اور استماع (سننا ۱۲) جواب کے لئے کوئی ایک ہی آگے بڑھا کرتا ہے۔ اور کسی لائق ہی کو آگے بڑھایا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر سبحانک اور تسبیحات اور التحیات اور تکبیرات، سب بجالائیں، اور قراءت، جو درحقیقت عرض مطلب ہے یا اُدھر کا جواب، فقط امام ہی کے ذمہ رہے تو کیا بے جا ہے؟ اس صورت میں بھی امام کی افضلیت کے محمود اور مطلوب ہونے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے۔

اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

نزاعی مسائل کے سلسلہ میں حکمِ خداوندی ہے کہ

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا" (سورۃ النساء، آیت ۵۹)

ترجمہ: "پھر اگر کسی اَمر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو، تو اس اَمر کو اللہ تعالیٰ اور رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالہ کر دیا کردو، اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام خوشتر ہے!

آج اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ اپنے اختلافات کو قواعدِ مقررۂ شرع پر منطبق کر دیکھو۔ چنانچہ جب ہم نے ایسا کیا تو ہمیں ترکِ قراءت و مقتدی کا فاتحہ نہ پڑھنا، زیادہ مناسب نظر آیا تو گویا اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے ہی حق میں فیصلہ فرما دیا! اور حامیانِ قراءت اگر کہیں کہ چونکہ قراءتِ فاتحہ کی روایت، ترکِ قراءت کی روایت سے زیادہ قوی ہے اس لئے اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ (۱) اَوّلاً تو آپ کا یہ دعویٰ ہی غیر مسلّم ہے، اہلِ انصاف کبھی اسے تسلیم نہیں کر سکتے۔

(۲) اور اگر بالفرض ہم قراءتِ فاتحہ کی روایت کو زیادہ قوی مان لیں، تو چونکہ اس کے مقابلہ میں ہماری روایت، ترکِ قراءتِ فاتحہ کی بھی ہے، جو قوی ہے، اس لئے اب قوی کے مقابلہ میں اقوی پر عمل کو "احتیاط پر عمل" کا نام تو دیا جا سکتا ہے مگر اُسے "اللہ، رسول کا فیصلہ" کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ اور "احتیاط پر عمل" کا حکم اُسی وقت تک ہے جب تک معاملہ میں اشتباہ باقی رہے لیکن جب حقیقتِ حال منکشف ہو جائے تو پھر "اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ" پر عمل ضروری ہوگا۔

(۳) پھر جب یہ دیکھا جائے کہ آپ کی "اقوی" روایت کا تعارض آیتِ پاک وَ

اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ سے ہے۔ تو قوت باعتبارِ اسناد بھی ہماری ہی طرف رہتی ہے، کیونکہ ہمارا مستدل قرآن ہے، جو متواتر ہے اور آپ کا مستدل حدیث ہے جو خبر واحد ہے۔

فائدہ: مذکورہ جوابوں میں سے دوسرے جواب سے یہ بات واضح ہوئی کہ کسی روایت کو درایت سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ اُس قوت سے بڑھ کر ہے جو اُسے صرف، اسناد کی قوت سے حاصل ہوتی ہے اور اسی وجہ سے فقیہ کی روایت کا زیادہ اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ روایت بالمعنیٰ اکثر ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے فہم کی زیادہ ضرورت ہے۔

اس سب گذارش کے بعد پھر گذارش ہے کہ حسب ارشاد ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا'' (سورۃ النساء، آیت ۵۹) ترکِ قراءت خلف الامام، قراءۃ المقتدی سے ''خیر'' اور ''احسن'' معلوم ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم سے کم فہموں کو جتنا ترکِ قراءت قواعد مقررہ شرع پر منطبق معلوم ہوتا ہے، اتنا قراءۃ خلف الامام کو منطبق نہیں پاتے۔ البتہ حامیانِ قراءۃ خلف الامام، اس باب میں، اگر بول سکتے ہیں، تو اتنا ہی بول سکتے ہیں کہ روایت قراءۃِ فاتحہ، روایاتِ ترکِ قراءۃِ فاتحہ سے ''اقویٰ'' ہے۔

مگر اوّل تو یہ دعویٰ غیر مسلم، اہلِ انصاف تو عجب نہیں کہ اس بات کو تسلیم نہ کریں۔

(۲) اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم ہی کیجئے، تو اس کو ''عمل بالاحوط'' کہنا چاہئے، از قسم رُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ''عمل بالاحتیاط'' اسی وقت تک ہے جب تک حقیقتِ حال معلوم نہ ہو۔ اگر حقیقت الامر منکشف ہو جائے، تو پھر احتیاط کے لئے موقع ہی نہیں رہتا۔

اس جا سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قوتِ روایت باعتبارِ درایت، قوتِ سند سے بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فقہاء کا سند میں زیادہ اعتبار ہوا۔ اور کیوں نہ ہو؟ روایت بالمعنیٰ اکثر ہوتی ہے اور اس میں فہم ہی کی زیادہ ضرورت ہے۔ بالجملہ باعتبار

درایت، نسخ قراءت مقتدی زیادہ مُوَجَّہ ہے۔ پھر اس پر تعارض آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ سے قوت باعتبارِ سند بھی تارکانِ قراءت ہی کی طرف رہی۔

گِلہ اُن کی جفا کا!

اس پر بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کئے جائیں، اور تارکانِ قراءت پر عدم جوازِ صلوٰۃ (نماز صحیح نہ ہونے) کا الزام ہوا کرے تو کیا کیجئے، زبانِ قلم کے آگے کوئی آڑ نہیں، دیوار نہیں، پہاڑ نہیں! ہم کو دیکھئے باوجود توجیہاتِ مذکورہ اور استماعِ تشنیعاتِ معلومہ، فاتحہ پڑھنے والوں سے دست و گریبان نہیں ہوتے، بلکہ یوں سمجھ کر کہ ہم تو کس حساب میں ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی باوجود عظمتِ شان، امکانِ خطاء سے منزّہ نہیں! کیا عجب ہے، کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ ہی صحیح فرماتے ہوں۔ اور ہم ہنوز ان کے قول کی وجہ کو نہ سمجھے ہوں (اس وجہ سے) اس اَمر میں زیادہ تعصب کو پسند نہیں کرتے۔ پَر جس وقت امام علیہ الرحمۃ کی توہین سُنی جاتی ہے (تو) دِل جَل کر خاک ہو جاتا ہے اور یوں جی میں آتا ہے کہ ان زبان درازیوں کے مقابلہ میں ہم بھی لن ترانیوں پر آ جائیں۔ اور دو چار ہم بھی سنائیں! پَر آیت:

"وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" (الفرقان، آیت ۶۳)

"اور جب ان سے بے سمجھ لوگ بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: صاحب سلامت۔"

"وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا" (الفرقان، آیت ۷۲)

ترجمہ: "اور جب بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے ہو کر گذرتے ہیں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔"

اور احادیثِ ﴿ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ "وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ" (الانفال، ۴۶)۔ ترجمہ: "اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی" اور احادیث میں اصلاح ذات البَین کی تاکید وارد ہوئی ہے اور فساد ذات البَین سے روکا گیا ہے۔۱۲﴾ منع نزاع مانع ہیں۔

افاضاتِ قاسمیہ

اَسْرَارُ الطَّهَارَةِ

(اُردو)

حضرت مولانا عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ ''اجوبہ اربعین'' کے مقدمہ میں اِس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں: یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے اور اس کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں ''طہارۃ'' کے ''اسرار وحکم'' اور عجیب وغریب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ قہقہہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضوء ہوتے ہیں؟ اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں۔ جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

حضرت جد امجد قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ العزیز کے وہ علوم و معارف جن سے اسرار شریعت اور حقائق اسلام آفتاب جہاں تاب کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اگر کُل کے کل نہیں تو کم از کم وہی ہم تک پہنچ جاتے جو حضرت کے زبان و قلم سے وقتاً فوقتاً منصہ ظہور پر آتے رہے۔ لیکن افسوس کہ ہم تک وہ حصہ بھی سب کا سب نہیں پہنچ سکا۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ خاص حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ) ''انتصار الاسلام'' میں وعدہ دے رہے ہیں کہ میں نے حضرت کی سوانح مرتب کی ہے جس میں بیشتر علوم و معارف اور ملفوظات کا حصہ ہوگا اور جس کا حجم تقریبا ہزار صفحہ تک پہنچ جائے گا جو عنقریب شائع کی جائے گی۔ مگر صد حسرت کہ مولانا فخر الحسن صاحب کی وفات ہوگئی لیکن اس کا کوئی حصہ بھی زیور طباعت نہ پہن سکا۔ اور آج تک یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ لعل و جواہر کا بے بہا ذخیرہ کس سرزمین میں مدفون ہے۔ میرے حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اُس کی تلاش میں گنگوہ اور کان پور (وطن انتقال مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا سفر کیا اور مولانا کے ورثہ سے قرار واقعی تفتیش کی لیکن مقصد کا کوئی نشان نہ مل سکا۔

اسی طرح حضرت قبلہ نے متعدد بار یہ بھی ذکر فرمایا کہ مدراس کے ایک عالم نے (جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ اور مجلس نشین تھے) حضرت کے ملفوظات جمع کئے جن کا مجموعہ ہزار صفحات سے زیادہ تھا۔ عالم موصوف اپنے وطن واپس ہوئے اور ان کی وفات ہوگئی۔ مگر ساتھ ہی اُس مجموعہ نے بھی وفات پائی اور آج تک پتہ نہیں کہ اس کے اوراق کہاں کہاں پریشان ہوئے اور عام طبقہ اہل علم کو پریشان رکھنے کے لئے کس فردِ واحد کے لئے باعث جمعیۃ خاطر بنے میرے حضرت قبلہ نے حسب بیان خود مدراس کا سفر بھی اس مجموعہ کی خاطر کیا مگر سفر بے ثمر ہوا اور اس طرح دو اڑھائی ہزار صفحات کے گہرے علوم سے خدام و تلامیذ محروم رہ گئے۔

تصنیف و تالیف کا خود حضرت کو ذوق نہ تھا اور اگر تقریر دل پذیر بہ صورت تصنیف تحریر بھی فرمانی شروع کی تو وہ درمیان ہی میں رہ گئی اور عمر عزیز درمیان سے نکل گئی۔ مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض مطبوعہ تحریرات میں یہ بھی ظاہر فرما رہے ہیں کہ حضرت کے سنے ہوئے مضامین کی مدد سے میں نے تقریر مذکور کی تکمیل کی ہے۔ اور ان مقاصد کو حضرت ہی کے رنگ میں روایت بالمعنی کے طور پر کھول دیا ہے جن کا اس رسالہ سے حضرت نے اِرادہ فرمایا تھا۔ مگر اس تتمہ کا بھی کوئی پتہ نشان دستیاب نہیں ہوتا۔ افسوس کہ حرماں کے ساتھ حسرت و تأسف کی بھی تکمیل ہوگئی۔ اور جس طرح جمع شدہ ملفوظات از دست رفتہ ہو گئے تھے کوئی تصنیف بھی تلافی نہ کر سکی۔

اللہ تعالیٰ ہزار دن برکتیں نازل فرمائے اُن حضرات پر جنہوں نے خطوط کے ذریعہ مختلف سوالات کئے اور حضرت نے جوابات کے ذریعہ اپنے مخصوص حقائق و معارف کی روشنی اُن کے سامنے پیش فرمادی۔ اور انہوں نے ان سوالات و جوابات کو حلیہ طباعۃ آراستہ کر دیا۔ آج جس قدر رسائل بھی حضرت کی علمی دنیا میں نور افزائے بصیرت ہو رہے ہیں وہ درحقیقت مختلف خطوط اور سوالات کے جوابات میں جن کو خدام نے الگ الگ کر کے رسالوں کی صورت میں شائع کر دیا اور خود ہی ان

رسالوں کے مناسب نام بھی تجویز کر دیئے۔

فجزاھم اللّٰہ عنّا و عن جمیع العلماء احسن الجزاء. والحمد للّٰہ علٰی ذٰلک

علمی طبقہ میں آج جس قدر بھی حضرت کے علوم اور مخصوص علمی رنگ سے کام لیا جارہا ہے اور جس قدر بھی قصر اسلام کے تحفظ میں ان کے تیار فرمودہ اسلحہ کو استعمال کیا جارہا ہے وہ انہی چند مطبوعہ مکتوبات وملفوظات کی برکت ہے۔ اور بحمد اللہ جماعت دیوبند خدا پر اعتماد کر کے ان چند مختصر ملفوظات ہی کے بل بوتہ پر یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ فلسفۂ جدید وقدیم کتنے ہی نئے روپ بھر کر اسلام کے مقابلہ میں آجائے اور کتنی ہی دِل فریب صورتوں میں حکمیات شریعت کی تخریب کے لئے تیار ہو۔ لیکن اس قاسمی فلسفہ کے سامنے اُس کی طبع سازیاں برقرار نہ رہیں گی اور اُسے ہر میدان میں منہ کی کھانی پڑے گی۔ جیسا کہ متعدد مذہبی اکھاڑوں اور علمی میدانوں میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ ملفوظات اور اس قسم کے مکتوبات بھی جس قدر ملک میں بکھرے ہوئے موجود ہیں اب تک افادۂ عامہ کی سطح پر نہیں آسکے۔ متعدد مضامین خود احقر نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب دام ظلہٗ محدث امروہی (تلمیذ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ) کی زبان سے ایسے سنے جو ان مطبوعہ رسائل میں موجود نہیں۔ نیز پھلاودہ میں حضرت مولانا حافظ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ و خادم خاص حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس متعدد مکتوبات وملفوظات ایسے پائے گئے جو ابھی تک دائرۂ طباعۃ واشاعۃ میں نہیں آسکے تھے۔ احقر نے پھلاودہ کے سفر کا اِرادہ کیا اور یہ اِرادہ بارہا عزم کے درجہ میں پہنچ گیا مگر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حاضری مقدر نہ تھی تقریباً 50ھ میں حافظ صاحب نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ احقر اس حسرت کو دل میں لئے ہوئے بسلسلۂ تعزیت پھلاودہ حاضر ہوا۔ جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب دام مجدہٗ (برادر خورد حضرت حافظ صاحب مرحوم) سے گفتگو کے سلسلہ میں اُن قاسمی جواہر ریزوں سے مستفید ہونے اور دوسروں کو مستفید کرنے کی تمنا ظاہر

کی۔ الحمد للہ کہ ممدوح نے بطوع و رغبت اس ناکارہ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے نقل تحریرات دے دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور حسب وعدہ کچھ عرصہ ہوتا ہے کہ فولسکیپ کی نصف تقطیع کے ستاون صفحے نقل کرا کر ارسال فرما دیئے جو شاد کل ذخیرہ کا کوئی قلیل جزو معلوم ہوتا ہے۔ جس میں بعض ملفوظات ہیں اور بعض مکتوبات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں اور عجیب و غریب نکات و لطائف کا خزینہ ہیں۔ چونکہ اصل تحریرات دستیاب نہیں ہوئیں اور نہ غالباً نقل کے بعد اصل و نقل کا مقابلہ کیا گیا۔ اور پھر اسی کے ساتھ اکثر مضامین میں روایت بالمعنی کی گئی ہیں۔ اس لئے کہیں اِملاء کی غلطیاں اور کہیں نفس عنوان یا تعبیرات کی کوتاہیاں دکھائی دیتی ہیں۔ تاہم اُدب کو ملحوظ رکھ کر اِملاء و تعبیرات میں اس قسم کے مواقع پر قلم زنی کو کام میں لایا گیا ہے۔

خیال یہ ہے کہ ان غیر مطبوعہ تحریرات میں اور اپنی بعض مسموعات کو یکجائی طور پر مناسب عنوانات کے ماتحت پیش کر دیا جائے۔ فی الحال حضرت اقدس کے جس مضمون کو پیش کر رہا ہوں وہ چند مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے۔

(۱) خروج نجاست (بول و براز) ناقض وضوء کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر نجاست کا بدن سے منفصل اور جدا ہو جانا باعث طہارۃ ہونا چاہئے نہ کہ باعث نجاست۔

(۲) خروج ریاح ناقض وضوء کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر ریاح میں کوئی نجاست نہیں اسی لئے خروج ریاح کے بعد مبرز اور کپڑے کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) قہقہہ ناقض وضوء کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر وہ منہ سے سرزد ہونے والا ایک فعل ہے جس کو نجاست اور موضع نجاست سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

اور اسی بناء پر عامۂ فقہاء اس موقع پر وجہ نقضِ طہارت کی تفصیل کے بجائے اتنا لکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ نقض طہارت کا حکم خلاف قیاس کے ایک اَمر تعبدی ہے۔ مگر ایک غیر مسلم یا غیر متدین کیلئے جس کا منتہائے نظر عقل اور قیاس آرائی ہی ہے یہ جواب باعث تسلی و قناعت نہیں ہوسکتا۔

(۴) نوم (نیند) ناقض وضوء کیوں ہے؟ جبکہ اس میں کوئی گندگی و نجاست محسوس نہیں ہوتی۔(۵) خروج منی ناقض طہارت اور موجب غسل کیوں ہے؟ حالانکہ بظاہر منی انسان جیسے اشرف الکائنات اور اس میں بھی اہل اللہ اور انبیاء علیہم السلام جیسے برگزیدہ طبقہ کا مادۂ خلقت ہے پاک مخلوق کا مادۂ خلقت خود بھی پاک اور باعث طہارت ہونا چاہئے نہ کہ ناپاک اور باعث نجاست و ناپاکی۔

ان پنجگانہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے حضرت نے اسلامی وضوء اور غسل کی حقیقت اور نجاست و طہارت کی حقیقی ماہیت پر بحث فرمائی ہے جس سے اسلام کا باب طہارت ایک نہایت ہی روشن طریقہ پر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور اس کے ذیل میں کتنے ہی اور حقائق و معارف بھی کھل جاتے ہیں۔

پہلے سوال کا جواب احقر نے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب دام ظلہٗ محدث امروہی کی زبان مبارک سے سنا اور اپنے الفاظ میں نیز اپنی ہی ذہنی تفصیل کے ساتھ بعد میں قلمبند کرلیا۔ مولانا نے اُصولی و اجمالی تقریر فرمائی تھی۔

احقر نے ضروری تفصیل و ترتیب کے ساتھ موقع بہ موقع اُس میں نصوص شرعیہ کو بھی نقل کر دیا ہے اس لئے طرزِ بیان اور تعبیر احقر ہی کی ہے اور اس لئے اُس کی ہر کوتاہی اسی ناکارہ کی طرف منسوب کی جائے۔ بقیہ چار سوالات کے جوابات ''پھلاودہ'' کی تحریر میں دستیاب ہوئے۔ چونکہ پانچوں سوالات کا موضوع ایک تھا اس لئے احقر نے ان جوابات خمسہ کو ایک ہی ذیل میں جمع کر دیا ہے۔

''پھلاودہ'' سے آئی ہوئی چار جوابات کی تحریر جو ایک مکتوب ہے (مگر مکتوب الیہ کا نام مذکور نہیں) کسی پادری کے اعتراضات کے جوابات میں لکھی گئی ہے۔

کاتب خط نے پادری کے اعتراضات ضرور نقل کئے ہوں گے جن کا جواب حضرت نے تحریر فرمایا ہے مگر جوابی تحریر میں خود اُن سوالات و اعتراضات کو نقل نہیں فرمایا بلکہ سائل کے خط کو سامنے رکھ کر تحریر جواب شروع فرمادی ہے اور ظاہر ہے کہ بغیر

سوال سامنے رکھے ہوئے جواب کی قدر و قیمت بھی پوری طرح واضح نہیں ہوتی اور بہت سے تحریری پہلوؤں کا مبنیٰ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

اس لئے احقر نے خود ہی جوابات سے سوالات کا اندازہ لگا کر یہ چار سوالات مرتب کئے جو اُوپر عرض کئے جا چکے ہیں۔ مزید توضیح و بصیرت کے لئے ہر جواب کی ابتداء میں اس کا متعلقہ سوال الگ الگ بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

چونکہ یہ مجموعہ ایک معتد بہ مقدار پر پہنچ کر رسالہ کی صورت میں آ گیا ہے اور اُس میں طہارت شرعیہ کی حقیقت واضح کی گئی ہے اس لئے اس کا نام ''مفتاح الصلوٰۃ'' رکھ دیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح شریعت میں طہور کا نام دوسرا (جو رسالہ کا موضوع بحث ہے) مفتاح الصلوٰۃ ہی ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے ''مفتاح الصلوٰۃ الطہور (رواہ ترمذی)

اور یہی حدیث ٹائٹل کی پیشانی پر لکھ دی جانی موزوں ہوگی۔ طباعت رسالہ کی تکمیل اور ٹائٹل چھپنے تک اگر کسی کے ذہن میں کوئی اور بہتر اور مناسب نام آیا اور انہوں نے اطلاع دے دی تو شکریہ کے ساتھ اُسی نام کے ساتھ رسالہ کا تسمیہ کر دیا جائے گا۔

آئندہ دوسرے نام میں بھی اگر توفیق رفیق حال ہوئی تو اسی طرح کسی عنوان کے ماتحت پیش کر دیئے جاویں گے۔ و باللہ التوفیق و ھو خیر رفیق

احقر العباد

محمد طیب غفر اللہ خادم دار العلوم دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوٰۃ و السلام علٰی رسولہ محمد سیّد الطاھرین و المتطھرین و علٰی اٰلہٖ و اصحابہ و اھلبیتہ اجمعین.

سوال اوّل: خروج نجاست (بول و براز) ناقض وضوء کیوں ہے۔ حالانکہ بظاہر نجاست کا بدن سے منفصل اور جدا ہو جانا باعث طہارت ہونا چاہئے نہ کہ باعث نجاست۔

جواب: جواب سے پہلے چند عقلی اور حسّی مقدمے ذہن نشین کر لینے چاہئیں تا کہ مقصد فہم کے قریب تر ہو جائے۔

پہلی بات یہ ہے کہ روح و جسم میں باہم کچھ ایسا رابطہ ہے کہ ایک کا ذاتی اور عارضی اثر دوسرے کے ذات اور عوارض پر نمایاں طور پر پڑتا ہے۔ اندرونِ روح میں اگر کوئی باطنی گھن لگ جاتا ہے تو جسم پر کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اور اگر جسم پر کوئی مادّی مصیبت آ پڑتی ہے تو رُوح تحلیل ہونے لگتی ہے۔ پھر اگر جسم میں مادّی آلودگی کے سبب تکدر اور میل کچیل رونما ہو جائے تو رُوح بھی تکدّر کے آثار کو قبول کر لیتی ہے اور اسی طرح رُوحانی عوارض اپنی جلاء و تکدر کے آثار سے جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں پھر ساتھ ہی اس باہمی تاثیر و تأثر میں اس درجہ تطابق اور یکسانی ہے کہ جس درجہ کا خبث و تنجس جسم میں آتا ہے اُسی درجہ کا رُوح میں اور جس درجہ رُوح آلودہ ہوتی ہے اسی درجہ جسم۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ سلاطین و اُمراء کی بارگاہوں میں میلے کچیلے لباس اور آلودگیوں کے ساتھ کوئی باریاب نہیں ہو سکتا۔ ہر درباری اپنے مقدور بھر

صفائی ستھرائی کے ساتھ پیش ہونے کی سعی کرتا ہے اس قاعدہ کے مطابق باور کر لینا چاہئے کہ اگر جسم و رُوح آلودہ ہوں تو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اس وقت تک حاضری کے قابل نہ ہوں گے جب تک اُس آلودگی کو زائل نہ کر لیں۔

ہاں مگر ایک آلودگی اور گندگی تو وہ ہے جو فی الجملہ ہر وقت جسم میں سرایت کئے رہتی ہے۔ جیسے خون اپنے معدن میں یا نجاسات امعاء میں۔ اور ظاہر ہے کہ اُس سے روح بھی فی الجملہ خُبث و تکدر میں رہتی ہے اور اسے دنیا میں انتہائی صفائی حاصل نہیں ہوتی مگر یہ خُبث غیر اختیاری ہے اس لئے اُس کی تطہیر بھی خارج از اختیار ہونے کی وجہ سے معاف ہے۔ اور اگر اس غیر اختیاری آلودگی کے سبب درجات قرب میں کوئی کمی رہتی ہے تو انسان اُن درجات کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا۔ مگر یہ آلودگی فی الجملہ ہے ایسی کامل آلودگی نہیں کہ تمام جسم نجاست کے اثرات سے پُر شمار کیا جائے۔ ہاں اگر یہ آلودگی فی الجملہ کے درجات سے گذر کر جسم کو بھر دے تو بلاشبہ اس آلودگی کو زائل نہ کرنا نہ قابل معافی ہوگا اور نہ بارگاہ حق میں باریاب کر سکتا ہے کیونکہ جب جسم نجاست سے پُر ہو گیا تو ضرور ہے کہ مقدمہ اُولیٰ کی رُو سے رُوح بھی خُبث و نجاست کے اثرات سے پُر ہوگی یعنی جب جمیع بدن نجس ہوگا تو جمیع رُوح بھی میلی اور آلودہ ہوگی۔

رہا یہ کہ امتلاء جسم کیسے معلوم ہو کہ بدن نجاست سے لبریز ہو چکا ہے سو ظاہر ہے کہ امتلاء ظرف کی علامت یہ ہے کہ مظروف اس سے چھلک کر نکلنے لگے۔ اور ظرف میں اُس مظروف کے ٹھہرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کیونکہ جب تک ظرف چھلکتا نہیں پورا بھرتا بھی نہیں اور جب مظروف اُس سے باہر نکلنے لگے تو بھی اُس کے بھر جانے کی علامت ہوگی۔ بالخصوص جب ظرف نگاہوں کے سامنے نہ ہو تو اُس کے امتلاء کے پہچاننے کا طریقہ ہی یہ ہوگا کہ مظروف نکل کر سامنے آنے لگے۔

پس جبکہ باطن جسم کا نجاست سے امتلاء آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ اس لئے لامحالہ اس امتلاء نجاست کو خروج نجاست سے پہچانا جائے گا۔

اور جبکہ یہ خروج نجاست اِمتلاء جسم کی دلیل ہوا تو اس وقت باطن بدن کل کا کل نجس اور آلودہ ہوگا۔ اور اس مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس وقت رُوح بھی اسی درجہ میں آلودگی ونجاست کا اثر لے گی جس درجہ میں جسم آلودہ اور نجس تھا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خروج نجاست کے وقت جو اِمتلاء نجاست کی علامت تھی جسم و رُوح پورے کے پورے نجس ہوتے ہیں اور اس لئے بہ حالت موجودہ دربارِ الٰہی میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔ جب تک کہ اس نجاست کو زائل نہ کرلیں۔

ہاں اس امتلاء کی علامت چونکہ خروج نجاست تھی اس لئے مجازاً اس خروج ہی کو سبب نقض طہارت فرمایا گیا ہے کہ امتلاء سامنے نہیں ہے اور خروج سامنے ہے۔ ورنہ درحقیقت ناقض وضوء یہ امتلاء و پُری نجاست ہے خروج نجاست نہیں۔ اگر اس ہی امتلاء کو ناقض طہارت ظاہر فرما کر اِنسان کو نفس امتلاء کے معلوم رکھنے کا مکلف بنایا جاتا تو کسی کو بھی خروج نجاست سے پہلے اس امتلاء کا پتہ نہ چل سکتا اور تطہیر بدن محال ہو جاتی۔ شریعت نے شفقت وسہولت فرما کر امتلاء کی ایک محسوس علامت (خروج نجاست) بتلا دی اور اُسی پر نجاست کا حکم دائر کر کے تطہیر کا اُمر فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ خروج نجاست کے بعد رُوح میں جتنا تکدر و انقباض محسوس ہوتا ہے قبل از خروج جبکہ نجاست عین بدن میں موجود ہوتی ہے اتنا نہیں ہوتا۔ کیونکہ انقباض ظرف نجاست کے پُر ہو جانے سے ہے اور کامل طریق پر یہ پُری خروج نجاست ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے پیشتر نہیں اس لئے خروج نجاست کے بعد ہی طہارت کی ضرورت ہونی چاہئے تھی اور جبکہ رُوح کے انقباض کا سبب جسم کی آلودگی اور نجاست سے پُری تھی جس نے رُوح کو آلودہ کر کے حاضریٔ دربار الٰہی کے قابل نہ چھوڑا اس لئے ضروری تھا کہ تطہیر کا عمل بھی اَوّلاً جسم ہی پر جاری کیا جائے۔ تا کہ اُس کی صفائی وستھرائی کے ذریعہ رُوح پھر بشاش اور پاک ہو کر حاضری کے قابل ہو جائے۔

ہاں مگر اب ظاہر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ جب جمیع بدن نے نجس ہو کر جمیع رُوح کو

آلودہ بنا دیا ہے تو ہر خروج نجاست کے بعد جمیع بدن ہی کی طہارت کا التزام کیا جائے اور بالفاظ دیگر پنج وقتہ غسل فرض ہونا چاہئے۔ لیکن اس حکیم علی الاطلاق اور رؤف ورحیم نے رحمت کو آگے بڑھا کر اس ضیق تنگی کو (جسے ہر شخص ہر حالت میں برداشت نہ کر سکتا تھا) اس طرح اُٹھا دیا کہ بدن میں سے تطہیر کے لئے چند وہ اعضاء منتخب فرمائے جن کی پاکی حکما تمام اعضاء کی پاکی تھی اور جو سب سے زیادہ حاضری دربار حق کے لئے مستعد اور کار آمد تھے اور ان کا اثر اپنی باطنی قویٰ کی وجہ سے ساری کائنات بدن پر محیط تھا۔ وہ منتخب اعضاء چہرہ اور ہاتھ پیر ہیں۔ کیونکہ انسان کی روحانی طاقتیں دو ہی حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک قوۃ عالمہ اور ایک قوۃ عاملہ۔

بدن کی ساری کائنات انہی دو طاقتوں کے بل بوتہ پر چل رہی ہے اور یہی دونوں قوتیں مل کر دربارِ الٰہی تک رسائی کرانے میں معین کار بنتی ہیں علم نہ ہو تو صحیح عمل ناممکن ہے اور عمل نہ ہو تو علم بیکار اور مائل بہ زوال ہے۔ دونوں ہی کے اجتماع سے دنیا و عقبیٰ کی فلاح میسر آسکتی ہے ان دو قوتوں کے علاوہ ہر قوۃ یا ان کا فروعی اثر ہے یا ان کے لئے مُمد اور معین ہے۔ ظاہر ہے کہ قوۃ عالمہ ومدرکہ کا موضع قرار چہرہ ہے کیونکہ علمی حاسّے باصرہ۔ سامعہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔ حافظہ۔ متخیلہ وغیرہ سب کے سب چہرہ ہی کے دائرہ میں آگے پیچھے جمع کر دیئے گئے ہیں اور قوۃ عاملہ کا مخزن پیر اور ہاتھ ہیں عمل اور کسب ہاتھ کا حصہ ہے لیکن پیر اگر نقل وحرکت چھوڑ دیں اور مقاصد تک آدمی کو نہ پہنچائیں تو ہاتھ کسب ہی کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے قوۃ عاملہ کا اصل مرکز ثقل پیر ہیں اور ہاتھ اس کے وسائل ہیں جن سے عمل کا ظہور ہوتا ہے۔ پس علم ادراک کی قوتیں چہرہ کے دور میں دائر ہیں اور عمل کی قوتیں ہاتھ اور پیروں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لئے ساری کائنات بدن پر علماً وعملاً چہرہ اور ہاتھ پاؤں کا اس طرح پھیلاؤ اور احاطہ ہے کہ اگر ان پر کوئی عمل جاری کیا جائے تو وہ پھیل کر ساری کائنات بدن میں پہنچ جائے اور تمام اعضاء اپنی اپنی استعداد کے موافق اس سے متاثر ہوں۔

اس لئے شریعت نے خروج نجاست کے بعد تمام بدن کو طہارت کا مکلف کرنے کے بجائے فرائض وضو میں انہی اعضاء کو مکلف بنایا چہرہ کے سامنے کا حصہ جس تک سیدھے ہاتھ پہنچتے ہیں دھونا فرض کیا۔ پچھلے حصہ پر جسے گدّی کہا جاتا ہے صرف تری پہنچا دینا کافی سمجھا۔ قوۃ ذائقہ کا محل دہن تھا تو مضمضہ (کلی) کا حکم ہوا۔ باصرہ کا محل آنکھ تھی (مگر اس میں پانی ڈالنا مضر اور بصارۃ کے لئے مہلک تھا) تو ماقین (یعنی ہر دو گوشہ چشم) کا مسح بتلایا نیز آنکھ میں ان کونوں ہی پر میل کچیل جمتا بھی ہے وسط چشم ہر وقت صاف رہتی ہے اس لئے تطہیر کا عمل گوشۂ چشم تک ہی محدود رکھا گیا۔ پھر قوۃ شامہ کا محل ناک تھی تو استنشار (ناک میں پانی دینا) سکھلایا۔ پھر خیشوم (ناک کے بانسہ) میں شیطان رات گزار کر اس راہ سے اپنا اثر عامۂ دماغ تک پہنچاتا تھا تاکہ دماغ سے قوۃ فکر و ذکر زائل کردے اس لئے استنثار (ناک جھاڑنے) کا حکم ہوا قوۃ سامعہ کا محل کان تھے تو کان کے مسح کا ارشاد ہوا۔

نیز سوتے وقت آدمی کی گدّی پر بیٹھ کر شیطان **علیک لیل طویل فارقُدْ** کا منتر پڑھتا تھا تاکہ دماغی فکر کو حوالۂ نسیان وغفلۃ کردے اور اس طرح دماغ کی قوۃِ ادراک باطل ہو جائے اس لئے گدّی کے مسح کا حکم ہوا۔ ادھر تمام قوے درّاکہ وعالمہ کا جامع اور سر پوش سر ہے حسِ مشترک اُسی میں ہے جس سے تمام علمی قویٰ مستفید اور آلات ادراک میں اُسی کے ذریعہ علمی رو پھیلتی ہے بلکہ اُسی کے برتے پر یہ تمام مدرکات کام دیتے ہیں ورنہ اگر دماغ خراب ہو جائے تو سارے حواس معطل ہو جائیں اس لئے سارے سر کی مجموعی طہارت مسح رأس قرار دی گئی اور یہ اس لئے کہ اگر سر پر بجائے مسح کے غسل رکھا جاتا تو بالوں کا پانی جلد خشک نہ ہوتا اور لیل ونہار میں متعدد بار وضوء اور غسل راس سے پانی سر کے بالوں میں جذب ہوتا رہتا تری جلد رفع نہ ہوتی اور اس سے کتنے ہی امراض باردہ دماغ میں قائم ہو جاتے جس سے دماغی قوۃ زائل ہو کر پھر اُسی قوۃ علمیہ پر اثر پڑتا اور بجائے علمی نشاط کے اُلٹا دماغی انقباض پیدا ہو

جاتا جو قلب موضوع تھا۔ اِس لئے شریعت نے یہاں غسل کو ساقط فرما کر مسح کو کافی سمجھا اور حکماً اُسے طہارت اصلیہ کے قائم مقام بنادیا۔

غرض چہرہ کے اگلے اور پچھلے رُخ فوقانی اور تحتانی حصوں کی تطہیر خواہ وہ بصورت غسل ہو یا بصورت مسح رُوح کے اُن قویٰ کا انقباض وتکدر اور باطنی خبث زائل کر دیتی ہے جو مشاعر ادراک اور اسی لئے سر اور پیروں میں مخزن قویٰ ہونے کی حیثیت سے احکام میں تناسب یہی ہے۔

سر میں عام حرج کی بناء پر جس کا ذکر آ چکا ہے، غسل معاف فرما کر مسح رکھا گیا لیکن قدموں میں یہ حرج علی الاطلاق نہ تھا بلکہ کبھی کبھی خفین پہن کر پیدا ہو جاتا تھا کہ اُن کو پیر دھونے کے لئے نکالنا اور پھر پہننا سردی میں ضیق اور تنگی کا باعث تھا اس لئے پیروں میں بالاصالۃ تو غسل فرض فرمایا گیا اور عارضاً جبکہ خفین کے ہوتے ہوئے اس غسل قدم میں دشواری ہو غسل معاف فرما کر وہی سر کا مسح رکھ دیا گیا کہ جیسے سر میں ظاہر رأس پر مسح تھا باطن رأس پر نہیں ایسے ہی اقدام میں بھی ظاہر قدم پر مسح رکھا باطن قدم پر نہیں۔ پس جس طرح سر اور قدم قوۃ علمیہ اور قوۃ عملیہ کے جدا جدا مخزن تھے ایسے ہی حکم مسح میں بھی ایک دوسرے سے متشابہ اور متوافق بن گئے۔

البتہ جتنا فرق حرج اور تنگی کے لحاظ سے تھا اتنا ہی مسح میں بھی نکل آیا۔ سر کا دھونا دائمی طور پر باعث تنگی تھا تو معافی غسل بھی دوامی طور پر ہو کر مسح بھی دائمی طور پر قائم کر دیا گیا اور اقدام میں حرج ایک محدود وقت میں تھا (جبکہ خفین پیروں میں ہوں) تو مسح بھی محدود وقت تک رکھا گیا اور اس کے لئے مدت بھی معین کر دی گئی۔

نیز سر اور قدم کا منبع قوائے علم وعمل ہونا بھی کچھ مسح ہی کا مقتضی تھا۔ کیونکہ منبع و مخزن جس سے آئندہ کسی شے کا پھیلاؤ اور تفصیل متعلق ہے اُس کی حقیقی شان اجمال اور خفتہ وانقباض کی ہوتی ہے جیسا کہ اُس سے نکل کر پھیلنے والے توابع کی شان بسط وتفصیل اور پھیلاؤ کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ باب طہارت میں غسل کی شان تو

انبساط اور پھیلاؤ رکھتی ہے اور مسح کی شان خفتہ پر مبنی ہے۔

اس لئے اصلی مسح کا تعلق سر اور قدم ہی سے ہونا مناسب تھا۔ اور اسی کے ساتھ منبع ومخزن میں شان ستر وحجاب غالب ہوتی ہے اور اس کے تابع اور تابع کی شان ظہور وعیاں کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مسح بھی بذات خود ستر نیز ستر احداث کی شان ہوتی ہے اور غسل میں ظہور اور اظہار احداث کا رنگ غالب۔ نیز غسل کے مقابلہ میں مسح کی شان طہوریت یوں بھی مستور ومخفی ہے جیسا کہ غسل کی شان تطہیر اجلیٰ واوضح ہے اس لئے بھی ان ہر دو منبع کی مسح سے زیادہ مناسبت قائم ہوتی ہے۔

ادھر علم وذکر کا سب سے اعلیٰ مگر چھپا ہوا مخزن قلب تھا جو سارے بدن کا سلطان ہے اور اسی لئے اس کی صلاح وفساد پر تمام کائنات بدن کا صلاح وفساد معلق ہے کہ وہ سلطان اقلیم بدن ہونے کی وجہ سے اس کائنات کا سب سے بڑا اعلم اور علاّمہ ہے۔

قوۃ علمیہ کے خزینہ دار ہیں اور اس طرح قوۃ عالمہ نکھر کر بشاشۃ میں آجاتی ہے اور قرب حق یا حاضریٔ دربار الٰہی کی راہیں کھول دیتی ہے۔

تفاوت اگر ہے تو صرف یہ کہ چہرہ کے بعض اجزاء مجموعی قوائے علمیہ کے مخزن ہیں جنہیں اُصول قوۃ عالمہ کہنا چاہئے۔ جیسے سر جو حس مشترک کا حامل ہے اور بعض اعضاء جزوی اور فروعی قوائے علمیہ کے مخزن ہیں جن کے پردے میں قوائے احساس کی کوئی نہ کوئی نوع چھپی ہوئی ہے جیسے کوئی عضو قوۃ باصرہ کا حامل ہے کوئی قوۃ ذائقہ وسامعہ کا اور کوئی قوۃ شامہ کا ان اُصول وفروع مدرکات میں سے ہر ایک کو شریعت نے طہارت کے دائرہ میں کھینچ لیا ہے اور رُوح کی قوۃ علمیہ کو اس تکدر وآلودگی سے پاک کر دیا ہے جو اِمتلاء نجاست کے سبب اُس میں پیدا ہوئی تھی۔ اور چونکہ علم طبعاً عمل سے مقدم تھا اس لئے فرائض وضوء میں ابتداء بھی چہرہ ہی سے فرمائی گئی۔

ادھر قوۃِ عاملہ جس کو کاروباری قوۃ کہنا چاہئے اور وہ ہاتھ سے متعلق تھی کہ ہر قسم کی صنائع اور اکتسابات کا ظہور ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اور اسی لئے جگہ جگہ قرآن کریم میں

عمل کو "ماکسبت ایدیکم" (ہاتھوں کی کمائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے اس لئے دوسرے مرتبہ میں قرآن کریم نے غسل ید (ہاتھوں کو کہنیوں تک) دھونے کا ارشاد فرمایا پھر زیادہ تر اعمال میں ہاتھوں کی مشغولی کہنیوں تک ہوتی ہے کبھی اتفاقی طور پر کسی بوجھ کو اگر سر پر اُٹھانا پڑ جائے تو مونڈھوں (کندھوں) تک ہاتھ حرکت میں آ جاتا ہے ورنہ عموماً حرکتوں کا مبلغ پرواز کہنی ہے اس لئے ہاتھوں کو کہنیوں تک ہی دھونا فرض فرمایا گیا پھر اس میں بھی زیادہ تر مشغول عمل یا کثیر العمل حصہ پنجہ کا ہے کام اُنگلیوں کی حرکت اور گرفت سے چلتے ہیں اگر کہنی تک ہاتھ پلٹے جائیں لیکن اُنگلیاں گرفت چھوڑ دیں تو اخذ و بطش اور لین دین سب مضمحل ہو جائے اِس لئے تخلیل اصابع واجب ہوئی کہ ہاتھ دھو کر گویا مستقل طریقے پر اُنگلیوں میں خلال کر کے پانی پہنچایا جائے کہ قوۃ عاملہ کے مظاہر یہی اعضاء ہیں۔

اور گویا ہاتھوں کی قوۃ باطشہ کا استعمال مونڈھوں سے اُتر کر نیچے کی طرف کہنیوں اور پھر اُنگلیوں کی طرف بڑھتا گیا ہے اس لئے غسل ید میں بھی تاکیدی احکام بہ نسبت فوقانی اجزاء کے تحتانی اجزاء میں پہنچتے گئے ہیں بلکہ اگر اسی طرح اور نیچے اُترو تو معلوم ہوگا کہ قوۃ عاملہ کا حقیقی مخزن پیر ہیں کہ اُنہی کے بل بوتے پر ہاتھ اور اُنگلیاں کام کرتی ہیں اگر پیر شل ہو جائیں اور آدمی نقل و حرکت سے معذور ہو جائے تو ہاتھ بیکار پڑے رہیں پس عمل کی جو قوۃ پیروں میں مخزون ہے ہاتھ اس کو ظہور میں لاتے رہتے ہیں اور اس لئے جس طرح سر قوۃِ علمیہ کا مخزن تھا اور آنکھ ناک کان وغیرہ اُس کی علمی فروعات تھیں اسی طرح قدم قوۃ علمیہ کے مخزن ہیں اور ہاتھ اُن کی عملی فرع ہیں۔

پس علم کی جڑیں اور باطنی ریشے قلب تک منتہی ہوتے ہیں اس لئے باطنی علوم کا (جو ظاہری علوم کے اُصول ہیں) سب سے اعلیٰ اور عمیق مخزن قلب ہی ہے اور اس طرف چھپے ہوئے اعمال کا خواہ وہ خیر ہوں یا شر سب سے گہرا مخزن شرم گاہ ہے کہ اُس کی تصدیق و تکذیب پر ظاہری اعمال کی خوبی و خرابی کا مدار ہے چنانچہ نامحرم پر نگاہ پڑ

جانے آواز آجانے اور ذکر ہونے سے اُس پر جو کیفیات گذریں گی انہیں پر ان ظاہری اعمال کے حسن وقبح کا فیصلہ معلق ہوتا ہے۔

پس اعمال مخفیہ کا سب سے زیادہ محور یہی عضو پنہاں ہے اور جبکہ قوۃ عالمہ وعاملہ کا اپنی انتہائی حدود میں رجوع ان دو اعضاء کی طرف تھا اس لئے شریعت نے وضوء کے سلسلہ میں انہیں بھی تطہیر سے بے تعلق نہیں چھوڑا۔ خاتمۂ وضو پر موضع شرم گاہ پر پانی کا چھینٹا مارنا جسے نضح کہتے ہیں درحقیقت تطہیر عضو کے لئے ہے اور اختتام اعمال وضوء پر وضو کا بچا ہوا پانی پلایا جانا فی الحقیقت تطہیر قلب کے لئے ہے تا کہ قلب کے بائیں جانب ڈیرہ ڈالے ہوئے شیطان نے جو اپنے وسوسوں کے ذریعے احراق کیا تھا اس گھونٹ سے اس کی تبرید ہو جائے اور شیطانی اثرات قوۃ علمیہ سے بالکلیہ رفع ہو جائیں۔

بہر حال اعضاء وضوء کے ذریعہ ان اعضاء وضوء کو پاک وصاف کیا جاتا ہے جن سے رُوح کی اُن دو قوتوں کا تعلق ہے جو تمام بدن پر حکمرانی کرتی ہیں۔ اور اس لئے اصل اور حاکم کی تطہیر اُس کے تمام محکوم ومتاخر دائرہ کی تطہیر ہے پس وضوء گویا تمام بدن کے غسل کے قائم مقام ہے کہ اس میں مدرکہ وعاملہ دونوں قسم کے اعلیٰ اعضاء لے لئے گئے ہیں اور اسی لئے وضو کے بعد جبکہ حکما جمیع بدن اور جمیع روح پاک اور بشاش ہو جاتی ہے تو وہ ضرور دربار الٰہی تک رسائی کے قابل اور شایاں ہو جاتی ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ وضوء سے تمام ہی بدن کی نجاسات زائل ہو جاتی ہیں ہاں نجاست بدن کا زوال تو ان آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے کہ عضو عضو کا میل نکل جاتا ہے مگر نجاست روح معاصی ہیں جن کا زوال ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا بلکہ باطنی آنکھ سے محسوس ہوتا ہے جس کی خبر شریعت دیتی ہے کہ ہر ہر عضوء سے وضوء کے وقت گناہ زائل ہوتے ہیں بدنگاہی کا گناہ آنکھ سے جبکہ منہ پر جھپکا مارا جائے۔ بدکلامی کا گناہ زبان سے جبکہ کلی کی جائے۔ بدسماعی کا گناہ کان سے جبکہ مسح اذن کیا جائے۔ بدشامی کا گناہ ناک سے جبکہ ناک میں پانی دیا جائے۔ بدخیالی کا گناہ دماغ سے جبکہ مسح کیا جائے اور بد

مساسی کا گناہ ہاتھ پیر سے جبکہ وہ دھوئے جائیں حتی یخرج نقیا من الذنوب یہاں تک بندہ وضوء کے بعد پاک وصاف ہو کر اُٹھتا ہے اس کی رُوح اور اس کا بدن ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک ہو کر قرب حق کے قابل ہو جاتا ہے۔

سوال دوم

خروج ریاح کیوں ناقض وضوء ہے؟ حالانکہ اس میں خروج نجاست نہیں ہوتا اور اسی لئے خروج ریاح کے بعد مبرز (جائے براز) اور کپڑے کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جواب: اس سوال کا جواب ضمناً سوال اوّل کے جواب میں آ چکا ہے مگر ایضاح مقام کے لئے بہ تبدیل عنوان اس کے اعادہ کی ضرورت ہے معدہ یا ماتحت معدہ جب پاخانہ سے بھر جاتا ہے تو طبیعت اُس کے نکالنے اور باہر پھینکنے کی فکر میں ہوتی ہے اُس کی اس حرکت طبعی کے باعث ہوائے محتبس اُدھر کو ہو لیتی ہے۔

یہ ریح کا نکلنا اور پاخانہ پیشاب کا آنا بحکم طبیعت اس پر شاہد ہے کہ اب ظرف ناپاکی سے پُر ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ اس ظرف کا ناپاکی سے پُر ہو جانا اس قدر طبیعت کو مکدر کر دیتا ہے کہ ہر فرد و بشر اُس سے واقف ہے سو اصل میں وہ کدورت ہی ناقض وضو ہے کیونکہ صفائی کے مخالف ہے۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔ مگر جیسے معدہ وغیرہ کے اِمتلاء سے جو اصل میں موجب آلودگی باطن جسم انسان ہے روح کو بواسطۂ جسم ایک آلودگی حاصل ہوئی ہے جس کا حاصل وہی کدورت مذکورہ ہے ایسے ہی غسل و وضوء وغیرہ سے جو اُصل میں صفائی جسمانی ہے بواسطۂ جسم صفائی روحانی حاصل ہوتی ہے جس کا حاصل طہارت رُوحانی ہے اور وہ طہارت موجب زوال کدورت مذکورہ ہو جاتی ہے جو نجاست روحانی تھی بالجملہ اصل میں وہ امتلاء مشارالیہ ناقض وضوء ہے اور خروج ریح و بول و براز اُس کی علامت ہے اور بعض اوقات جو خلو معدہ پر ریح خارج ہوتی ہے تو اس کا اعتبار نہیں اور نہ اُس کے لحاظ سے مذکورہ قاعدہ توڑا جا سکتا ہے۔ اگر اس جزئی سے قاعدہ توڑے تو خروج ریح کی علی العموم برائی کا قاعدہ بھی پادری

صاحب کو توڑنا پڑے گا اور اس وجہ سے ایسی حالت میں یعنی بصورت خلو معدہ خروج ریح کسی کا پادری صاحب یا اور کسی کی ناک پر سریں رکھ کر گوز مارنا اور ایسے گوزوں کا سونگھنا بھی ممنوع و معیوب نہ ہوگا۔ غرض خلاف طبیعت اگر کوئی حالت مشابہ حالت طبعی پیش آئے تو جب تک کچھ حرج اور دِقت نہ ہو اس کو حالت طبعی کے حکم میں رکھا کرتے ہیں تاکہ انتظام خراب نہ ہو۔ دیکھئے شب کو جو وقت اِستراحت عام و خاص ہے باہر اکثر چور بھی پھرا کرتے ہیں اس لئے ہر کسی کو محافظان سرکاری گرفتار کرلیا کرتے ہیں اگرچہ کوئی کسی اور ہی ضرورت کے باعث باہر پھرتا ہو۔

اس تقریر سے جیسا یہ سمجھ میں آ گیا کہ خروج ریح میں باوجودیکہ آثار ناپاکی نہیں یہاں تک کہ اسی لئے کپڑے اور بدن کے پاک کرنے کی ضرورت نہیں پھر بھی وضو ٹوٹ جاتی ہے ایسے ہی یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ پاخانہ اور پیشاب نکلنے سے وضوء کیوں ٹوٹ جاتی ہے حالانکہ ناپاکی کا رہنا موجب ناپاکی نظر آتا تھا نکل جانا تو اور موجب پاکیزگی ہوتا۔ مگر جس کو فہم نہ ہو اس کے حساب سے یہ تقریر دل پذیر بھی لغو ہے۔ اور کیوں نہ ہو جیسا کہ لطف سیر گلزار و مشاہدۂ انوار و دیدار خوبان دلا رام و دلا زار آنکھوں سے متعلق ہے آنکھیں ہی نہ ہوں تو پھر کچھ بھی نہیں ایسے ہی ذوق مضامین دلچسپ فہم سلیم سے متعلق ہے فہم ہی نہ ہو تو پھر کچھ نہیں۔

سوال سوم

قہقہہ کیوں ناقص وضوء ہے۔ حالانکہ وہ منہ سے سرزد ہونے والا ایک فعل ہے جسے نجاست سے کوئی تعلق نہیں؟

جواب: جواب سے پہلے ایک بات سُن لیجئے۔ غیر کی طرف توجہ اور التفات کی دو صورتیں ہیں ایک تو توجہ و التفات محبت ہے جیسے محبوبوں کی طرف ہوتا ہے۔ دوسرے توجہ و التفات ضرورت ہے جیسا اہل معاملات کی طرف ہوتا ہے۔ محبوبوں کو غیر کی طرف پہلی قسم کی توجہ اور التفات تو ناگوار ہوتی ہے۔ پر دوسری قسم کی توجہ ناخوش نہیں

معلوم ہوتی۔ غرض جیسے عشاق کو معشوقوں کا اوروں کے ساتھ ارتباط موجب آزار ہوتا ہے۔ ایسے ہی معشوقوں اور محبوبوں کو بھی اور کسی محبوب کی طرف التفات ناگوار ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جاں نثاروں کی کس کو طلب نہیں۔ ان کا گرفتار رہنا بھی بھلا ہے۔ چھوٹے تو پھر کسی کے آشنا۔ جو محبوبوں کے ناز اُٹھائیں اور اپنی جان گنوائیں۔ کام کریں اور جوتیں کھائیں جان دیں اور صِلہ نہ پائیں۔

اس تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ محبت خداوندی کا حال معلوم ہی ہوگا کہ از قسم محبت عشقی ہے۔ اقسام محبت قرابت میں سے نہیں (یعنی حب طبعی نہیں) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خندہ و قہقہہ وقت خرمی و خوش نودی آتا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ موجبات خوشنودی محبوب اور مرغوب اور دلکش ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ میسر آتے ہیں تو راحت اور خوشی ہوتی ہے اور نہیں تو رَنج و غم۔ اتنا فرق ہے کہ کبھی اوّل سے محبت ہوتی ہے اور اس وجہ سے طلب میں سرگرداں ہونا پڑتا ہے۔

پھر اگر کامیابی ہوئی تو راحت پر راحت اور سرور پر سرور ہے۔ ورنہ غم ناکامی اور رنج و حسرت جانگداز ہوتا ہے۔ اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ نہ پہلے سے محبت ہے نہ پہلے سے بوجہ محبت طلب ہے کوئی اور ضرورت مثلاً ضرورت بیع و شراء باعث ملاقات و دیدار ہوئی صورت مہوش و ناز دلکش موجب دل بستگی ہو گیا پہلی صورت میں وہ صورت پاک نقش کالحجر کی طرح نقش دل بے قرار اور دل محو یاد دلدار ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں وہ صورت نقش بر آب اور مثل خیال و خواب ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر میں مثل سراب زائل ہو جاتی ہے۔ مگر خارج از نماز تو گنجائش معاملات باہمی ہے۔ اُس وقت کسی چیز کی طرف توجہ اور التفات ہو تو اندیشۂ ناخوشی خداوندی چنداں نہیں اور خاص نماز میں کسی اور طرف توجہ و التفات ہو تو احتمال معاملۂ باہمی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ہو نہ ہو توجہ محبت اور التفات مؤدت ہوگا۔ مگر یہ بھی اہل عقل کو معلوم ہوگا کہ شرک کی کل دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ منصب حکومت احکم الحاکمین کسی

دوسرے کو شریک سمجھے۔ یعنی احیاء و اماتت پیدا کرنے اور ناپید کر دینے وغیرہ میں جو تصرفات خاصہ خداوندی میں سے ہیں کسی دوسرے کو شریک سمجھے۔

دوسرے یہ کہ کمال و جمال وغیرہ اُمور میں جو بناء محبوبیت ہیں کسی دوسرے کو ہمتاء ذات یکتا وحدہٗ لاشریک لہٗ اعتقاد کرے باقی رہا علم غیب وہ بہ حیثیت کمال تو دوسری قسم میں داخل ہے۔ اور بایں نظر کہ حکم سے پہلے اِرادہ اور اِرادہ سے پہلے علم مراد کی ضرورت ہے۔ وہ مبادی حکومت میں سے ہے۔ بہر حال شرک کی یہی دو صورتیں ہیں اور کیوں نہ ہو معبودیت انہیں دو صورتوں میں منحصر ہے۔

پہلی صورت کی طرف تو آیت "اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَمْلِکُ لَکُمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا الخ" وغیرہ آیات میں اشارہ ہے۔ کیونکہ مالکیت نفع و ضرر اور اختیار راحت رسانی و تکلیف دہی ہی کو حکومت کہتے ہیں۔ اور دوسری صورت کی طرف آیت "والذین اٰمنوا اشد حبًا للّٰه" وغیرہ آیات میں اشارہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت بوجہ حکومت کیسی ہی اخلاص سے کیوں نہ ہوں پھر بوجہ مجبوری ہے۔ اخلاص حکومت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ حاکم کو دل سے حاکم سمجھے۔ اور بایں نظر کہ خداوند عالم عالم الغیب ہے نفاق کو دل سے دُور کر دے مگر ہر چہ بادا باد بناء تابعداری مجبوری ہے اور لاچاری پر ہوگی۔ اور وہ اطاعت جو بوجہ محبت ہو اس میں ہرگز وہم جبر و تعدّی اور گمان ناچاری نہیں ہوتا۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے تہ دل سے ہوتا ہے۔

غرض وہ بندگی جو بوجہ محبت ہو وہ اوّل درجہ میں ہے۔ اس لئے وہ شرک جس میں محبوبیت خاصہ خداوندی میں دوسروں کو شریک کیا جائے اعلیٰ درجہ کا شرک ہوگا اور اس کی ناپاکی اوّل درجہ کی ناپاکی ہوگی۔ اور یہ بھی مُسلّم ہے کہ کمال ہو یا جمال وہ سب عطائے خدا ہے اور پھر وہ عطاء بھی از قسم داد و دہش روپیہ و فلوس نہیں یعنی یہ نہیں کہ جیسے یہ چیزیں بعد عطائے معطی کے قبضہ سے نکل جاتی ہیں اور معطیٰ لہٗ کے قبضہ و تصرف میں چلی جاتی ہیں۔ کمال و جمال خداوندی بھی بعد عطاء خدا میں نہ رہے اوروں میں چلا

جائے بلکہ اس کی خوبیاں سب ازلی یعنی گو ایک ہی آتش سے مختلف چراغ اور مشعلیں اور شمعیں روشن کریں پھر بوجہ تفاوت قابلیت اسی طرح فرق پڑ جاتا ہے جیسے آئینہ اور پتھر کے آفتاب سے منور ہونے میں فرق پڑ جاتا ہے۔

اس کے بعد اگر آفتاب سے اور کواکب یا قمر مستنیر ہوں تو وہ ایسا ہے جیسے آئینہ مستنیرہ من الشمس سے اور اشیاء منور ہو جاتی ہیں اور اگر یوں کہئے کہ حقیقت آفتاب ایک نور مجسم ہے یہ نہیں کہ جسم آفتاب اور ہے اور اس کا نور مثل انوار دیگر نیرات اور تو پھر جواب کی یہ صورت ہے کہ یہ جو ہر جسم میں ایک مادۂ آتشین ہے، چنانچہ ترکیب مسئلہ اربع عناصر اُس پر شاہد ہے اور تجربہ کہہ ومہہ اُس پر گواہ تو وہ فیض آفتاب ہی ہے کیونکہ جیسے آفتاب مطلع الانوار ہے ویسے مخرج حرارت بھی ہے اس لئے جیسے اس سے فیض تنویر ہوتا رہتا ہے ایسے ہی افاضۂ مادہ آتشین بھی اسی کا کام ہے۔

مگر چونکہ اس مادہ کو بعد ظہور روشنی اسی طرح لازم ہے جیسے چراغ کو یا شمس وقمر کو ہنڈیا یا ابر سے نکلنے کے بعد روشنی لازم ہے۔ اس لئے جہاں وہ مادہ ظاہر ہوا اسی وقت نور افشاں بنا، غرض اور عناصر کے تلے جب تک دبا ہوا ہے تب تک تو اس کو ایسا سمجھئے جیسا آفتاب فرض کرو گرد وغبار کے تلے دبا ہوا ہو، اور اور عناصر کے اُوپر آ گیا خواہ بوجہ کشش ہم جنس ہو یا بوجہ میلان طبعی جو ہم جنسوں کی طرف ہوتا ہے جیسے مادۂ مکنونہ روغن کا حال وقت اشتعال شعلۂ چراغ و مشعل ہوتا ہے یا بوجہ تحریک خارجی ہو جیسے دیا سلائی میں نظر آتا ہے تو پھر وہ روشنی جو اس کو لازم ہے نمایاں ہو گی۔

علیٰ ہذا القیاس اگر الوان اجسام میں تفاوت کمی بیشی دیکھ کر یہ شبہ دل میں آئے کہ کوئی چیز زیادہ سرخ وسفید ہے، اور کوئی کم بایں ہمہ یوں نہیں کہہ سکتے ایک دوسری سے اسی طرح مستفید ہے جیسے زمین آفتاب سے یا آب گرم آتش سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اجسام ملونہ قابل الوان ہیں۔ بذات خود ملون نہیں، صورت اس کی یہ ہے کہ نور آفتاب وغیرہ جلوہ گر ہوتا ہے تو الوان اجسام نمایاں ہوتے ہیں نہیں تو نہیں، اس

سے صاف عیاں ہے کہ اصل مبصر وہ نور عارض ہے ورنہ بے نور بھی مبصر ہوا کرتے اور جب نور ہی مبصر ہوا تو اصل ملون بھی وہی ہوگا، کیونکہ ہم اسی کو رنگ کہتے ہیں جو مبصر ہوتا ہے، چنانچہ سب پر آشکارا ہے مگر بوجہ تفاوت کہیں کسی طرح نظر آتا ہے اور کہیں کسی طرح کہیں کوئی کیفیت ہوتی ہے اور کہیں کوئی کیفیت سو یہی اختلاف کیفیات اختلاف الوان ہے غرض سفید و سرخ اصل میں وہ نور ہے اس سے وہ اجسام بقدر قابلیت مستفید ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ گفتگو اوصاف میں ہے خود قابلیت اوصاف میں نہیں۔

غرض وہ اوصاف جو کمی کے ساتھ ہوں گے بے شک اس موصوف کا فیض ہوں گے جس کا وصف خانہ زاد ہو اور وہ موصوف جس کا وصف خانہ زاد ہو اوروں کا دست نگر نہ ہوگا۔ دلیل اس دعویٰ کی مسائل مسلمہ سے تو معروض ہو چکی یعنی خدا کے سوا اور مخلوقات وجود اور کمالات وجود میں خدا کے محتاج ہوتے ہیں۔

اگر کمی وضعف اوصاف بالذات اس بات کو مقتضی نہ ہوتا کہ اوروں کا فیض ہوا کرے تو پھر سب کا فیض یاب خداوندی ہونا مسلم نہ ہو سکتا اور دلیل عقلی درکار ہو تو لیجئے اگر اوصاف ضعیفہ والے اس کے دستِ نگر نہ ہوں جو سب میں افضل اور اعلیٰ اور اشد اور اقویٰ اس صفت میں ہو بلکہ ان کا وصف بھی خانہ زاد ہو، تو یہ معنی ہوئے کہ منبع وصف اور مطلع صفت منبع اور مطلع نہیں کیونکہ کمی اور نقصان کے دریافت کرنے کے لئے کوئی پوری اصل چاہئے جس سے کم رہ جاتی تو کم کہلاتی سو باوجود اصلیت اور خانہ زاد ہونے کے اگر کمی ہو تو یہ معنی ہوں کہ اصل میں اتنا تھا، اب اتنا رہ گیا، اس لئے کہ کمی اور نقصان اصل ہی میں متصور ہے اور جو پہلے ہی سے نہ ہو اس کو نقصان بھی نہیں کہہ سکتے، غرض نقصان بعد تمامیت متصور ہے، اس سے پہلے متصور نہیں، سو جہاں نقصان ہوگا اس سے پہلے ایک اور مرتبہ ماننا پڑے گا جہاں تمامی اور کمال ہو مگر وہ مرتبہ اوّل ہوا تو پھر یوں نہیں کہہ سکتے کہ موصوف با وصف الناقص منبع اور مطلع ہے، بلکہ منبع اور مطلع وہ مرتبہ ہوگا جو اُس سے پہلے ہے اور جہاں وہ وصف تمام و کمال ہے، اس کے بعد یہ گذارش

ہے کہ اوصاف ناقصہ کے موصوفات کو جب موصوف بالوصف الکامل کی دست نگری لازم ہوئی تو موصوف وصف کامل تو مصدر اور مطلع وصف ہوگا۔

اور باقی موصوفات اوصاف ناقصہ سب قابل مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قابل کا وصف اس سے منفصل ہو جاتا ہے پر مصدر کا وصف اس سے منفصل نہیں ہوتا۔ آفتاب اہل ہیئت کے نزدیک مصدر النور ہے اور قمر اس کی نسبت قابل زمین بیچ میں آجائے جیسا کہ چاند گہن کے وقت ہوتا ہے تو قمر سے تو نور علیحدہ ہو جاتا ہے پر آفتاب سے علیحدہ نہیں ہوتا، پھر قمر سے صادر ہو کر اگر زمین وغیرہ میں نور آئے اور کوئی چیز بیچ میں حائل ہو جائے تو زمین وغیرہ سے تو نور علیحدہ ہو جاتا ہے پر قمر سے نہیں علیحدہ ہوتا ہے، اور اگر آئینہ نور قمر سے مستفید ہو اور اس سے نور صادر ہو کر در و دیوار پر واقع ہو اور درمیان میں کوئی جسم کثیف آجائے تو آئینہ تو بدستور منور ہے پر در و دیوار سے نور جاتا رہے۔

غرض مصدر سے وصف صادر بحیثیت صدور منفصل نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ فرد اکمل اور موصوف اعلیٰ وافضل مثل آفتاب بجمیع الوجوہ مصدر ہوگا۔

مثل قمر وغیرہ من وجہ قابل اور من وجہ مصدر نہ ہوگا۔ مگر یہ ہے تو پھر اس کے وصف کے انفصال کی کوئی صورت ہی نہیں، اس سب بحث طویل کے بعد یہ عرض کہ رُوح کی حقیقت کو ٹٹولئے تو یہی فہم وشعور اور اخلاق حمیدہ سے اس کا خمیر معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے ان دونوں باتوں میں افراد بنی آدم میں باہم تفاوت زمین و آسمان ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فہم وشعور و اخلاق از قسم اوصاف ہیں اور اوصاف کی دو قسمیں ہیں جس میں سے ایک کا نام مصدر اور موصوف اصلی یعنی صاحب وصف خانہ زاد ہے اور دوسری کا نام قابل اور مستعیر ہے، اور یہ پہلے ثابت ہو لیا کہ فرد اکمل مصدر ہوگا، اور باقی قابل اس صورت فرد اکمل اَرواح ادراک وشعور اور فہم وفراست وعلم واخلاق حمیدہ کے حق میں مصدر ہوگا، اور موافق قرار داد حال اس سے فہم وشعور کا انفصال نہ ہوگا۔

اسی لئے اس کی خواب اور موت گواروں کی خواب اور موت کے ہم رنگ اسی طرح نظر آئے جیسے سورج گہن اور چاند گہن بظاہر ہم رنگ یک دیگر ہوتے ہیں پر

ہوتے تو یوں نہ فرماتے کہ میں اس کے جوتیوں کے تسمہ کے برابر بھی نہیں، یہ مقولہ اگر سچا ہے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں ان کے نزدیک بے شک یہ قول سچا ہے، تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم مراتب کمال کیونکر ہو سکتے ہیں؟

اگر ہوگا تو وہی شخص ہوگا جس کی نسبت یہ ارشاد ہے، باقی رہی نکمی تاویلیں وہ کس کو نہیں آتی مگر وہ کون ہیں؟ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوّل تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا اور نہ کوئی نبی ہوا، دوسرے آپ کے سواء اور کسی نے دعویٰ خاتمیت نہیں کیا، اور نہ بحوالہ پیغام ووحی خداوندی اس قسم کا لقب اپنی نسبت کسی نے کسی کو سنایا، رہے حضرات حواریین اوّل تو وہ نبی نہ تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور ان کے نائب اور ان کے بھیجے ہوئے تھے، بے واسطہ خدا کے بھیجے ہوئے نہ تھے۔

اور اگر ان کی نبوت حسبِ اعتقاد مسیحیان تسلیم بھی کیجئے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقولہ کے مخاطب نہ تھے۔ اس لئے وہ شخص کوئی اور ہی ہونا چاہئے، رہے ''پولوس مقدس'' ان کو حواری کہنا بجز بے حیائی اور کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کا نام ونشان نہ تھا۔ بایں ہمہ کسی نے ان میں سے نہ دعویٰ خاتمیت کیا نہ بحوالہ وحی اپنے لئے اس قسم کا لقب بیان کیا، البتہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لقب خاتم النبیین اور نذیر للعٰلمین اور رحمۃ للعٰلمین قرآن شریف میں موجود ہے جن میں سے دو اوّل سے تو خاتمیت مراتب حکومت بالتصریح اور خاتمیت مراتب کمال بالالتزام نکلتی ہے اور تیسرے لقب سے خاتمیت مراتب کمال تو بالتصریح اور خاتمیت مراتب حکومت بالالتزام نکلتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی اور نذیر حکومت اور حکمرانی میں نائب خدا ہوتے ہیں، جو ان کا خاتم ہوگا اس پر مراتب ماتحتی ختم ہو جائیں گے، اس لئے وہ سب پر حاکم ہوگا اور تمام عالم اس کی عملداری میں اسی طرح داخل ہوگا جیسے گورنر کی عمل داری میں تمام ہندوستان اور کسی اور کو یہ بات نصیب نہ ہوگی، کیونکہ اور سب اسی طرح خاص خاص اضلاع کے حاکم ہوں گے جیسے لیفٹیننٹ،

کمشنر، جج وغیرہ خاص خاص اضلاع کے حاکم ہوتے ہیں اور چونکہ حاکم وہی ہونا چاہیئے جو محکوموں سے افضل ہو اور خدا کے یہاں یونہی ہوتا ہے، یہ ناانصافی اور ظلم نہیں کہ لائق کوئی ہو اور حاکم کوئی ہو جائے۔ تو یہی خاتمیت حکومت اور عموم حکومت اس کی افضلیت اور اکملیت پر دلالت کرے گی اور جب افضلیت اور خاتمیت حکومت میں بوجہ عدل و قدر شناسے خداوندی تلازم ہوا تو یہ آیت رحمۃ للعالمین جو افضلیت اور خاتمیت مراتب کمالات پر بالتصریح دلالت کرتی ہے، خاتمیت مراتب حکومت پر آپ دلالت کرے گی، باقی رہا آیۃ مذکورہ کا خاتمیت مراتب کمال پر دلالت کرنا اس کی صورت یہ ہے کہ یہ تو پہلے ثابت ہو چکا کہ فرد اکمل و افضل اور افراد کے حق میں مفیض اور مفید اور مؤثر اور معطی ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ عین ترحم اور رحمت ہے، سو جو شخص تمام عالم کے حق میں رحمت ہو وہ بے شک سب کی نسبت مفیض اور مفید مؤثر اور معطی ہوگا اور اس وجہ سے اس کی افضلیت اور اکملیت کا قائل ہونا پڑے گا۔

بالجملہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس قسم کے القاب وارد ہیں جو ان کی افضلیت اور اکملیت اور خاتمیت مراتب کمال و حکومت پر دلالت کرتے ہیں اور کسی کی شان میں اس قسم کے القاب نہیں آئے اور قسم کے القاب آئے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات اور اشرف الکائنات ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ ان کا دین آخر الادیان ٹھہرا، علاوہ اور معجزات کے قرآن شریف ان کو معجزہ میں ملا اس دین کا آخر الادیان ہونا تو یوں ضروری ہوا کہ احکام ماتحت کے احکام کا مرافعہ کرتے ہیں تو آخری مرافعہ بادشاہی کچہری میں ہوتا ہے اور اس کچہری کا حکم آخری حکم ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس کچہری اور کچہری کے حاکم پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ سو ایسے ہی کارخانہ حکومت دینی میں اس شخص کا حکم آخر رہنا چاہیئے جس پر مراتب حکومت دینی ختم ہو جائیں اور قرآن شریف کا اعجاز ایسے شخص کے لئے اس لئے ضرور رہا کہ اعجاز میں ایک طرح کا اظہار کمال ہوتا ہے یعنی جیسے بڑا خوش نویس وہ ہے جو ایسا قطعہ لکھ دے جس کا ثانی

لکھنے سے اور خوش نویس اور منشی عاجز آجائیں اور ظاہر ہے کہ یہ عین اظہار کمال ہے۔ ایسے ہی بڑا نبی اور بڑا صاحب کمال وہ ہے جو ایسا کام کر سکے جو اور افسران اور امثال اس کے کرنے سے عاجز آجائیں۔ غرض حقیقت اعجاز ایک قسم کا اظہار کمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمالات میں اعلیٰ اور افضل علم ہے اور کیوں نہ ہو محبت مشیت اِرادہ قدرت وغیرہ کمالات سب علم کے محتاج ہیں اور علم کسی کا کمالات میں سے محتاج نہیں، بظاہر حیات پر علم موقوف معلوم ہوتا ہے، پر غور سے دیکھئے تو حقیقت حیات قوت ادراکیہ اور قوت حرکت بالارادہ ہے، اسی لئے حیوان کی تعریف میں حساس متحرک بالارادہ کہا کرتے ہیں غرض وہ قوت علمیہ جو معلومات کے ساتھ اسی طرح متعلق ہوتی ہے جیسے نور اجسام کے ساتھ، وہ قوتِ روح انسانی کے ساتھ اس طرح قائم ہے جیسے نور آفتاب کے ساتھ، جب وہ قوت رکن اور عنصر جزئیات ہوئی تو حیات اس پر موقوف ہوئی وہ حیات پر موقوف نہ ہوئی، بالجملہ کمالات کا خاتمہ علم پر ہے، جو شخص خاتم مراتب کمال ہوگا وہ علم میں اوروں سے افضل اور اکمال ہوگا اس لئے اظہار کمال علمی میں وہ سب سے فائق ہوگا، اور سوائے اس کے اور سب اس کے سامنے عاجز ہوں گے اور اس وجہ سے اس کی معلومات اور ان کی عبارات اوروں کے حق میں معجز ہوں گی جیسے اس کی معلومات عجیب ہوں گی ایسے ہی اس کی عبارات بھی عجیب وغریب ہوں گی۔ کیونکہ تجویز عبارت بھی اسی کمال سے متعلق ہے۔

اس تقریر کو اہل فہم تو قرار واقعی سمجھیں گے اور اس وجہ سے دین اسلام پر اسی طرح فریفتہ ہو جائیں جیسے عاشق مزاج خاتم مراتب حسن و جمال پر فریفتہ ہو جاتے ہیں، اور ہم سے پوچھو تو آدمی بھی وہی ہیں جو صاحب فہم ہیں اور جو صاحب دولت ہیں فہم سے معرّیٰ ہیں ان کو یہ تقریر برجستہ اسی طرح مہمل اور بے معنی معلوم ہوگی۔

جیسے حیوان لایعقل کو کلام فصیح و بلیغ غرض جیسے حیوانات کلام انسانی نہیں سمجھتے ایسے ہی وہ آدمی بھی جو آدمیوں کی فقط تصویر ہی تصویر ہیں ورنہ حقیقت میں ایک کلام لغو اور بے معنی خیال فرما کر کچھ التفات نہ کریں گے۔

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم و اخر دعوانا ان لحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین .

اس کی خوبیاں سب ازلی وابدی ہیں، اس لئے یہی کہنا پڑے گا کہ عطاء خداوندی اس قسم کی ہے جیسے آفتاب سے اوروں کو فیضِ نور ہوتا ہے اور آفتاب میں جوں کا توں رہتا ہے۔ مگر جیسے کسی مستفیض النور کو دیکھئے آفتاب ہی کا پرتو سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے یوں ہی کہتے ہیں کہ یہاں بھی نور آفتاب ہی جلوہ گر ہے، اور اس لئے آفتاب ہی اس محبت اور قدر دانی کا مستحق ہے، جو بوجہ نور ہونی چاہئے مستفیض شریک محبت نہیں۔ ایسے ہی سوائے خداوند عالم کوئی صاحب کمال و جمال کیوں نہ ہو۔ اس میں خدا ہی کا پرتوہ ہوگا۔ اور اس لئے وہ محبت جو بوجہ کمال و جمال ہونی چاہئے خاص حصہ خداوندی ہوگا۔ وہ صاحب جمال وکمال بذات خود اس کا مستحق نہ ہوگا اور اس لئے سوائے محبت انبیاء اولیاء وعلماء جو بہ لحاظ تقرب ونیابت خداوندی ہوتی ہے اور سب اس قسم کی محبتیں شرک سے خالی نہ ہوں گی اتنا فرق ہوگا کہ اعتقاد ومحبت دونوں کے مرتبہ میں خدا کے ظل و پرتوہ کا لحاظ نہیں تب وہ شرک قابل مغفرت نہ ہوگا اور اگر اعتقاد کے مرتبہ میں ظل و پرتوہ خداوندی سمجھتا ہے پر محبت میں مثل محبت انبیاء وعلماء اولیاء خدا کا واسطہ نہیں جیسے عشق خوباں میں ہوتا ہے تو بوجہ صحت اعتقاد دربارہ داروگیر اُدھر سے چشم پوشی ہوگی پر وہ آلودگی جو شرک کی ماہیت کو لازم ہے کسی درجہ میں کیوں نہ ہو کہاں جائے۔ کیونکہ غور سے دیکھئے تو آلودگی کی بناء یہ محبت ہی ہے۔ اعتقاد درست ہو یا غلط ہو۔ آخر اعتقاد غلط میں اس سے زیادہ اور کیا ہوتا ہے کہ دل کو ایک لگاؤ محبت ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے محبوب مثل نقش کالحجر نقش دل ہو جاتا ہے اور چونکہ غیر اللہ کا دل میں نقش ہو جانا دِل کو آلودہ کر دیتا ہے، اس لئے شرک کو رجس اور نجس کہتے ہیں۔

بہر حال اعتقاد اگر درست بھی ہے تب بھی وہ ناپاکی شرک وقت محبت غیر اللہ جس میں خدا کا واسطہ نہ ہو کہیں نہیں گئی۔ اس وقت محبت غیر میں مبتلا ہو جانا ایسا ہوگا جیسے چوڑے کو چوڑا سمجھے اور پھسل کر اس میں گر پڑے۔ غرض جان بوجھ کر چوڑے

میں گرو یا پھسل کر گرو ناپاک ہو جانے میں دونوں صورتیں برابر ہیں ایسے ہی محبت غیر میں اعتقاد سے مبتلا ہو یا بے اعتقادی سے مبتلا ہو آلودگی مذکورہ میں دونوں حالتیں برابر ہیں جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو اور سنئے ''روح اور بدن'' میں ارتباط ہے کہ اِدھر کے احوال اُدھر جاتے ہیں اور اُدھر کی کیفیات اِدھر آتی ہیں۔ رنج و غم راحت و سرور اصل احوال قلبیہ میں سے ہیں ان سب کا اثر بوجہ ارتباط باہمی چہرہ اور تن پر نمایاں ہو جاتا ہے اور درد بخار وغیرہ کیفیات جسمانی میں سے ہیں ان کے آثار یعنی تکلیفیں رُوح کو بے تاب بنا دیتی ہیں۔ مگر اس کدورت کو دیکھا جو بوجہ تقاضاء بول و براز رُوح پر عارض ہوتی ہے۔ روح پر جسم کی طرف سے آتی ہے۔ اور اس حالت کو دیکھا جو بوجہ خرمی پیش آتی ہے یعنی یہی خندہ وضحک تو وہ رُوح کی طرف سے بدن کی طرف آتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز خانہ زاد نہیں ہوتی اوروں کی عطاء اور فیض ہوتی ہے وہ اُس درجہ قوی اور شدید نہیں ہوتی جو خانہ زاد ہو، اور اس میں کسی کا واسطہ نہ ہو۔

اب التماس یہ ہے کہ وقت خندہ جو آلودگی پیش آتی ہے وہ بے واسطہ اور خانہ زاد روح و دِل۔ اور وقت تقاضاء بول و براز جو آلودگی پیش آتی ہے وہ فیض تن خاکی۔ پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ یہ اس کے ہم سنگ ہوگی۔ پھر یہ آلودگی جو وقت تقاضا، بول و براز پیش آتی ہے حسب قرارداد جواب دوئم توجہ مرضیات الٰہی کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے جس کا حاصل یہ ہوا کہ خدا سے غافل نہیں تھا۔ نہ خانہ طبیعت میں اُدھر کو توجہ ہے گو اس توجہ کی ایسی طرح خبر نہ ہو جیسے علم کا علم نہیں ہوتا اور وقت تعجب بوجہ دلکشی اشیاء تعجب انگیز وہ غفلت کہ خدا کی یاد کا اُوپر سے لے کر نیچے تک پتہ ہی نہیں اسی لئے وہ آلودگی جو وقت تعجب ہوتی ہے اور بھی زیادہ موجب آلائش ہوگی۔

پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ کدورت بول و براز تو ناقض طہارت ہے اور کدورت محبت غیر ناقض طہارت نہ ہو۔ مگر جیسے اِدھر خروج بول و براز کو علامت اِمتلا قرار دیا ہے اور اس لئے اسی وقت حکم طہارت صادر ہوتا ہے۔ ایسے ہی ضحک اور قہقہہ کو علامت توجہ الی الغیر قرار دینا چاہئے۔ لیکن کدورت بول و براز میں تو سوائے اس کے اور احتمال نہ تھا

ناپاکی کی آمد آمد ہے اور توجہ الی الغیر میں یہ بھی احتمال ہے کہ بوجہ محبت نہ ہو جو موجب آلائش دل و جان ہوتی ہے بلکہ بوجہ ضرورت معاملات ہو جو موجب تکدر خاطر محبوب نہیں ہوتی اسی لئے جہاں احتمال مذکور ہو وہاں تو خداوند کریم ورحیم کی طرف سے چنداں دارو گیر نہ ہوگی۔ گو وہ توجہ جس کا باعث اول معاملہ تھا فی الجملہ دل کشی کا باعث ایسی طرح ہو جائے جیسے کسی حسین وجمیل کی طرف بوجہ معاملہ بیع وشرا کسی قدر دل کو میلان پیدا ہو جائے۔ مگر جیسے ایسی توجہ اور میلان سے صورت حسینان نقش دِل نہیں ہو جاتی بلکہ اکثر تھوڑی دیر کے بعد وہ خیال دل سے محو ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ دل کشی جو بوجہ اس توجہ کے ہوئی ہو جو معاملہ کے باعث پیش آتی ہے لائق اندیشہ نہیں۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر میں وہ خیال محو ہو جاوے اور نقشِ دل نہ ہونے پائے جو دل و جان آلودہ ہو۔ بہرحال وہ توجہ الی الغیر جو بضرورت معاملات ہو دلیل محبتِ غیر نہیں جو بوجہ ازالہ نجاستِ شرک خفی سامانِ تطہیر کیا جائے۔ پر جہاں یہ احتمال ہی نہ ہو وہاں انتقاض طہارت لازم وواجب ہے۔ سو وقت نماز تو احتمال معاملہ باہمی بنی آدم ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس وقت کی ہنسی اور قہقہہ توجہ محبت غیر کا ثمرہ سمجھا جاوے گا اور وضو کو فقر و کہنا پڑے گا۔ اور اس وجہ سے نماز کو بھی فاسد کہنا پڑے گا۔ کیونکہ بے طہارت نماز جائز نہیں۔ علاوہ بریں حقیقتِ نماز حضور دربار خداوندی ہے اور قہقہہ اس پر شاہد ہے کہ توجہ الی اللہ کا نام ونشان نہیں جو کچھ ہے توجہ الی الغیر ہے اس تقریر کو سن کر اہل فہم کا دل تو باغ باغ ہو جائے گا۔ اِن شاء اللہ احکام دین کی حقیقت اور حقانیت کے لئے یہ ایک دو مسئلہ بہ منزلہ مشتی نمونہ از خروارے ہو کر موجب قبول اسلام ہوگا۔ ہاں بدفہموں کے لئے یہ تقریر خوش آئندہ اسی طرح موجب انکار و استنکاف ہوگی جیسے کپی بنانے والوں اور پاخانہ اٹھانے والوں کے لئے عطر کی خوشبوناک چڑھانے کے باعث ہو جاتی ہے۔

سوال چہارم

نیند کیوں ناقض وضوء ہے جبکہ اس میں کوئی گندگی اور نجاست نہیں؟

جواب: نوم بذاتِ خود ناقض وضوء نہیں اگر ہے تو بایں نظر ہے کہ اس وقت

بوجہ استرخاء اعصاب گمان غالب ہے کہ ریح نکل جائے اور خبر نہ ہو اور یہ خوب معلوم ہے کہ اکثر افراد بنی آدم کا شکم جیسے ہر وقت کسی نہ کسی قدر بول و براز پر مشتمل رہتا ہے ایسے ہی ریح سے بھی خالی نہیں رہتا۔ اور دوسری وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ اصل میں یاد خداوندی موجب روشنی وصفائی قلب ہے اور غفلت موجب کدورتِ اصلی اور ظاہر ہے کہ نیند کے وقت سے زیادہ کسی وقت بھی غفلت متصور نہیں۔ مگر جب کدورت ہوئی تو اثر طہارت جو صفائی باطن تھا کہاں رہا۔

اس لئے یوں ہی کہنا پڑے گا کہ طہارت بھی چلتی ہوئی مگر جہاں وقت خواب بھی خدا سے غفلت نہ ہو وہاں یہ احتمال نہیں کہ ریح کے نکلنے کی خبر نہ ہو اور نہ پھر اس کدورت کی کوئی صورت ہے جو بوجہ غفلت وقت خواب پیش آتی ہے، اس کے بعد یہ عرض ہے کہ اوصاف کی کل دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ خانہ زاد ہوں یعنی عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہ ہو جیسے نور آفتاب یا حرارت آتش۔ دوسری یہ کہ فیض غیر اور عطاء بیگانہ ہو جیسے نور آئینہ یا حرارت آب گرم سوائے ان دو صورتوں کے اوصاف کی اور کوئی صورت نہیں مگر جیسے یہ دو قسمیں ہیں ایسے ہی ان دونوں کے جدا جدا عوارض اور لوازم ہیں۔ سو جس کا وصف خانہ زاد ہوگا اس وصف میں وہ موصوفات جو اس سے مستفیض اور ان کا وصف اس سے مستعار ہو کبھی برابر نہیں ہو سکتا اور صاحب وصف خانہ زاد اوروں میں مؤثر ہوتا ہے اور صاحب وصف مستعار اس سے متاثر۔

غرض اوّل کے احکام و آثار دوسرے میں آتے ہیں اس لئے منصب حکومت اس کی طرف ہوتا ہے۔ اور دوسرا اس کا محکوم کیونکہ حاکم اور محکوم میں بھی فرق تاثیر و تاثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے آثار کو احکام کہا کرتے ہیں، یعنی حکام ظاہری کی حکومت میں بھی یہی ہے کہ حاکم کی طرف بات محکوم ظہور کرتی ہے اسی کا نام تاثیر ہے آگ کو۔۔۔ اگر یوں کہتے ہیں کہ اس میں احراق و تسخین کی تاثیر ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کی طرف کی بات یعنی حرارت اُدھر نمایاں ہوتی ہے۔ غرض منصب حکومت بھی اُدھر ہی

ہوتا ہے جدھر وصف خانہ زاد ہوتا ہے اور اس وجہ سے حکومت ظاہری کا مستحق اوّل وہی ہوگا جو در بارہ کمالات لازمہ حکومت یعنی علم واخلاق اوروں میں مؤثر یعنی ان پر حاکم طبعی ہو۔ القصہ منصب حکومت بھی اُدھر ہی ہوتا ہے جدھر وصف خانہ زاد ہو، اور شدت وصف بھی ادھر ہی ہوتی ہے جدھر وصف خانہ زاد ہوتا ہے۔

اور اس وجہ سے اس وصف میں افضل بھی وہی ہوتا ہے جو خانہ زاد وصف رکھتا ہو اور اس وجہ سے یہ بھی ضرور ہے کہ صاحب وصف خانہ زاد پر مراتب کمال وصف ختم ہو جائیں اور یہ ہے تو پھر یہ بھی ضرور ہے کہ اگر چند موصوفات وصف واحد میں باہم اس وصف میں کمی بیشی یعنی شدت وضعف ہو تو جو فرد سب میں زیادہ وصف رکھتا ہوگا وہ تو وصف خانہ زاد رکھتا ہوگا اور باقی اوصاف والے اس سے مستفید ہوں گے۔

اگر سب میں زیادہ وصف والا خانہ زاد نہ رکھتا ہوگا تو یہ بات غلط ہو جائے گی کہ صاحب وصف خانہ زاد ان سے زیادہ ہوا کرتا ہے جو اس سے مستفید ہوا کرتے ہیں کیونکہ سب میں زیادہ ہو کر جب کسی اور سے مستفید ہوگا تو اپنے سے کم ہی کا دست نگر ہوگا۔ غرض جو سب میں زیادہ ہوگا وہ اوروں کا دست نگر نہ ہوگا۔

ورنہ خدائے تعالیٰ کو باوجود افضلیت وعلوشان کلّی اگر کوئی غیروں سے مستفید کہے تو اس کا منہ بند کرنا مشکل ہے باقی رہا باقیوں کا اس سے مستفید ہونا وہ اگر ضروری نہ ہو تو یہ بھی ضروری نہ ہو کہ غیر خدا خدا ہی سے وجود اور کمالات وجود مثل علم وقدرت وغیرہ صفات میں مستفید ہیں، یہاں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اوروں کا وجود اوروں کے کمالات وجود ہی باوجود کی وصف خانہ زاد ہیں۔

باقی رہا یہ شبہ کہ چراغ باوجودیکہ شمس وقمر کواکب سے نور میں کم ہوتا ہے ان سے مستفید نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے اصل نورانی وہ ایک مادہ حار ہے اور جسم آفتاب اور شعلۂ چراغ ومشعل سب اس سے مستفید ہیں اتنا فرق ہے کہ کہیں قابلیت زیادہ ہے کہیں کم۔ چنانچہ بعض مشعلوں کا صاف ہونا اور بعض کا مکدّر رہنا اس پر شاہد ہے۔

مکتوب گرامی

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

برادرم عزیز القدر گرامی شان منشی محمد قاسم صاحب سلمہٗ!

بعد سلام مسنون از محمد یعقوب مطالعہ نمایند!

خط تمہارا طول طویل آیا۔ مجمل جواب میری رائے ناقص کی موجب جو ہے لکھتا ہوں بات یہ ہے کہ طریق دین کے اتباع کا دو طرز میں منحصر ہے ایک اجتہاد یعنی مسائل جزئیہ کو قرآن و حدیث سے سمجھ کر نکالنا اور ان کا حکم حلال و حرام جواز ناجواز فرض سنت مستحب حرام مکروہ کہنا اس طریق کے لئے علم کامل اور عقلِ سلیم اور تقویٰ منجملہ شرائط ہے اور زبان عرب سے باصولہ وفروعہ آگاہ ہونا اور محاورات عرب پر عبور ہونا اس کی اصل ہے۔ دوسری طرز تقلید ہے اس کے یہ معنی کہ جب آپ قرآن حدیث سے بہ سبب قصور ان شرائط کے یا بہ سبب اس کے کہ علماء قدیم جو کچھ کر گئے اس سے زیادہ گنجائش نہیں تو ان علماء کے قول کو لینا اور اس پر عمل کرنا۔

اور زمانہ صحابہ میں راہ اجتہاد علماء کا کام تھا اور عوام کسی نہ کسی کی تقلید کرتے تھے اور زمانہ تابعین اور تبع تابعین میں بہت سے مذاہب ہوئے اور کتنے ہی علماء نے اجتہاد کیا اور مسائل استنباط کئے مگر راہ عوام کی تقلید ہی تھی جب دورہ علم کا تمام ہوا اور شیوخ جہل اور اتباع ہوا کا ہوا علمائے وقت کے اجماع سے چار مذہب جو مشہور ہیں مقبول ہوئے اور اجتہاد کو بے حاجت سمجھ کر اور کچھ بے سامانی کی جہت سے چھوڑا اور عوام کو

انہیں مذاہب کی تقلید کی طرف ہدایت کی اب کوئی ان سے بڑھ کر کچھ کر نہیں سکتا رہی یہ بات کہ کوئی حدیث مخالف اس مذہب کے کسی کتاب میں نظر آئی یا کسی عالم سے سن لی تو عامی کیا کرے میری رائے ناقص اس میں یہ ہے کہ جو علم نہیں رکھتا وہ تقلید نہ چھوڑے کیونکہ اس کی سمجھ جیسے پہلے ناقص تھی اب بھی ناقص ہے۔

اور کتب حدیث میں ایسی حدیثیں ہیں کہ چاروں مذہب کے علماء اُن کی تاویل کرتے ہیں اور ظاہر پر ان کے عمل نہیں اور راہ تاویل کی بہت وسیع ہے اس پر منحصر نہیں کہ فلاں شخص نے جو سمجھا وہ تو صحیح اور باقی غلط اس لئے کسی حدیث کو سن کر عام آدمیوں کو نہیں چاہئے کہ اس حدیث پر اپنی سمجھ کے موجب عمل کرے اور تقلید چھوڑے اور اگر کسی عالم سے اس کے ایک معنی سنے ممکن ہے کہ دوسرے معنی اس کے ایسے ہوں کہ اس عالم نے نہ سمجھے ہوں یا اس عالم کے نزدیک مقبول نہ ہوئے دوسرے نے قبول کئے ہوں اور اگر اس نے وہی کیا جو اس عالم سے اس حدیث کے باب میں سنا تو یہ شخص اس مسئلہ میں اس عالم کا مقلد ﴿اس مسئلہ میں اس عالم کا مقلد ہوا الخ۔ یعنی اس حدیث کے مدلول کی تعیین میں تقلید کی اور قبول روایت میں تقلید مراد نہیں۔۱۲﴾ ہوا اور اس کو تلفیق کہتے ہیں کہ کہیں کسی کے تابع اور کہیں کسی کے پیرو اور یہ راہ علماء حقانی کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ اس میں راستہ ہوائے نفسانی کا کشادہ ﴿نئی روشنی والے اس سے سبق لیں﴾ ہوتا ہے کہ آدمی دین سمجھا کرے اور تبع خواہش کا رہے اور اگر عالم کو حدیث صحیح ملے اور معنی اس کے بے تاویل اس کی سمجھ میں آئے تو اس کو تلاش کرے کہ فلاں امام نے باوجود ہونے ایسے حدیث کے اس کا کیوں خلاف کیا۔

تو اگر معلوم ہو کہ وہ امام اس حدیث کے اور معنی کہتا ہے یا اس کا مقابلہ کسی دوسری حدیث سے کر کے جواب دیتا ہے یا تائید اپنی سمجھ کر قواعد کلیہ شریعت سے کرتا ہے تو ایسے وقت میں عالم کو جائز نہیں کہ اپنی سمجھ کے بھروسہ پر تقلید چھوڑ دے اور اگر معلوم ہو کہ اس امام کو یہ حدیث پہنچی نہیں یا شرح صدر ہو جاوے کہ اس امام نے اس مسئلہ کے

سمجھنے میں غلطی کی تو بے شک وہ عالم اس حدیث پر عمل کرے مگر عام لوگوں کو اس کی تقلید کرنی نہیں پہنچتی کہ اور علماء کی سمجھ چھوڑ کر اس عالم کا اتباع کریں۔

ہاں مگر کسی کو اس حُسنِ ظن میں شرح صدر ہو جائے کہ احتمال خطا کا اُٹھ جائے تو وہ ایسے عالم کی تقلید کرے اور پہلے کی چھوڑ دے یہ حال جب سُن چکے تو اب احقر کی رائے ناقص کے موجب کوئی مرتبہ اجتہاد کا تو رکھتا نہیں یہی راہ تقلید کی ہے اس میں ایک رائے کی پابندی ہم جیسوں کو لازم ہے کیونکہ اگر مختلف لوگوں کا اتباع کریں تو ہر جگہ پر کہنے کی ضرورت ہے اور ہماری سمجھ معلوم۔ اور ہوائے نفس کو دخل ممکن باوجود اس کے اگر کوئی مرتبہ اجتہاد نہ رکھتا ہو اور جو کچھ پاوے اور سنے اس پر عمل کرے۔ احقر اس کو مسلمان اور طالب دین کا جانتا ہے مگر تھوڑا اسا بے سمجھ اور غلطی پر اللہ اس کی اس غلطی کو معاف کرے اور جب تک کوئی ایسا اُمر اس کی نسبت یقیناً معلوم نہ ہو کہ بقول اپنے مجتہد کے وہ مفسد نماز یا ناقض وضو ہو یا نجس ہو تو نماز پڑھنی اس کے پیچھے جائز ہے اور اگر احتمال ان امور کا ہو یا شک تو بھی جائز ہے اور تفتیش کی حاجت نہیں اور اگر یقیناً ان امور سے کوئی اُمر معلوم ہو تو البتہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے یا پڑھی ہو تو پھیر لے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ نماز پڑھ لے اور احتیاط کے واسطے پھیر لے یہ اجمالی جواب تمہارے سوالوں کا ہو گیا زیادہ فرصت نہیں احقر کو معاف رکھو۔

(**نوٹ**:...اس مکتوب میں تقلید کی بحث بے نظیر ہے
جو بڑے بڑے دفاتر میں بھی نہیں۔۱۲)

اِفاداتِ قاسمیہ

(اُردو)

دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ نے حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کے بعض مضامین کی تسہیل وتشریح کی ہے۔ یہ مضامین قسط وار ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں ۱۳۹۳ھ کے ربیع الآخر، جمادی الاوّل اور جمادی الآخر میں شائع ہوئے تھے۔

اِفاداتِ قاسمیہ

یعنی

حجۃ الاسلام

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ

کے

بعض مضامین کی تسہیل و تشریح

از

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم کی تسہیل و تشریح کی غرض سے "إفاداتِ قاسمیہ" کے نام سے ایک مضمون لکھا تھا - یہ مضمون قسط وار شکل میں ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں (بمطابق ربیع الآخر ، جمادی الاول ، جمادی الآخر ۱۳۹۳ھ) شائع ہوا تھا - افادۂ عام کیلئے اسکو یکجا شکل میں شئیر کیا جا رہا ہے-

شوکت علی

اِفَادَاتِ قاسِمِیَّہ

از امام کبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

(مرتبہ مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری، استاذ دارالعلوم اشرفیہ)

(راندیر ضلع سورت)

تمہید: حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: "امت میں چار عالم ـــ امام غزالی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ـــ ایسے گزرے ہیں جن کی تصانیف کے ساتھ مزاولت سے آدمی اگر غبی بھی ہو تو ذہین ہو جاتا ہے" ـــ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مذکورہ مقولہ نقل فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: "پانچویں کا میں اضافہ کرتا ہوں اور وہ ہیں" حضرت الاستاذ" یعنی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ (دیباچہ مصابیح التراویح صفحہ ۲)

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ "قاسمی تبرکات" سہل الحصول نہیں ہیں، علوم قاسمیہ کے کما حقہ سمجھنے کے لیے کچھ فنون سے مناسبت ضروری ہے۔ اس ہیچ میرز کی عرصہ سے خواہش ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے علوم کی شرح و تدوین کردی جائے۔ آج سے بنام خدا یہ سلسلہ شروع کرتا ہوں۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ حضرت قدس سرہ کے علوم سے استفادہ فرمائیں اور حضرت رحمہ اللہ کی کتابوں پر گہری نظر رکھنے والے بزرگوں سے التماس ہے کہ اگر کسی جگہ تسامح ہو جائے تو رہبری فرمائیں۔

طریقۂ کار یہ رکھا گیا ہے کہ عنوان اور سوال خود تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اگر حضرت قدس سرہٗ کی عبارت سلیس اردو میں ہے تو جواب میں اسے بعینہ مع حوالہ درج کیا گیا ہے، اور اگر فارسی ہے یا خالص علمی اصطلاحات پر مبنی ہے تو اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھا گیا ہے پھر حضرت رحمہ اللہ کی عبارت مع حوالہ نقل کی گئی ہے۔ واللہ ولی التوفیق ـــ ـــ ـــ (مرتب)

۱:- زیارت قبور

سوال : (۱) مردوں کے لیے زیارت قبور جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عورتوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۳) بعض روایات میں زیارت قبور کے لیے جانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

جوابات۔ (۱) مردوں کے لیے زیارت قبور مسنون ہے، سنت پر عمل کی نیت سے قبروں کی زیارت کرنا چاہیے — یعنی یہ کہ زیارت قبور اور اس کی اجازت آنحضرتؐ سے ثابت[1] ہے اور اس سے آپؐ کا منشا تھا کہ موت کی یاد دہانی اور عبرت حاصل ہو۔ ان شاء اللہ مناسب اجر و ثواب ملے گا۔

"زیارت قبور مرداں را مسنون است، کہ بہ نیت ادائے سنت — کہ بہاں طریقہ مرویست و بہر عبرت و تذکر موت تجویز کردہ شد — زیارت قبور خواہند کرد، ان شاء اللہ تعالیٰ اجر مناسب خواہند یافت۔" (فیوض قاسمیہ صفحہ ۲۰ مطبوعہ اعزازیہ دیوبند)

(۲) عورتوں کے لیے احتراز (بچنا) ضروری ہے، کیونکہ زیارت قبور کے لیے جانے والی عورتوں پر احادیث میں اللہ کی لعنت (رحمت سے محرومی) وارد[2] ہوئی ہے۔

"آرے! در بارۂ زناں کہ بہر زیارت قبور روند لعنت خدا در احادیث مرویست بناءً علیہ زناں را احتراز ضروری است۔" (حوالہ بالا)

---

[1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ۔ (ابن ماجہ)

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا پر اب زیارت کرو قبروں کی کیونکہ زیارت قبر سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ (ابن ماجہ)

[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لیے جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۳) صریح حکم سن لینے کے بعد مؤمن کے لیے زیبا نہیں ہے کہ چون وچرا کرے اور لعنت یا ممانعت کی وجہ پوچھے۔ لیکن مصلحۃً اشارہ کرتا ہوں:

عورتوں کے لیے زیارت قبور کی اجازت دینے میں اندیشہ تھا کہ ان کی ناسمجھی اور بے صبری کی وجہ سے رسوم مشرکانہ و بدعات کا رواج ہو جائے گا ——— اور بالآخر یہ اندیشہ واقعہ بن کر رہا ——— نیز ان کی بے تابی بے قراری اور نوحہ وزاری کا خوف بھی تھا، بہرحال اس حقیقت کے پیش نظر اجازت میں دینی نفع تو چنداں تھا نہیں، البتہ نقصان بہت زیادہ تھا، اور قاعدہ ہے کہ "غالب کی رعایت کی جاتی ہے" قرآن پاک کی مندرجۂ ذیل آیات میں اسی قاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ (القارعہ)	جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا سو وہ تو من پسند عیش میں پہونچ گیا۔

شراب اور جوئے کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرۃ)	ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لیے چند منافع بھی ہیں۔ البتہ ان کے نقصانات نفع سے زیادہ ہیں۔

پس غلبۂ مفاسد کی وجہ سے عورتوں کے لیے زیارت قبور کی ممانعت مناسب معلوم ہوئی اور اسی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی اور مردوں کے متعلق مذکورۂ بالا اندیشہ نہ تھا اس لیے ان کے لیے اجازت مناسب معلوم ہوئی، وہ عبرت پذیری اور تذکیر موت کی صورت میں ثواب کے مستحق ہوں گے۔[1]

---

[1] قال الترمذی: قال بعض اهل العلم: انما کره زيارة القبور للنساء لقلة صبرهن، و کثرة جزعهن الخ. کتب فقہیہ میں اصح قول یہ لکھا ہے کہ زیارت قبور مرد و زن سب کے لیے جائز ہے نورالایضاح میں ہے۔ ندب زيارتها للرجال والنساء على الاصح نیز حدیث کنت نهيتكم عن زيارة القبور الخ بھی عام ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ممانعت دونوں صنفوں کے لیے ختم ہو گئی ہے اور جس حدیث میں (باقی اگلے صفحہ پر)

"از استماع حکم صریح کار اہل ایمان نیست کہ چون و چرا کنند، و از وجہ لعنت و ممانعت پرسند، مگر بنظر دور اندیشی زمزمے آں ہم میگویم۔

از بے خردیٔ زناں و بے صبریٔ شاں ___ ہر دو عیاں است ___ در صورت اجازت زیارت اندیشۂ رواج مراسم شرک و بدعت بود ___ و آخر کار مشہود شد ___ و خوف بے تابی و بے قراری و نوحہ و زاری بود ___ چنانچہ ظاہر است۔ پس از یں صورت نفع دینی چنداں نبود و نقصان دینی زیادہ۔ از آں بر آمد موافق قاعدہ "رعایت غلبہ" کہ در آیت "فاما من ثقلت" و "فیهما اثم کبیر و منافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما" اشارہ بآں فرمودہ اند، نہی از زیارت در خور حال شاں بر آمد، بایں وجہ لعنت بر اوشاں کردند ___ از مرداں اندیشۂ مذکور، و خوف مسطور نبود، اجازت لائق شاں بنظر آمد، بوجہ حصول عبرت و ذکر موت امیدوار ثواب شوند۔" (فیوض ص ۵۰۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لعنت وارد ہوئی ہو وہ نسخ سے پہلے کی ہوگی ___ لیکن جب عورتوں میں جہالت بڑھی اور طرح طرح کی رسوم و بدعات ایجاد کی جانے لگیں تو متاخرین احناف نے عورتوں کے لیے زیارت کے عدم جواز کو ترجیح دی۔ علامہ بدر الدین عینی بخاری شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔ "وحاصل الکلام انها تکرہ للنساء، بل تحرم فی هذا الزمان، لاسیما نساء مصر لان خروجهن علی وجه فیه فساد وفتنة" (عمدۃ القاری ص ۷۰ ج ۸ ملخصاً) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بھی متاخرین کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔ بلکہ حضرت کے جواب سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اصل حکم عدم جواز ہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے بھائی کی قبر پر گئیں تو فرمایا: "اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو پھر یہاں قبر پر نہ آتی۔" (مشکوٰۃ ۱/۱۴۹) لیکن چونکہ حضرت نانوتوی کی یہ رائے احناف کے اصح قول کے خلاف ہے اس لیے حضرت قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

"ایں تجویز شاید سرمایۂ پریشانیٔ ناظراں، و موجب حیرانی اخبار روزگار شود، مگر چہ کنم منفق نیم، نہ سامان گفتار مے بلدم، آنچہ رقم ندم بپاس خاطر ساماں رقم زدم، و می ترسم مبادا بہ تہمت مخالفت اکابر اہل سنت بندہ طلبی در حبہ اخبار روزگار بجرم قرار دادہ خوغا کنند و قیامت بر سرم بپا کنند فقط (فیوض ص ۵۰۳)

(۲) ذوالفقار[1]

سوال:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور تلوار "ذوالفقار" کی کیا حقیقت ہے؟ وہ آپؓ کے پاس کہاں سے آئی؟ اور کس طرح آئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد کس کے پاس گئی؟ شیعہ حضرات اس کے متعلق جو روایات بیان کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ شیعہ حضرات نے "ذوالفقار" کے متعلق جو افسانے عوام کے کانوں میں ڈالے ہیں وہ سب سراسر غلط ہیں۔ اس کی حقیقت صرف اس قدر سمجھنا چاہیے کہ جب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام کے جم غفیر کے اصرار سے بیعت خلافت قبول کی تو امور خلافت کے انصرام اور اوقاف وبیت المال کی نگرانی کو اپنا فرض منصبی سمجھا اور چونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ جانتے تھے اسلئے ان کے روبرو اپنا تمام ترکہ وقف کر دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھیں کسی قسم کا خلجان پیش نہ آئے اور حقیقت حال سے ناواقفی کی بنا پر وہ کوئی اور انتظام نہ کر بیٹھیں۔

اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرما دیا تھا: لانورث ماترکناہ فھو صدقۃ یعنی چونکہ نبی وفات کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اس لیے ہم اپنے وارثوں کے لیے مورث "نہیں بنیں گے، ہم جو کچھ چھوڑ کر جائیں گے وہ سب صدقہ ہوگا، میراث نہ ہوگا، یعنی راہ خدا میں جس کو جو مناسب سمجھیں دے دیں۔ بنا بریں علیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اراضی کو اہل بیت وازواج مطہرات کے نان ونفقہ کے لیے رکھ چھوڑا اور اشیائے منقولہ بطور تبرک تقسیم فرما دیں۔ چند چیزیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حصہ میں آئیں۔ منجملہ ان کے تلوار بھی تھی جس کا نام ذوالفقار[2] مشہور ہے۔ کتب احادیث سے حضرت امام

---

[1] اصل لفظ فار کے فتحہ سے ہے لیکن عوام کسرہ پڑھتے ہیں (مرقات شرح مشکوٰۃ ۴/۲۸۰)

[2] بدر کے مال غنیمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف ذوالفقار کو بطور نفل لیا تھا (مشکوٰۃ باب قسمۃ الغنائم ص۳۵۴) پھر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی (قاموس مادہ فقر)

زین العابدینؒ [1] تک اس کا پہونچنا بظن غالب معلوم ہوتا ہے. لیکن معلوم نہیں کہ ان کی وفات کے بعد وہ کس کے قبضہ میں گئی. بعض صحابہ نے تبرکاً اس کو مانگا تھا [2] ممکن ہے کہ حضرت امام رحمہ اللہ نے ان کے حوالہ کر دی ہو۔ واللہ اعلم۔

"القصہ ایں ہمہ افسانہائے "ذوالفقار" کہ از شیعاں بگوش عوام رسیدہ باشند سراسر غلط اند، اصل حقیقت آں فقط ایں قدر باید فہمید کہ پس از وفات حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات چوں بوجہ اصرار جم غفیر صحابۂ کرام صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دست اہل بیعت گرفتند، انتظام مہام خلافت، ونگہداری بیت المال واوقاف فرض منصب خود دانستند. لیکن حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات بلحاظ آنکہ حضرت ابوبکر را جانشین خود فہمیدہ بودند، رو بروئے اوشاں ہمہ ترکۂ خود را وقف فرمودند، تا پس از وفات حضرت شاں صلی اللہ علیہ وسلم خلجانے پیش پائے شاں نشود، ومبادا بوجہ بے علمی از حقیقت حال — یعنی وقف بودن آں — بطور دیگر انتظام آں کنند، بایں وجہ اگر فرمودند روبروئے حضرت صدیق فرمودند" یعنی ارشاد رفت "لانورث ماترکنٰہ صدقۃ" مطلب ایں جملہ اینست کہ بوجہ اینست کہ بوجہ حیات النبی بودن مورث وارثاں نمی توانیم شد، ہر چہ بگذاشتہ ایم آں ہمہ صدقہ

---

[1] اسم شریف علی، لقب زین العابدین، سلسلۂ نسب: ابن حسین بن علی بن ابی طالب ہے، اور شہرت "علی اصغر" سے ہے۔ ولادت ۳۸ھ میں اور وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔

[2] جب امام زین العابدین اپنے والد ماجد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جام شہادت نوش کرنے کے بعد سے مدینہ شریف واپس تشریف لائے تو حضرت مسور بن مخرمہ زہری قرشی (۲—۶۴ھ) نے، جو صغار صحابہ میں، وہ تلوار تبرکاً مانگی تھی۔ ابوداؤد شریف باب مایکرہ ان یجمع بینھن (کتاب النکاح) میں روایت ہے: قال مسور له، ھل انت معطی سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فانی اخاف ان یغلبك القوم علیہ! وأیم اللہ! لئن اعطیتنیہ لایخلص الیہ ابداً حتی یبلغ الی نفسی (ج ا ص ۲۹۰) لیکن حضرت امام کا عطا فرمانا اس روایت میں مذکور نہیں ہے۔

باشد، نہ میراث، یعنی براہ خدا ہر کرا مناسب دانند بدہند، نظر بریں حضرت ابوبکر صدیق اراضی را بمزان و نفقہ اہل بیت وازواج گذاشتند، واشیائے منقولہ را بطور تبرک تقسیم فرمودند۔ چند اشیا بحصہ حضرت علی امیر المومنین کرم اللہ وجہہ آمد منجملہ آں شمشیر ہم بود کہ نامش "ذوالفقار" مشہور است، ورسید نش تا بحضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ از کتب احادیث بظن غالب معلوم می شود، پس از وفات حضرت شاں نہ انہم بدست کہ افتاد، مگر آنکہ بعض صحابہ بغرض تبرک سوال آں کردہ بود، حضرت امام حوالہ شاں فرمودہ باشد، واللہ اعلم اینست آں چیکہ در کتب معتبرہ خواہد بود، وسوائے ایں ہر چہ گفتہ اند، یا می گویند، ہمہ بے اصل می نماید (فیوض صـ۱۱۲)

(۳) یا رسول اللہ!

سوال :- کوئی شخص درود میں صرف "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھے تو جائز اور کافی ہوگا؟

جوابؔ : "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" بہت مختصر ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیے، ورنہ اسلام کیا ہوگا؟ کفر ہوگا! بلکہ یوں سمجھے (کہ) یہ پیام فرشتے پہونچاتے ہیں۔" (فیوض صـ۲۹)

(۴) مرشد مرید کے ہمراہ

"مرشدوں کی نسبت یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہر دم ساتھ رہتے ہیں، اور ہر دم آگاہ رہتے ہیں۔ یہ (تو) خدا ہی کی شان ہے (البتہ) گہہ و بیگاہ — بطور خرقِ عادت — بعض اکابر سے ایسے

لہ حضورؐ کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھ کر "یا رسول اللہ" کہنا کفر ہے، اور اگر یہ عقیدہ نہیں تو مشابہ بکفر ہے۔ البتہ اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے سامنے عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ بندۂ مومن کا درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں اور ملائکہ کی ایک صنف اسی خدمت پر مقرر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ صـ۹۲)

معاملات ظاہر ہوئے ہیں، اس سے جاہلوں کو یہ دھوکا پڑا ہے۔" (فیوض ص۱۴۹)

(۵) کیا گروہ بندیاں ختم ہو سکتی ہیں؟

" اس زمانے میں یہ توقع بے جا ہے کہ اختلاف اُٹھ جائے اور اتحاد پیدا ہو جائے۔ اِ
بالعموم ابنائے روزگار میں فہم و انصاف ہوتا تو بعد فہمائش ممکن تھا کہ یہ اختلاف اُٹھ جاتا، مگر آپ جا
ہیں کہ آج کل یہ دونوں باہم نصیب اعدا ہیں۔ یہ اختلاف ہی موجب عداوت ہے اور یہ عداو
باہمی موجب منفر (تنفر) یکجہ گر ہے، اس لیے کوئی کسی کی نہیں سنتا، اور بے سمجھے دوسروں کے
رسم و راہ کو غلط سمجھتا ہے، پھر آپ ہی فرمائیں (جب) یہ حال ہو تو کیا حال ہوگا؟! اس صورت
میں توقع فہم و انصاف ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ ہر کسی کی خود رائی، اُدھر مذہب باطل کا
خوش نمائی اور رنگینی، موجب ازدیاد ترقی باطل ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب جانتے ہیں، خدا کے کیسے پیارے تھے؟! اور کیسے بلند ہمت
اور اولوالعزم تھے؟! پھر بنی اسرائیل پر ان کا کتنا بڑا احسان تھا کہ غلامی فرعون و قوم سے چھڑا کر بادشا
مملکت وسیعہ بنا دیا، مگر تس پر (یعنی باوجود اس کے) تسلیم احکام میں اتنی سرتابی کرتے تھے کہ بعض
دفعہ پہاڑ کو اٹھا کر سر پر معلق کر دیا، تو (یعنی تب) حکم مانا، نہیں تو نہیں (مانا)، اور سامری نے ایک کر
بے معنی دکھلایا اور سب کے سب جھٹ پٹ اسکے حلقہ بگوش ہو گئے! آواز بے معنی کجا اور معجزہ
موسیٰ کجا! پھر کرشمہ سامری بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کا طفیل تھا۔ نہ حضرت جبرئیل
علیہ السلام ان کی مدد کو آتے نہ ان کی اسپ مادہ کے سُم کی تاثیر سامری کو نظر پڑتی، نہ اس کر
کی نوبت آتی۔ پھر حضرت موسیٰ کجا اور سامری مردود، دغاباز کجا! مگر چونکہ اسکی رسم و راہ یعنی وہ
ڈھکا، روشنی چراغی، مرغوبات طبعی میں سے تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات نفس
پر دشوار (تھے) تو (یعنی اس لیے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع دشوار تھا اور سامری کا اتبا
سہل ——— غرض اس زمانہ میں مذاہب باطلہ بوجہ مذکور قابل ارتفاع نہیں" (یعنی یہ تو
نہیں کہ وہ ختم ہو جائیں گے اور ان پر چلنے والے راہ حق پر آجائیں گے) فیوض ص۱۴۹

(۶) جمعہ کی پہلی اذان

سوال :- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان کیوں بڑھائی؟ وجہ کیا ہے؟ —

جواب :- خطبۂ جمعہ کا اصلی مقصد وعظ سننا ہے (اور جب مدینہ کی آبادی بڑھی اور دور تک پھیل گئی تو منبر والی اذان سب لوگ نہیں سن سکتے تھے نیز لوگوں میں سستی راہ پانے لگی چنانچہ تب کبیر (جمعہ کی نماز کے لیے جلد جانا) کا اہتمام ختم ہوگیا تو) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ والی اذان سے پہلے ایک اذان بڑھائی تاکہ لوگوں کے پہونچنے میں تاخیر نہ ہو اور خطبہ کا اصلی مقصد حاصل ہو سکے۔

"غرض اصلی استماع است ..... و شاید ہمیں است کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اذانے دیگر قبل از اذانِ خطبہ افزودند تا نہ باشد کہ در رسیدنِ سامعاں دیر شود، و خطبہ بیکار رود — غرض بوجہ غرض مذکور — باوجود مقرر بودن یک اذان کہ برسرِ منبر مقرر است — اذانے دیگر بیشتر از اذانِ خطبہ افزودہ شد تا مطلب اصلی بوجہ احسن بدست آید" (فیوض ص ۲۷)

(۷) حدیث: من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ

سوال :- حدیث "من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ" کا مرتبہ کیا ہے؟ اور معنی کیا ہیں؟ شیعہ حضرات "مولیٰ" کے معنی "حاکم" کرتے ہیں کیا یہ معنی صحیح ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا ثبوت اس حدیث سے نکلتا ہے؟

جواب :- حدیث صحیح ہے لیکن "مولیٰ" اور "ولی" کے اصلی معنی "دوست" ہیں، دونوں لفظ ایک ہی مصدر سے بنے ہیں اور ایک ہی معنی رکھتے ہیں، جس طرح کہ "ولی اللہ" اور "اولیاء اللہ" کے معنی "اللہ کے دوست" ہیں۔ "ولی" اور "اولیاء" کے معنی حاکم یا حکام نہیں ہیں ورنہ "ولی اللہ"

لہ وصار ذلک الاذان الذی بین یدی الخطیب لایسمعہ جمیع اہل المدینہ الخ (ابن حجر عسقلانی) او لما ظہرت البدعۃ علی ماقیل انہا اول المبدع — وہی ترک التبکیر الخ (ملا علی قاری)

کا مطلب ہوگا "خدایا حاکم"۔ العیاذ باللہ!

دلیل یہ ہے کہ حدیث مذکور کا آخری حصہ اس طرح ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ ۔ یعنی "خدایا! اس شخص کو اپنا دوست بنا جو علیؓ کو اپنا دوست بنائے اور اس شخص سے عداوت رکھ جو علیؓ سے عداوت رکھے"۔ اگر حضرات شیعہ کا ترجمہ صحیح ہو تو جملۂ مذکورہ کا ترجمہ یوں کرنا ہوگا:

"خدایا! اس شخص پر حکومت کیجئے جو علیؓ پر حکومت کرے۔"

علاوہ بریں حدیث کا محلِ ورود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی مقام پر بھیجا تھا، وہاں ان کے بعض ساتھیوں کو کچھ باتوں کی وجہ سے ان سے رنجش ہو گئی تھی، چنانچہ انھوں نے دربار نبوی میں آپؓ کی شکایت گزاری لیکن درحقیقت شکایت غلط فہمی اور حضرت علیؓ کی قدر ناشناسی پر مبنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکایت سن کر فرمایا:۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ الخ یعنی جسے میں محبوب ہوں اسے علی بھی محبوب ہونے چاہئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ساتھیوں کی رنجش ختم ہو گئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے لیے لازم ہے حضرت علیؓ سے محبت کرنا اور یہ بات قرینِ عقل ہے۔ استاذ اور پیر سے محبت کے لیے استاذ زادگان و پیرزادگان کی محبت لازم ہے۔ حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بمنزلۂ فرزند کے تھے اس لیے ان سے محبت بعینہٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

ل یمن میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) وصول کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا تھا اور اسی سلسلہ میں ساتھیوں کو کچھ شکایات حضرت علیؓ سے پیدا ہو گئی تھیں حضرت خالدؓ نے حضرت بُرَیدَہ بن الحُصَیبؓ کو مامور کیا کہ وہ دربار نبوی میں شکایت پہنچائیں جب شکایت پہنچائی گئی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کنت مولاہ الخ جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو ابدی اہمیت حاصل ہو گئی چنانچہ مجلس سے نکلتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ھَنِیْئًا لَکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ! لقد اَصْبَحْتَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ! مبارک! آج سے آپ ہر مومن کے دوست بن گئے! کیونکہ اب کون مومن ہوگا جو زبان سے بھی ہو دعویٰ حب رسول بھی کرے اور حضرت علیؓ سے محبت نہ رکھے؟ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ

لیکن پیرزادگان کی خلافت و جانشینی ضروری نہیں ہے۔ اس کا تعلق قرابت سے نہیں ہے
بلکہ جو شخص علم و زہد میں درجۂ کمال تک پہنچا ہوا ہوگا اور دوسروں سے گوئے سبقت لے چکا ہوگا وہی
استاذ اور پیر کی خلافت کا مستحق کا ہوگا ــــ مگر شیعہ حضرات خلافت کے مسئلہ کو سلاطین دنیا
کی ولیعہدی پر قیاس کرتے ہیں اور حضرت علیؓ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن انھیں معلوم نہیں کہ اگر دین
اور دنیا پر قیاس کیا جا سکتا ہے تو بھی حضرت علیؓ کا نمبر چوتھا ہی آتا ہے سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ
مستحق خلافت ہیں پھر حضرت حسنؓ پھر حضرت حسینؓ۔ ــ

ہر حال سنی حضرات اگر حضرت علیؓ کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں تو وہ ان کو ان کے مقام ہی
پر رکھتے ہیں ــ ہاں اس قدر "غلطی" کرتے ہیں کہ ان سے پہلے اصحاب ثلثہ (ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ)
رکھتے ہیں تاکہ حضرت علیؓ کی باری بھی آسکے، ورنہ اگر پہلے حضرت فاطمہؓ کو خلافت دیں پھر بالترتیب
آپ کے دونوں صاحبزادوں کو، تو بتلایا جائے کہ حضرت علیؓ تک خلافت کس طرح پہونچے گی؟ کیونکہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں صاحبزادوں سے پہلے ہی وفات پا چکے ہوں گے۔ پس سنیوں کی
غلطی کس قدر عمدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو محروم نہ ہونا پڑا بلکہ ان کے نمبر پر ان کو حق ملا
یا البتہ شیعہ حضرات کے دل سے کوئی پوچھے کہ سنیوں کی یہ "غلطی" "از صد صواب اولیٰ تر" کی
مصداق ہے یا نہیں؟

حدیث: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" مسلّم مگر "مولیٰ" دراصل ہمچوں "ولی" بمعنی "دوست"
آید، ہر دو لفظ از یک مصدر اند، و یک معنی دارند، و پیداست کہ "ولی اللہ" و "اولیاء اللہ"
را کہ ولی و اولیاء می گویند، مراد از آں "دوست خدا" و "دوستان خدا" می باشند،
نہ آنکہ ولی و اولیاء بمعنی حاکم و حکام باشند، و مراد آں بود کہ ولی حاکم بر خدا باشد، و اولیاء
حکام خدا باشند۔
و زیادہ تر قرینۂ ایں مطلب اینست کہ در آخر ایں حدیث ایں ہم ارشاد است،

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ ۱/۲۲۳۔۲۵۰ میں حدیث غدیر بحث
بہ تمام سندیں جمع فرمادی ہیں فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء)

"اللهم وال من والاه، وعاد من عاداه" معنی ایں جملہ اینست که: "بارخدایا! دوستِ خویش گرداں آنرا که به علی دوستی کند، و عداوت کن باکسیکه با علی عداوت کند" اگر مطلوبِ شیعیان مرادِ حدیث بودے، ترجمۂ جملۂ مذکوره بدیں طور می شد که: "حکومت کن برکسیکه حکومت کند بر علی"

علاوه بریں قصه ایں ارشاد ایں است که حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ را بجانبے فرستاده بودند، بعض همراهیان از اوشان در بعضے کارہا آزرده، شکایت بخدمتِ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رسانیدند، چوں شکایتِ شاکیان بوجہ غلط فہمی، و ناقدرشناسی حضرت علی بود، حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند، "من کنت مولاه فعلی مولاه" یعنی "هر که من محبوبِ او باشم علی نیز محبوبِ او باشد" بایں ارشاد شکایت از دلِ همراهیان زائل شد، و همگنان را معلوم شد که محبت حضرت علی را - رضی اللہ عنہ - محبتِ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لازم است۔

و ایں امر عین موافقِ عقل است۔ محبتِ پیرزادگان و استاذزادگان محبتِ پیر و استاذ را لازم است۔ حضرت علی بمنزلۂ فرزند بودند، محبت اوشان عین محبت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم باشد اما خلافت و جانشینیٔ پیرزادگان ضروری نیست، ایں امر مربوط بقرابت نیست، علاقه به کمالِ علم و کمالِ فقیری دارد، و هر که دریں امر گوئے سبقت ربوده باشد، همان مستحقِ خلافتِ استاذ و پیر بود۔ مگر شیعیان قصۂ خلافتِ نبوی را - صلی اللہ علیہ وسلم - بقصۂ ولیعهدیٔ سلاطینِ دنیا قیاس نموده حضرت علی را ترجیح می دهند، و نمی دانند که اگر بفرضِ محال، دین را بدنیا قیاس توان کرد، تاهم حضرت علیؓ اگر بودند بمرتبۂ چهارم بودند، اول حضرت فاطمہ مستحقِ خلافت بودند، دوم حضرت حسن، سوم حضرت حسین رضی اللہ عنہم بہرحال سنیان اگر حضرت علی را بمرتبۂ چهارم داشتند بجائے خود داشتند۔

آرے ایں قدر خطا کردند که اول از اوشان اصحابِ ثلثه را نهادند تا نوبت بحضرت علی هم برسد، ورنه اگر اول حضرت سیدۃ النساء داده، باز بعد اوشان علی را سپردند، رسیدنِ خلافت بآنحضرت علی معلوم می شد؟ مگر از دلِ شیعیان باید پرسید که ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست؟ (از فیوض ص۱۴، ۱۵)

اِفَادَاتِ قَاسِمِیَہ

از امام کبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

مرتبہ مولانا سعید احمد پالن پوری، استاذ دارالعلوم اشرفیہ (راندیر۔ ضلع سورت)

(۸) جب ملازمت کی وجہ سے جمعہ وجماعت ادا نہ کرسکے

ایک مسترشد کو تحریر فرمایا:

"نماز روزہ بھی ضروری ہے اور روزگار بھی ضروری ہے۔ اگر جمعہ وجماعت کے چھوٹنے کا رنج بے قرار بنا دیتا ہے تو خدا کا نام لے کر (توکل کرکے) ملازمت ترک کردو، اور دوسری جگہ تلاش کرو خداوند قدوس رزاق ہے، کفیل رزق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ رزق دے گا ہی ــــ اور اگر ملازمت ترک کرنے کی جرأت بایں وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسری جگہ نظر نہیں آتی تو خاموش بیٹھو" (جب تک کوئی راہ نکلے)"۔

"نماز روزہ ہم ضروری، وروزگار ہم ضروری۔ اگر رنج جمعہ وجماعت بے قرار میدارد، بنام خدا ترک دادہ بجائے دیگر تجسس کنند، خداوند رزاق کفیل رزق است، انشاء اللہ تعالیٰ خواہد داد۔ واگر جرأت ترک، بایں وجہ نیست کہ جائے دیگر بنظر نمی آید، خاموش نشینند"

(مکتوبات قاسمیہ ص مکتوب ۳)

(۹) استاذ کا ادب

"جو شاگرد استاذ کی خدمت میں گستاخ ہوتا ہے، عادت الٰہی یوں جاری ہے کہ علم سے بہرہ نہیں ہوتا...... حدیث میں ہے:

مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔　　یعنی: جو کوئی آدمیوں کا شکر نہ کرے گا وہ اللہ کا بھی شکر نہ کرے گا۔

اور ظاہر ہے کہ ہر چند منعم حقیقی خداوند کریم ہے، پر دولت علم بواسطہ استاد ہی حاصل ہوتی ہے" اور جو استاذ کا ادب و شکر نہ کرے گا وہ اللہ کا شکر بھی نہ کرے گا پھر اُسے دولت علم کس طرح عطا ہو؟! (ہدیۃ الشیعہ ص۱۱ مطبوعہ حقانیہ کراچی)

(۱۰) کفرانِ زوالِ نعمت کا سبب ہے

شکر پر وعدہ مزید نعمت ہے چنانچہ فرمایا ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ　　یعنی: اگر شکر کرو گے تو البتہ ہم اور زیادہ دیں گے۔

تو اس صورت میں۔ بشہادت عقل۔ کفران پر زوالِ نعمت متفرع ہونا چاہیے۔" (حوالہ بالا ص...)

(۱۱) بزرگی کا مدار

"بزرگی کا مدار" اطاعت خداوندی" پر ہے، چنانچہ کلام اللہ میں خود فرماتے ہیں:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ　　یعنی: بیشک اللہ کے نزدیک زیادہ تعظیم و تکریم اسی کی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"　　(الحجرات آیت ۱۳)

(حوالہ بالا ص۲۱۶)

(۱۲) گناہ سے باز آجانا توبہ ہے

"وعظ کے سبب جو کوئی گناہ سے باز آئے تو وہ توبہ ہی ہوتی ہے۔ توبہ کے اور کچھ سر سینگ نہیں" (ہوتے)　(حوالہ بالا ص۲۴۲)

(۱۳) بے وقوفوں کی اصلاح جوئے شیر لانے کے مرادف ہے

"بے وقوفوں کی اصلاح انبیاء سے بھی نہیں ہوتی..... شاہد اس کا یہ ہے کہ امام غزالی کی بعض کتابوں میں کچھ ایسا لکھا ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہسار کی طرف بھاگے جاتے تھے۔ کسی نے عرض کی: آپ ایسے افتاں و خیزاں اس طرف کیوں جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک نادان آگیا ہے! اُس نے عرض کی کہ: پھر آپ کو کیا اندیشہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بے وقوف کا کچھ

علاج نہیں، وہ کسی کے فیضِ صحبت یا برکتِ نصیحت سے زائل نہیں ہوتی، اُلٹے اسی کا اثر پڑ جائے تو پڑ جائے فقط (یعنی امام غزالی کا بیان پورا ہوا) اور کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ يُسْتَطَبُّ بِهِ   إِلَّا الْحَمَاقَةَ دَاءٌ لَا دَوَاءَ لَهَا

یعنی: ہر بیماری کا کچھ نہ کچھ علاج ہے جس سے اس کے زائل ہونے کی تدبیر کی جاتی ہے، پر حماقت ایسی بیماری ہے کہ اس کا کچھ علاج ہی نہیں۔" (حوالۂ بالا ص ۳۱۷)

(۱۴) آمدنی کے حلال و حرام ہونے کی بنیاد

"رزق (آمدنی) اپنی حلت و حرمت میں اُن اسباب کا تابع ہوتا ہے جس کے وسیلے سے وہ رزق حاصل ہو۔ اگر وہ اسباب حرام ہوں تو وہ رزق بھی حرام رہے گا، اور اگر اسباب حلال و مباح ہوں تو وہ رزق بھی حلال و مباح سمجھا جائے گا۔ (مثلاً) اگر رزق تجارت، کھیتی، کھانے پکانے، سینے پرونے کی مزدوری سے میسر آئے، یا اس مال کے عوض مول لیا جائے جو اسبابِ مذکورہ سے ہاتھ آئے تو اس رزق کو حلال ہی کہیں گے۔ اور اگر سود۔ زنا۔ چوری۔ غصب۔ مثلاً۔ ہاتھ لگے تو اس کو حرام ہی کہیں گے۔ جب تک کہ صاحبِ مال بطیبِ خاطر بے وجہ اجازت نہ دے اور مباح نہ کرے حلال و مباح نہیں کہہ سکتے۔

اور وجہ اس کی یہی ہے کہ جو شئے جس راہ سے آتی ہے اس کی کیفیت اسی کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے۔ دیکھئے نور اگر آئینۂ سبز، زرد، سرخ، سیاہ وغیرہ میں ہو کر آتا ہے تو ان آئینوں کی سبزی، زردی، سرخی، سیاہی وغیرہ اس کے نور کے ساتھ آتی ہیں، آدمی کے نطفے سے آدمی ہی کی شکل کا بچہ ہوتا ہے تو اسی وجہ سے کہ وہ نطفہ اسی بدن سے آیا ہے، اور گیہوں، چنے وغیرہ کے بیج پر اور نیز جامن وغیرہ کے تخم پر اگر ویسا ہی اناج اُگتا ہے یا ویسا ہی پھل لگتا ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اجزاءِ زمین اس بیج یا تخم کی راہ سے نکل کر باہر آتے ہیں۔

الغرض جو شئے کسی شئے پر موقوف ہو یعنی بے اس کے اس شئے کے وجود کی کوئی صورت ہی نہ ہو، تو اس شئے کا اثر اس دوسری شئے میں ضرور ہوگا۔" (فیوضِ قاسمیہ ص ۲۴، ۲۵)

(۱۵) حلال ہونا اور ہے قبول ہونا اور

"حلال ہونا اور ہے اور قبول ہونا اور، فرض حلال ہونے کو قبول ہونا لازم نہیں، اور

قبول نہ ہونے سے حرام لازم نہیں آتا، اگر ہماری نماز — خدانخواستہ — قبول نہ ہو، کہ ہم کہیں (ہوں اور ہمارا) دل کہیں (ہو)، تو ارکان ظاہرہ کو — جن کو قیام، قعود، رکوع، سجود کہتے ہیں — حرام نہ کہیں گے .... (یا مثلاً) کفار اگر خدا ہی کی عبادت کریں، خاص اسی کی نیت سے نذر نکالیں، یا اسی کی نیت سے نماز، روزہ گزاریں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے اگر (چہ) بوجہ کفران سے ناخوش ہو کر (اللہ پاک) ان کے ان اعمال کو قبول نہ فرمائیں اور ان پر ثواب عنایت نہ ہو۔

(جیسے) اگر بادشاہ وقت کسی امیر کا سلام نہ لے اور نذر قبول نہ کرے تو یوں نہیں کہہ سکتے کہ بادشاہ ایسے کاموں سے — یعنی سلام و نذر سے — ناخوش ہوتا ہے، یا ان کاموں کی اس کے یہاں ممانعت ہے۔ اگر یہ بات ہو تو اس امیر کی کیا تخصیص تھی؟ کسی کی بھی نذر نہ لی جایا کرتی اور کسی کا بھی سلام و نیاز و آداب قبول نہ ہوا کرتا، بلکہ ان باتوں کی ممانعت عام ہو جاتی۔

مگر سب جانتے ہیں کہ آداب بجا لانا، اور نذریں پیش کرنی، علامت تابعداری اور نشانی اطاعت ہے، از قسم معصیت نہیں ہے، ایسے ہی اگر کسی کی عبادت نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی، نذر، فطرہ، خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبول نہ ہو — جیسے کفار کی عبادت کا حال ہوگا — تو اتنی بات سے اس نماز، روزہ، زکوٰۃ، نذر، قربانی، فطرہ کو گناہ نہیں کہہ سکتے، جو حرام کہہ دیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو ان باتوں کی ممانعت (عام) ہوتی، کسی کے حق میں یہ باتیں طاعت نہ ہو سکتیں۔"

(حوالۂ بالا ص ۲۵)

(۱۶) دینی امور میں بھی ذوق مختلف ہوتے ہیں

" طبائع انسانی و حیوانی باعتبار غذا کے ایسے مختلف ہیں، کہ کسی کو میٹھا بھاتا ہے تو کسی کو نمکین، کسی کو ایک چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے، کسی کو نفرت، انگریزوں کو عطر نفیس سے تنفّر اور مچھلی کے اچار سے — جیسے سونگھ بھی لیجئے تو دماغ پھوڑ، جان کی خیر نہیں — رغبت۔ پاخانہ کے کیڑے گندگی میں خرم و شاد و عیش و آرام سے رہیں، اور خوشبو سونگھیں تو مر جائیں۔ ایسے ہی باعتبار امور دینی کے — جو غذاء ارواح ہیں — ارواح بنی آدم مختلف ہوا، کسی کو رغبت ہو، کسی کو نفرت، کسی کو لذت آتی ہے، کسی کی جان نکل جاتی ہے۔"

(ہدیۃ الشیعہ ص ۱۶، ۱۷)

(۱۷) تصور شیخ

سوال: کیا شیخ کا تصور جائز ہے؟ بعض لوگ منع کرتے ہیں؟

جواب: تصور شیخ کی دو صورتیں ہیں اول: شیخ کا تصور واسطہ و رابطہ کے طور پر ہو یعنی وصول الی اللہ کے لیے شیخ کو ذریعہ بنایا جائے اور اصل تصور و ذکر صرف اللہ ہی کا ہو تو یہ جائز ہے، عقلاً بھی اور نقلاً بھی، عقلاً تو اس لیے کہ جب کوئی کام دشوار ہوتا ہے اور کسی کی معاونت سے اس کے سرانجام پانے کی امید ہوتی ہے تو اس شخص سے مدد لینا عقل کا فیصلہ ہے، اور نقلاً بایں وجہ کہ کلمہ طیبہ میں لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ بھی ہے، جو اسی طرف مشیر ہے۔

"وقت یاد خداوند جل وعلا اگر شیخ را رابطہ خود تصور کند چہ باک؟! کہ محمد رسول اللہ پس از لا الٰہ الا اللہ ہمیں جانب مشیر است، و ایں بداں ماند کہ کسے را با کسے کارے افتد... کہ نظر حمایت بار داشتہ باشد، و بار کار خود بُرد انداختہ... پس چنانکہ مرد حاجت مند را بہ تقاضائے ضرورت وقت، تدبیر و جانفشانی ہائے خود باد محتاج الیہ ضروریست، و بوجہ مداخلت آں ذکر بیانبادا لازم و توسل بار واجب، ہمچناں طالبانِ خدا را یاد خداوند متعال ضروریست، و نیاز بہ رہبرانِ ایں راہ لابدی، و وقت عرض نیاز اقرار بعدم استحقاق و نفی لیاقت خود لازم، و بدیں وجہ توسل آں مقرباں واجب۔ بالجملہ ایں چنیں تصور شعبہ از اعتقاد شفاعت است، یا پرتوہ اعتقاد رسالت، و ہمیں (وجہ) است کہ ایں تصور را اکابر طریقت "رابطہ و وسیلہ" نام نہادہ اند۔" (فیوض ص۳۸)

تصور کا طریقہ: "تصور میں (شیخ کی) صورت کا خیال (رکھنا) امر فضول ہے (جائز طریقہ یہ ہے کہ) جیسے کسی کے تذکرہ کے وقت کسی کا خیال آتا ہے، ایسا ہی تصور شیخ میں (چاہیے) مگر (یعنی یہ بھی ضروری ہے کہ اگر) تصور کرو تو اپنے آپ کو اپنی جگہ اور شیخ کو اپنے وطن میں (سمجھو) اور اس کے ساتھ یہ خیال رہے کہ ادھر سے کچھ فیض آتا ہے۔" (فیوض ص۴۹)

دوم: بالذات اور مستقلاً شیخ ہی کا تصور کیا جائے تو یہ قطعاً ناجائز ہے۔ اور آیت مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء ۵۲) یہ کیا (واہیات) مورتیں ہیں، جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو؟! کا مصداق ہے۔ اگرچہ اس قسم کا تصور کرنے والوں میں عقیدۂ استقلال میں تفاوت کی وجہ سے

تفاوت رہے گا — کیونکہ قرآن پاک اور حدیث کا واقف یہ ضرور جانتا ہے کہ ذکر و تصور صرف اللہ تعالیٰ کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ وہی جمال و کمال کا مالک ہے۔ لہذا ہر وقت انھیں کا ذکر و فکر اور تصور ہونا چاہیئے۔ پس جو شخص اپنے شیخ کا تصور مستقلاً اور بالذات کرتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہوگا جس نے اپنے آپ کو بتوں کے لیے وقف کر دیا ہو۔

" آرے اگر تصور مستقل است، و از مفہوم ربط و توسل عاری، آں را مستغط اشارہ ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عٰکفون تصور باید فرمود — گو فیما بین افراد ایں قسم تصور، باعتبار اعتقاد و استقلال، فرق باشد — بالجملہ بخیال احقر یاد ایا ایکہ، مقتضائے یاد خدا نتواں گفت وازیاد خدا دل محو، یا دپیر را خبر نہ باشد، شائبہ از تماثیل مشارالیہا دارد — گو صاحب تصور پیر را حسب اعتقاد اسلام بندۂ محتاج اعتقاد کردہ باشد — چہ یاد اصلی از حقوق خداوند یست، چنانچہ بر ماہران قرآن و حدیث مخفی نخواہد بود، چوں ذکر و یاد ثمرۂ محبت است، و محبت اصلی غیر ذات تبارک و تعالیٰ — کہ اصل ہر جمال و کمال است — نسزد، پس ہر کہ باختیار خود دل بیاد دیگراں داد، ازیں وجہ دل خود را از یاد خداوندی پرداخت، و باز ایں کار خود را بنظر استحسان دید لاجرم رہ کساں رخت کہ بہر بتاں خود را وقف کردہ اند۔" (حوالہ بالا)

تتمۂ جواب: جن لوگوں نے تصور شیخ کو منع کیا ہے انھوں نے یا تو قسم دوم کو معمول بہ دیکھا ہوگا یا سداً للذریعہ اور حسماً لمادۃ الفتنۃ منع فرمایا ہوگا۔ پس انھوں نے جو کیا وہ بجا کیا۔ لیکن تصور شیخ کی تفصیل و حقیقت وہ ہے جو اس پراگندہ حال نے عرض کی۔ واللہ اعلم

" و چوں ایں صورت تصور حاصل شیخ اول را؟ است آنانکہ علی الاطلاق منع کردہ اند، باہمیں قسم را معمول بہ یافتہ یا رخنہ بندی شریعت و طریقت مدنظر داشتہ، و ہرچہ کردند بجا کردند، اما حقیقت حال ایں است کہ ایں پراگندہ حال بعرض رسانید واللہ اعلم و علمہ اتم" (حوالہ بالا)

اضافہ از حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ

" تصور کا مفہوم عام ہے " رابطہ " کے مفہوم سے، کیونکہ " رابطہ " ایک خاص شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادہ کر کے دیکھا جاتا ہے۔

فيفرض كأنه حاضر ناظر لكن
تصوراً فقط لا اعتقاداً، فإنه
شرك، ولذا يمنع منه العوام
وهذا هو المراد في كلام بعض
الأكابر حيث أدخل هذا في
عموم قوله تعالى: ما هذه
التماثيل التي أنتم لها
عاكفون

(یعنی شیخ کو ایسا فرض کیا جاتا ہے گویا کہ
وہ حاضر و ناظر ہے، لیکن صرف تصور و
خیال ہوتا ہے، اعتقاد نہیں ہوتا، کیونکہ
اعتقاد تو شرک ہے اور اسی وجہ سے عوام
کو اس سے منع کیا جاتا ہے، اور یہی مراد ہے
بعض اکابر کے اس کلام میں کہ انھوں نے
تصور شیخ کو باری تعالیٰ کے قول ما هذه
التماثيل التي أنتم لها عاكفون
کے عموم میں داخل کیا ہے)

یہ تو حقیقت ہے اس کی، اور فائدہ اس کا شغف ہے شیخ کے ساتھ، جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے، چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے، اسلئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں۔

لكن لما كان ضرره للعوام
أكثر من هذا النفع المذكور
لم يعتبر هذا النفع في منعهم
منه.

(لیکن جبکہ عوام کے لیے اس کا نقصان
مذکورہ نفع سے زیادہ ہے تو منع
کرنے والوں نے اس نفع کا اعتبار
نہیں کیا)

اور تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں، بلکہ اس کی حقیقت (وہ) ہے جو لغۃً مفہوم ہوتی ہے۔ محل اس کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسدہ کا ہجوم ہو، اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو منتہی اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے کرتا ہے اور متوسط زیادت توجہ الی الذکر سے، کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جاوے گی، حسب قاعدہ فلسفیہ النفس لا تتوجه الى شيئين في آن واحد دوسری طرف نہ رہے گی۔ اور مبتدی چونکہ غائب یعنی مذکور کی طرف زیادت توجہ کا خوگر نہیں، اور ذکر گو امر حسی مشاہد مسموع ہے اور توجہ دشوار نہیں، لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں اس لیے وہ جیتا

یں، اس سبب سے اس کے لیے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی، ہے، اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے۔ اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہو جاتے ہیں۔ مگر بعد فراغ پھر اس تصور کو نہیں جانتے کہ اشتغال بغیر المقصود مخل اشتغال بالمقصود ہے ___ اور ں تقریر سے حقیقت کے ساتھ ان دونوں کا نفع بھی معلوم ہو گیا۔"

(الکشف عن مہمات التصوف ص۵۰۰، مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)

ارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ

کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں، مگر "رابطہ" جو مشائخ میں مروج ہے۔ ۔کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا ___ اگر اسی حد پر رہے، کہ جس حد پر بزرگوں نے تجویز کیا تھا، تو چنداں دشواری (برائی) نہیں، گو ترک اس کا بھی اولیٰ ہے، کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے، اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدوں اس کے کام نہ چل سکے، جو اس حد سے بڑھ جاوے تو البتہ ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۹۶)

(۱۸) تکفیر میں احتیاط

مسلمانوں میں کون ایسا ہے جس کا قرآن پر ایمان نہ ہو؟ لہٰذا حتی الامکان کسی کو کافر نہ سمجھنا چاہیے۔

"در مسلماناں کیست کہ قرآن دین و ایمانِ او نباشد؟ بناءً علیہ تا مقدور کسے را کافر نباید دانست۔" (فیوض ص۲۰ مکتوب ۱۲)

"اپنے خیالِ ناقص میں قطعی کافر تو وہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کافر فرمایا ہو)۔ ہاں ظاہر میں جس سے افعال کفر وکلمات (کفریہ) صادر ہوں ___ اگر ہم کو ان باتوں کے دیکھنے سننے کا خود اتفاق ہو، یا بروایت متواترہ ہم تک پہونچ جائے تو اس وقت ___ بظاہر ہم کو اس کے ساتھ معاملات کفر ہی کرنا چاہئیں۔" (فیوض ص۳۲-۳۳ مکتوب ۹)

(۱۹) آخرت میں شراب حلال کیوں ہو گی؟

سوال: شراب جب دنیا میں حرام ہے تو آخرت میں حلال کیوں ہو گی؟ یہاں اور

واں کا یہ فرق کیوں؟

جواب: شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک نشہ دوسری سرور۔ اور ان دونوں میں اگرچہ تضاد ہے۔ کیونکہ نشہ تو بیہوشی کا نام ہے، کم نشہ ہو تو کم بیہوشی ہوتی ہے اور اگر زیادہ نشہ ہوتا ہے تو زیادہ (بے ہوشی ہوتی ہے) اور سرور کے لیے ہوش لازم ہے۔ لیکن تضاد کے باوجود دونوں باتوں کا شراب میں مجتمع (اکٹھا) ہونا ایسا ہے جیسے تمام مادی مرکبات میں۔ حتیٰ کہ انسان کے جسم میں بھی۔ گرمی سردی دونوں کا اجتماع ہوتا ہے، حالانکہ یہ گرمی سردی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی طرح شراب میں بھی دو مختلف چیزوں۔ یعنی نشہ اور سرور کا اجتماع ہوتا ہے۔

اب یہ سرور اور نشہ جو شراب میں مجتمع ہیں کسی شئے واحد کا اثر تو ہو نہیں سکتے، لامحالہ ماننا ہوگا کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی دوسری چیز کی تاثیر ہے، مثلاً انسان کے جسم میں حرارت بھی ہے اور برودت بھی، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ گرمی اور سردی، دونوں ایک چیز کا اثر ہیں۔ بلکہ دو چیزیں (آگ اور پانی) ماننا ہوں گی، جن میں سے ایک کا اثر سردی ہو اور دوسری کا گرمی پھر اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جس کی خاصیت نشہ ہو یعنی قدرت الٰہی کی چھلنی سے چھان کر اس چیز کو جدا کر دیا جائے تو اس وقت شراب میں فقط لذت اور سرور ہی رہ جائے گا اور ہر عقلمند کے نزدیک ایسی شراب حلال ہوگی۔ کیونکہ تمام عقلمندوں، اور شراب کو حرام ماننے والوں کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ شراب کی حرمت کا سبب "نشہ" ہے۔ مسلمان بھی اس کی حرمت اس وقت تک مانتے ہیں جب تک کہ اس میں "نشہ" ہے۔ چنانچہ شراب اگر سرکہ بن جائے اور "نشہ" نہ رہے تو مسلمان اس کے پینے میں باک محسوس نہ کریں گے۔ نیز قرآن و حدیث و فقہ میں بھی حرمت شراب کی یہی وجہ مرقوم ہے۔[۵]

---

۵ کلام اللہ میں ہے: لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ (النساء، آیت ۴۳) "نماز کے پاس ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو"۔ اور ارشاد باری عزاسمہ ہے: قل: فیھما اثم کبیر و منافع للناس (البقرہ آیت ۲۱۹) "آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

بہرحال جب وجہ حرمت "نشہ" ٹھہری۔ اور اس کا مبداء (علت) ایک الگ چیز ہوئی اور اس مبداء کا شراب سے الگ ہونا ممکن ثابت ہوا تو جب اس مادہ کو جدا کر دیا جائے گا تو شراب میں صرف سُرور ہی باقی رہے گا، جو اصل مقصود ہے، کیونکہ جو شخص شراب پیتا ہے وہ سرور کی خاطر پیتا ہے، بیہوشی کے لیے نہیں پیتا، کلام اللہ میں بھی جنت کی شراب میں لذت کا تو اثبات[1] ہے۔ جو سرمایہ سرور ہے — اور نشہ کی نفی ہے — جو وجہ ممانعت ہے۔ ارشاد[2] باری ہے:

لَا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ (الطور)

(وہاں آپس میں جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے) اس میں نہ بکبک لگے گی اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی

(انتصار الاسلام صفحہ ۳۹-۴۰ درجواب اعتراض نشہ ترتیبا در عبارت کے تغیر کے ساتھ)

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں۔" یعنی ان کے استعمال سے اکثر اوقات دوسری باتیں گناہ کی پیدا ہو جاتی ہیں، کیونکہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے اور وہی مانع بھی ارتکاب معاصی سے (بیان القرآن ۱/۱۲۲) اور ارشاد ہے انما یرید الشیطٰن الاٰیۃ (المائدہ آیت ۹۱) "شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آؤگے؟" شراب میں عقل نہیں رہتی، گالی گلوچ، زنگہ فساد ہو جاتا ہے الخ (بیان القرآن ۲/۵۸)

عن ابن عمر: قال خطب عمر علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: .... والخمر ما خامر العقل (رواہ البخاری)، وعن عائشۃ قالت، سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتع؟ — وھو نبیذ العسل — فقال، کل شراب اسکر فھو حرام متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۳۱۷)

[1] ارشاد باری عزاسمہ ہے، وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ (محمد آیت ۱۵) "اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی"۔

[2] سورۃ الواقعہ میں ہے لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ (نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آوے گا) اور سورۃ وَالصّٰٓفّٰتِ (آیات ۴۵-۴۷) میں ہے یطاف علیھم بکاس من معین بیضاء لذۃ للشٰربین، لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون (ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جاوے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی۔ نہ اس میں درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آوے گا)؛ اللھم ارزقنا شراب محبتک ومن شراب جنتک۔ (آمین)

افاداتِ قاسمیہ

از امام کبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۳)

(مرتبہ مولانا سعید احمد پالن پوری دار العلوم اشرفیہ۔ راندیر ضلع سورت)

(۲۰) بتوں پر چڑھائے ہوئے جانوروں کے خریدنے کا حکم

سوال: بتوں پر چڑھائے جانے والے جانور اگر سادھو یا پوجا کرنے والے فروخت کردیں تو ان کا مول لینا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب: بعد حمد و صلوٰۃ معروض ہے کہ مسئلے کی کئی صورتیں ہیں:۔

پہلی صورت: اگر کوئی کافر — ہندو ہو یا نصرانی — خدا کے نام کی نذر نکالے اور کسی ہندو یا مسلمان کو دیدے تو اس شے کو حرام نہیں کہہ سکتے (جیسا کہ افادہ نمبر ۱۵ میں بیان ہوا) اس کو (جو ہو پہلا کو) اختیار ہے (کہ چاہے) خود کھائے یا کسی اور کو کھلائے، غیر کے ہاتھ بیچ دے یا غیر کو ہبہ کردے، پھر وہ غیر آپ رکھے یا کسی کو دے دے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ فعل (یعنی اللہ کے لیے نذر نکالنا) اصل سے (یعنی در حقیقت) حرام نہیں ہے۔ اس لیے جو مال اس راہ سے آیا ہے اسے حرام نہیں کہہ سکتے (جیسا کہ افادہ نمبر ۱۲ میں بیان ہوا) البتہ مسلمان کے حق میں — بشرطیکہ نذر کرنے والا کافر خود اس مسلمان کو دے — لینا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ لینے والا خدا کی طرف سے لیتا ہے۔ اور جب خدا کے یہاں

قبول ہی نہیں تو اس مسلمان کا لینا ایسا سمجھئے، جیسے بادشاہ کے سامنے ہدیہ نذرانہ پیش کیا گیا، اس نے ناراض ہو کر ہدیہ رد کر دیا، اور نذرانہ قبول نہ کیا۔ لیکن خدمتگار شاہی نے بادشاہ کی طرف سے اُسے لے لیا۔ تو جیسے یہ بات بادشاہ کو مکروہ (ناگوار) معلوم ہوگی، ایسے ہی خدائے تعالیٰ کے اِن کا تصرف سمجھئے۔ لیکن جیسے وہ خدمت گار اگر کسی کے ہاتھ بیچ دے یا کسی کو دے دے تو اس لینے پر مشتری یا لینے والا معتوب شاہی نہیں ہوتا۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے۔

دوسری صورت: اور اگر نذر خدا کے نام کی نہیں ہے کسی اور کے نام کی ہے (یعنی وہ نذر کسی سادھو، سنت، بشپ پادری یا بزرگ کے نام کی ہے) تو جس طرح یہ نذر نکالنا حرام اور شرک ہے، ایسے ہی اس مال کو بھی حرام اور ناپاک سمجھنا چاہیے۔ اس لیے کہ شرک کو (اللہ پاک نے) ناپاک فرمایا ہے۔ کلام اللہ میں موجود ہے:۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش
(الحج۔ رکوع ۱۰) رہو۔ ترجمہ تھانویؒ)

عربی داں جانتے ہیں کہ "رجس" ناپاک کو کہتے ہیں۔ پھر ناپاکی اگر ظاہری ہوتی تو معاملہ سہل بھی تھا۔ شرک سے (تو) دل ناپاک ہو جاتا ہے۔ پھر سات سمندر سے بھی دھویا جائے تو بھی وہ پاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب نذر ایسے ناپاک دل سے نکلی ہو تو اس دل کی گندگی اس نذر میں آجائے گی۔

پھر جیسے وہ نور جو سبز، زرد آئینہ میں ہو کر نکلا ہو، وہ کہیں (تک) جائے سبزی، زردی لئے ساتھ جاتی ہے، یا جیسے اناج، گیہوں، چنے، جَو کے بیج میں سے ہو کر باہر آتا ہے اس لیے گیہوں، جو، چنے کی شکل و خاصیت وغیرہ اس کے ساتھ رہتی ہے، یا جو پھل، آم، جامن، وغیرہ کی گٹھلیوں میں سے ہو کر باہر آتے ہیں، اُن کے ساتھ کہیں تک جاؤ آم کی شکل اور خاصیت ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ علیحدہ نہیں ہوتی (جیسا کہ افادہ ۱۲ میں بیان ہوا) ایسے ہی جو مال حرام طریقہ سے آئے گا وہ کہیں تک جائے گا اُس کی حرمت اُس کے ساتھ ساتھ جائے گی۔

اور ایسی ناپاک، حرام غذا سے جو دل اور بدن پیدا (پرورش) ہوگا اُس سے جو عبادت ہوگی وہ قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس عبادت میں ناپاکی کا لگاؤ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ناپاک کام اس پاک درگاہ میں کیوں قبول ہونے لگے۔؟!

اس لیے اگر سادھو وغیرہ لے کر کسی کے ہاتھ بیچ دیں یا کسی کو ہبہ کر دیں تو خریدار اور لینے والے کے حق میں وہ مال حرام ہی رہے گا، حلال نہ ہوگا، جیسے خنزیر کا گوشت ـــ بیچ یا ہبہ کر دو ـــ حلال نہیں ہو سکتا۔

تیسری صورت: اگر پوجا کرنے والے اس مال کو کسی کو دیں نہیں۔ یوں ہی چھوڑ دیں اور پھر اس کے بعد کسی کے لینے کے روادار بھی نہ ہوں، بلکہ لینے سے ناخوش ہوں ـــ جیسے اس طرف میں ہنود گائے بیل معبودوں کے نام پر چھوڑ کر مطلق العنان کر دیتے ہیں اور ان کو "سانڈ" کہتے ہیں اور کسی کو اجازت ان کے پکڑ لینے کی نہیں دیتے ـــ تو ایسے جانوروں کو اگر مجاہدین غنیمت میں لے جائیں تو ان کو بلا کراہت اس قسم کے جانوروں کا کھانا جائز ہوگا بلکہ وہ جانور جو پوجا کرنے والے اپنے آپ زنار داروں کو دیتے ہیں اُن کا کھانا بھی درست ہوگا۔

ورنہ (یعنی مجاہدین کے علاوہ کے لیے) بوجہ غصب و دُزدی (چوری) اور بوجہ پوجا و پرستش غیر خدا کراہت رہے گی۔

دُزدی کی وجہ سے جو حرمت ہے وہ تو ظاہر ہے پر یہ بات تأمل طلب ہے کہ پوجا کی وجہ سے کراہت ہے۔ کیونکہ پوجا کی وجہ سے ہوتی تو حرمت ہوتی، کراہت نہ ہوتی۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ پوجا کو اس مال کے حصول میں کوئی دخل نہیں، جیسے اور مال چراتے ہیں ایسے ہی یہ مال بھی چرا لیا اس لیے یوں نہیں کہہ سکتے کہ اس مال کا حصول لینے والوں کے حق میں پوجا پر موقوف تھا، ہاں چوری یا غصب پر موقوف کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے یوں کہنا ضرور ہے کہ شرک کی ناپاکی اور حرمت تو یہاں مؤثر نہیں ہوئی البتہ چوری اور غصب کی حرمت نے اس مال کو حرام کر دیا۔

بہر حال حرام ہونے میں کچھ شک نہیں۔ بلکہ حرمت سے ایک امر زیادہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک سفر میں ایک ناقہ (اونٹنی) پر لعنت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے یہ فرمایا کہ ہمارے ساتھ شتر مادۂ ملعون نہ رہنے پائے اور یہ فرما کر اس ناقہ کو چھوڑ دیا۔[1] جب مبدل

---

[1] عن عمران بن حصین، قال: بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ، وامرأۃ من الانصار علی ناقۃ، فضجرت، فلعنتها، فسمع ذلك رسول اللہ صلی اللہ علیہ [illegible]

کی لعنت کا یہ اثر ہو کر ساتھ رہنے میں حرج نظر آئے تو لعنت خداوندی میں یہ اثر کیونکر نہ ہوگا؟!

یہی وجہ ہوئی کہ قوم ثمود کے کنوئیں سے پانی پینے کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو منع فرمایا، اور اس پانی سے گندھے ہوئے آٹے کو نہ کھانے دیا [۱] اور سب جانتے ہیں کہ اسی کو لعنت کہتے ہیں کہ رحمت سے دور کر دیجئے، نظر عنایت سے علیحدہ کر دیجئے، اور ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا رحمت سے دوری ہوگی (کہ) اپنے آپ تو جدا رہے، اپنے بندوں کو بھی اس طرف دیکھنے نہیں دیا۔

غرض بوجہ لعنت ثمود کے کنوئیں کے پانی کے استعمال سے منع فرمایا اور جب اس پانی کے استعمال سے ممانعت ہے تو اس جانور کے کھانے سے بدرجۂ اولیٰ ممانعت ہوگی جس کو پرستش غیر خدا میں مطلق العنان بنا دیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ثمود کے کنوئیں کا پانی بذاتِ خود سامانِ شرک نہ تھا البتہ مشرکوں کے نام لگا ہوا تھا، اس چاہ پر ان کا آنا جانا تھا، اس چاہ سے پانی پی پی کر اپنی پیاس بجھاتے تھے اس چاہ کے پانی سے آٹا گوندھ گوندھ کر روٹیاں پکاتے تھے اور کھاتے تھے اور پانی اور روٹی کھا پی کر توانا ہو کر خرکِ کفر وغیرہ کرتے تھے غرض (اس) شرک سے جو زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھا، ایک دور کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وسلم، فقال: "خُذُوْا مَا عَلَيْهَا وَدَعُوْهَا، فَإِنَّهَا مَلْعُوْنَةٌ." قال عمران: فكأني أراها الآن تمشي في الناس ما يعرض لها أحد وفي رواية: فقال النبي صلى الله عليه وسلم "لَا تُصَاحِبْنَا نَاقَةٌ عَلَيْهَا لَعْنَةٌ" (رواهما الإمام مسلم في صحيحه ۲/۳۲۲) قال النووي: إنما النهي عن مصاحبته صلى الله عليه وسلم في الطريق وأما بيعها وذبحها وركوبها في غير مصاحبته صلى الله عليه وسلم وغير ذلك من التصرفات، التي كانت جائزة قبل هذا فهي باقية على الجواز، لأن الشرع إنما ورد بالنهي عن المصاحبة، فبقي الباقي كما كان. انتہی

[۱] عن ابن عمر: ان الناس نزلوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على الحِجْرِ، ارضِ ثمود، فاستَقَوْا من آبارها، وعَجَنُوا به العَجِينَ، فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يُهَرِيقُوا ما استَقَوْا ويَعْلِفُوا الإبلَ العَجِينَ

(مسلم طبع بیروت ۲/۴۱۱)

علاقہ تھا۔ اور جانور مذکورے ___ جس کو بوجہ پرستش بتاں وغیرہ معبودان باطل ___ شرک کو یہ (یعنی ایسا) رابطہ ہے (کہ) اس سے زیادہ (رابطہ) کیا ہوگا؟! یعنی اس جانور ہی پر، وہ اُن کی پرستش موقوف تھی، وہ شرک بے جانور وغیرہ متصور نہیں، جیسے قربانی اہل اسلام بے جانور ممکن نہیں۔ اور (جب) اس قدر ارتباط ہے کہ شرک اس پر موقوف ہے تو وہ لعنت، مذکورہ آب چاہ مذکورہ کی لعنت سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔ اور اس لیے یہ لعنت اور وہ چوری دونوں مل کر قریب دو علتوں کے ہو جائے گی جس سے حرمت ثابت ہو چکی۔

چوری کی حرمت تو ظاہر ہے۔ اور لعنت کی کراہت، حرمت سے بڑے نام ہی کم ہے، کیونکہ ایسی کراہت کو تحریمی کہیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ کراہت تحریمی ہم پلہ حرمت ہوئی، بالجملہ اس قسم کے جانور اور اموال جن کا سوال مذکورہ ذکر میں ہے سب کے سب ناجائز ہیں۔ اہل اسلام کو ان کا کھانا روا نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال فقط مؤرخہ ششم ماہ صفر ۱۲۹۵ھ

(فیوض قاسمیہ صفحہ ۳۶-۳۸ معمولی تغیر کے ساتھ)

اضافہ از مرتب

دوسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ جو بکرا، مرغا، گائے وغیرہ کی نذر سادھو سنت، بزرگ، تھان، نشان اور جھنڈے وغیرہ کے نام کی ہے۔ یعنی وہ نذر اس لیے ہے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں اور ہمارا کام کر دیں، اور ان کو متصرف بالتکوین سمجھے، اور ان سے تقرب کے لیے ذبح کرے۔ اور ذبح سے یہی مقصود ہوں جیسا کہ اس زمانے میں اکثر جہال کا یہی عقیدہ ہوتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک اور وہ ذبیحہ بالکل حرام ہے، خواہ چڑھانے والا مسلمان ہو یا ہندو اور خواہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے یا غیر اللہ کا۔ یہ جانور۔ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا مصداق ہیں۔ لہٰذا ان کا خریدنا حرام ہے۔ البتہ اگر اللہ کے واسطے جانور ذبح کیا جائے اور اللہ ہی کے واسطے صدقہ کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دیا جائے تو یہ جائز اور حلال ہے۔

(امداد الفتاوی ۲/۵۵۲ و ۵۶۲ مطبوعہ کراچی)

تیسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لیے چھوڑ دیا گیا، نہ اس سے کام لیں نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو۔ یہ جانور بحیرہ اور سائبہ ہیں اور ما اهل

بہ لغیر اللہ اور وماذبح علی النصب میں داخل نہیں ہیں اس لیے ان کا حکم یہ ہے کہ یہ فعل (سانڈ بنانا) تو بنص قرآنی حرام ہے لقولہ تعالیٰ: ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الآیۃ۔ لیکن ان جانوروں کی حرمت صرف بوجہ ملک غیر ہونے کے ہے، جب مالک کسی کو ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دے دے تو وہ حلال ہیں۔

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ سے پوچھا گیا کہ ہنود اپنے دیوتاؤں کے یا مُردوں کے نام پر گائے کو داغ لگا کر یا بلا داغ چھوڑتے ہیں، جس طرح بعض مسلمان شیخ سدو یا پیران پیر وغیرہ کے نام بکرا یا مرغ چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح ہنود گائے کو متبرک سمجھ کر چھوڑتے ہیں، اُن کو ذبح کر کے گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا جواب مندرجہ ذیل ہے:-

الجواب: جو جانور بتوں کے نام پر یا کسی غیر اللہ کے نام چھوڑے جاتے ہیں۔ اور ان کی جان لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف کام لینے سے آزاد کرنا مقصود ہوتا ہے اور ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں ہیں، اُن کو سائبہ کہتے ہیں اور ان کی حرمت صرف بوجہ ملک غیر ہونے کے ہے کہ وہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتے۔ اگر مالک کسی کو ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دیدے تو وہ حلال ہیں اور ایسی گایوں کی اولاد بھی مالک کی ہوتی ہے۔ پس ان گایوں کو یا ان کی اولاد کو بلا اجازت مالک کے کھانا حلال نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد کفایت اللہ۔ دہلی

الجواب صحیح علی ما قال مولانا کفایت اللہ سلمہ (مولانا) اشرف علی (تھانوی قدس سرہ)

(فتاویٰ دار العلوم قدیم جلد ۷، ۸ ص ۱۰۱)

الحاصل: سوائب کی حلت کے لیے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان جانوروں کے حلال ہونے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ اور چونکہ حضرت الامام النانوتوی رحمہ اللہ سے یہ پوچھا گیا تھا کہ اس قسم کے جانوروں کو سادھو بیچ دیں یا اور کوئی چوری کر کے فروخت کرے تو ان کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مالک کی اجازت نہیں پائی گئی اس لیے بوجہ ملک غیر ہونے کے یہ غصب اور دزدی ہوئی۔ پس حضرتؒ نے لکھا کہ نہ ان کا خریدنا جائز ہے نہ مفت لینا جائز ہو۔

نہ ان کو ذبح کرکے کھانا جائز ہے، البتہ مجاہدین لے جاسکتے ہیں کیونکہ ملک مالک ان کے حق میں مؤثر نہیں ہے۔

حضرت الامام رحمہ اللہ نے صورت دوم وسوم کے درمیان فرق پر بھی بحث فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ دوسری صورت میں وہ جانور نذر لغیر اللہ کی وجہ سے ہی حاصل ہوا ہے یعنی ناذر نے نذر ہی کی وجہ سے وہ جانور سادھو یا فقیر کو دیا ہے اگر وہ نذر نہ مانتا تو سادھو اور فقیر کو یہ جانور حاصل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ پس پرستش غیر خدا اس جانور کی ذات سے متعلق ہوئی اور چونکہ نذر لغیر اللہ شرک ہے اس لیے اس راہ سے آیا ہوا مال ناپاک ہوگا، پس وہ جانور حرام ہوگا خواہ وہ سادھو یا فقیر کے پاس رہے یا وہ کسی کو بیچ دے یا ہبہ کردے۔

اور تیسری صورت میں سادھو نے یا چوری کرنے والے نے جو جانور حاصل کیا ہے وہ نذر لغیر اللہ کی وجہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ چوری یا غصب سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ چوری یا غصب جس طرح اور مال کا ہوتا ہے اسی طرح منذور لغیر اللہ کا بھی ہوتا ہے۔ بہرحال اس جانور کے حصول کا ذریعہ غصب اور دُزدی ہے نذر لغیر اللہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ پرستش غیر خدا کا تعلق اس جانور سے ہوا ہے اور یہ تعلق بھی کافی قوی جیسے قربانی کا تعلق جانور سے ہوتا ہے اس لیے لعنت خداوندی کا سزاوار ہوگا، لیکن اس کے باوجود پرستش غیر خدا اس مال کے حصول کی راہ نہیں ہو بلکہ حصول کی راہ غصب اور دُزدی ہے، برخلاف صورت دوم کے کہ وہاں مال حاصل ہونے کی راہ ہی نذر لغیر اللہ ہے اس لیے دونوں صورتوں کے حکم میں فرق ہوا۔

اب رہی یہ بحث کہ اگر صورت دوم وسوم، دونوں میں، مالک خود اس جانور کو ذبح کرکے کھانے کی اجازت دے تو دوسری صورت میں اس کا کھانا حرام ہے اور تیسری صورت میں جائز ہے۔ یہ فرق کیوں؟ کیونکہ اب دُزدی اور غصب کا واسطہ صورت سوم میں بھی نہیں رہا۔ پس دونوں قسم کے جانوروں کے حصول کی راہ ایک ہوگئی پھر فرق کیوں ہے؟ تو وجہ فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں ان چیزوں کا استعمال کرنا نذر کرنے والے کی ناجائز غرض کی تکمیل ہے اور اس کی اعانت ہے کیونکہ اس نے سادھو کو یا فقیر کو کھلانے ہی کے لیے یہ جانور دیا ہے اس لیے اس کی حرمت جو آیت ما اھل بہ لغیر اللہ سے ثابت ہوئی تھی وہ مالک کے اجازت دینے کی صورت میں بھی بحالہا قائم رہی۔ اور تیسری صورت

میں چونکہ سوائب کا ذبح کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے ذبح کرنے اور کھانے میں ناذر کی غرض کا ابطال ہے اس لیے اس کے ذبح کرنے اور کھانے کی فی نفسہ تو اجازت ہے لیکن مالک کے حق کی وجہ سے مخالفت تھی۔ پس جب مالک فروخت کرنے یا بلا معاوضہ کسی کو دیدے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ وہ نذریں جو غیر اللہ کے لیے ہوں اور از قبیل طعام نہ ہوں جیسے شیرینی، پھول وغیرہ ان کا کھانا مالک کی اجازت سے بھی درست نہیں ہے مالک کے اجازت دینے کے باوجود وہ حرام رہیں گی، کیونکہ ان چیزوں کا استعمال کرنا نذر کرنے والے کی باطل کی غرض کی تکمیل ہے اور اس کی اعانت ہے۔ اور سوائب میں ان کو ذبح کرنے اور کھانے میں نذر کرنے والے کی غرض کا ابطال ہے۔ اور نہ کھانے میں اس کی تکمیل ہے۔

الحاصل شیرینی وغیرہ اجازت کے باوجود حرام ہی رہیں گی۔ اس کے حلال ہونے کی شرط یہ ہو کہ ناذر توبہ کرے اور اپنی نذر سے رجوع کرے پھر اجازت دے تب اس کا کھانا حلال ہے فسبحان الذی لاشریک لہ فی الملک والمال۔

(۲۱) جنت میں جنتیوں کے فضلات نہ ہونے کی وجہ

سوال: جنت میں جنتیوں کے فضلات (پیشاب، پاخانہ وغیرہ) نہ ہوں گے اس کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ وہاں وہ کھائیں گے پئیں گے؟

جواب: اس لیے کہ جنت کی غذاؤں میں فضلات نہ ہوں گے، صرف جوہر ہی ہوگا اس لیے کھانے والوں کے بھی فضلات نہ ہوں گے ــــ اور غذاؤں کا یہ فرق کہ کسی میں فضلہ زیادہ ہوتا ہے کسی میں کم، سب کے نزدیک مسلم ہے، پس اگر کوئی ایسی غذا ہو جس میں فضلہ ہو ہی نہ تو کیا محال ہے؟ مثلاً زمین کی قوت نامیہ کی چھان پھوڑے زمین سے اجزائے نباتی نکلتے ہیں اور زمین کے دیگر کثیف اجزاء زمین ہی میں رہ جاتے ہیں۔ پھر اللہ کی قدرت اجزاء نباتی کا خلاصہ کر کے اس سے غلہ اور میوے بناتی ہے اور کثیف اجزاء درخت، گھاس پھونس، اور بھوسی کی شکل میں باقی رہ جاتے ہیں پھر انسان اس غلہ کو صاف کر کے، پیس چھان کر کے کھاتے ہیں۔ لیکن اب بھی

بعد ازاں یہ اجزاء کثیفہ اس میں باقی رہتے ہیں۔ پھر معدہ کا عمل شروع ہوتا ہے۔ وہ اس کی صفائی کرتا ہے۔ وہاں پکنے کے بعد فضلات تو آنتوں میں چلے جاتے ہیں اور باقی ماندہ مادہ (جاول کی پیچ کی طرح کا جسے کیلوس کہتے ہیں) جگر کی چھلنی میں چھنتا ہے۔ اور اس میں سے پیشاب علیحدہ ہوتا ہے اور اخلاط اربعہ — سوداء، صفراء، دم اور بلغم — جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ پھر یہاں سے دم (خون) قلب کی طرف جاتا ہے اور وہاں پکتا ہے۔ قلب کی حرارت کی وجہ سے اس میں سے ایک بھاپ اٹھتی ہے جو تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔ یہ بھاپ "روح ہوائی" کہلاتی ہے (اطباء اس روح کو "روح حیوانی" کہتے ہیں جس پر حیات کا مدار ہے)

بہرحال یہ بھاپ (روح ہوائی) اگر بالفرض برف کی طرح جم جائے اور اس کو کھائیں تو اس غذا سے فضلہ پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ غذا اصل میں "ہوا" ہوگی۔ اور اس صورت میں اگر آئے تو ڈکار آ جائے۔ اور اس طرح کھایا ہوا نکل جائے۔ اور پیٹ خالی ہو جائے۔ پس یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ جنتیوں کو پیشاب پاخانہ کی حاجت کیوں پیش نہ آئے گی؟ (انتصار الاسلام ص۲۹ توضیح کے ساتھ)

(۲۲) اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی

"اصل مالک (ہر شے کا) اللہ تعالیٰ ہو۔ بندوں کی جان و مال سب اسکی ملک ہو، بندوں کی ملک اسکی ملک کے سامنے ایسی ہو جیسے رعیت کے گھر کو رعیت کا گھر کہتے ہیں۔ وجہ اس (تشبیہ) کی سمجھ جاتے ہیں کہ جیسے اصل مالک کو اس بات کا اختیار ہوتا ہو کہ اپنی رعیت کو اپنے مکانات میں چاہے رکھے، چاہے نکال دے اور رعیت والوں کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ اس مکان پر جاہیں تو اصل مالک کو تصرف کرنے دیں، چاہیں نہ کرنے دیں ایسے ہی خدائے تعالیٰ کو اس بات کا اختیار حاصل ہو کہ جو چیز چاہے مخلوقات کے پاس رہنے دے (اور) جو چاہے ان سے لے لے، پر مخلوقات کو یہ اختیار نہیں کہ جو چیز چاہیں، جو نسی چاہیں، نہ جانے دیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو کاہے کو کوئی اپنے خویش و اقرباء کو مرنے دیتا؟ اور کاہے کو کوئی غنی مفلس ہوا کرتا؟ جان و مال ہمیشہ ہمیشہ کو رہا کرتا۔

(فیوض ص۳۵)

---

۱ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جنتی جنت میں کھائیں گے پئیں گے لیکن قضائے حاجت نہ کریں گے، نہ پیشاب کریں گے، نہ تھوکیں گے، نہ ناک صاف کریں گے، ان کا کھانا ڈکار اور مشک کی پسینہ ہوگا"۔ مسلم ۲/۳۷۹ کتاب الجنۃ باب صفات الجنۃ واہلہا، مسند احمد ۳/۳۱۶ مسند جابر بن عبداللہ

اَجوِبَۃُ الْکَامِلَۃ فِی اَسْوِلَۃِ الْخَامِلَۃ

(بودے سوالوں کے کامل جوابات)

(اُردو)

یہ کتاب روافض میں سے کسی کے پانچ لغو قسم
کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

امابعد! ہر چند کہ تحریر سوالات مسطورہ سے سائل کی لیاقت اور حسنِ فہم ایسا آشکار ہے جیسے کالے توے میں چاندنا مگر بدیں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا اور یوں سمجھ کر کہ ''جوابِ جاہلاں باشد خموشی'' ایسے خرافات کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور بھی جرأت ہو جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں اس لئے مختصر مختصر جواب سوالات بعد تحریر سوال مرقوم ہوتے ہیں۔

السوال الاوّل

ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں ہاں جسے گٹکری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے کہ وہ راگ ہے اور راگ حرام ہے اور حرمت اُس کی خواہ قرآن میں ہو خواہ مرثیہ میں اُسے ہم منع کرتے ہیں بخلاف سُنیوں کے کہ صحیح مسلم جلد اوّل صفحہ ۲۹۲ چھاپہ نولکشور میں موجود ہے کہ آنحضرت کے حضور میں دو عورتیں گانے والیاں راگ گاتی تھیں اُس میں خلیفہ اوّل آئے اور کہا کہ مزمار شیطانی حضرت کے پاس آیا اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جانے دو آج عید کا دن ہے سو معاذ اللہ خلیفہ اوّل اُسے مزمار شیطانی بتائیں اور حضرت اسے سُنیں اگر فی الحقیقت موافق قول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ مزمار شیطانی تھا تو آنحضرت کی عصمت میں داغ لگا کہ آنحضرت کو فاسق بنایا معصوم نہ ٹھہرے۔

الجواب الاوّل

اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو منع کرتے ہیں تو نہ بایں وجہ کہ یہ اقسام راگ سے ہے اور راگ ممنوع ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو سائل کا کہنا بجا تھا کہ ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں جس کو گنگری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے بلکہ وجہ ممانعت یہ ہے کہ مرثیہ خوانی پر کیا مقرر ہے تعزیہ داری ﴿ایک قبح شرعی ہی نہیں بلکہ یہ اُمور قبح عقلی سے خالی نہیں۔ للہ ذرا غور فرمایئے انصاف کیجئے کیا حسن و قبح عقلی کے قائل ہونے کا یہی ثمرہ و نتیجہ ہے کیا یہ امور بچوں کے کھیل کے قدم بقدم نہیں ہیں جیسے لڑکے لکڑی کا گھوڑا بنا کر دانہ گھاس ڈالتے ہیں ہانکتے ہیں دوڑاتے ہیں۔ اور لڑکیاں گڑیاں بنا کر شادی بیاہ چوتھی چھٹی وغیرہ سب کچھ رسوم مروجہ کر گذرتی ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمایئے یہ وہی ہندوستانی خود ایجاد رواج ہے کہ فرضی اور نقلی اُمور کے ساتھ اصلی اور واقعی کا سا معاملہ کیا جاتا ہے کنھیا کا جنم راون کا میلہ وغیرہ سب اُسی خود ایجاد عملدرآمد کا جھمیلا ہے۔ ۱۲۔ محمد حسین مانکپوری عفی عنہ﴾ علم برداری، سینہ زنی وغیرہ بدعات شنیعہ شیعہ سب ایجاد بندگان ہوا و ہوس ہیں نہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی باتوں کے لئے ارشاد فرمایا نہ جناب سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے یہ راہ بتائی ہاں کلام اللہ میں ہے تو یہ ارشاد ہے ''وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ''

جس کے یہ معنی ہیں جو لوگ حدود اللہ سے آگے بڑھ جاویں وہی ظالم ہیں اور یہ بھی ارشاد ہے کہ ''اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ'' یعنی اے لوگو! تابعداری کرو اُس چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور نہ پیروی کرو سوا اللہ کے اوروں کی اور حدیث میں ہے تو یہ ارشاد ہے کہ ''مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَرَدٌّ'' ﴿ذرا آنکھیں کھولئے ہوش سنبھالئے دیکھئے تو ہمارے سچے مخبر پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی کیا صاف و روشن آئینہ ہے جس میں سنت و بدعت کی صورت کیا بلکہ حقیقت کس وضاحت سے ظاہر و باہر ہے۔ من جس کسی نے خواہ وہ عالم فاضل قاضی مفتی غوث قطب ہی کیوں نہ ہو احدث کوئی نئی بات نکالی جس کا وجود و

ثبوت پہلے سے نہ ہو فِیْ اَمْرِنَا ہمارے اس اُمر یعنے دین میں تو اس صورت میں احداث کی تین قسمیں ہوئیں: اَلْاَحْدَاث فی امرنا۔ یعنی نئی بات ہمارے اس دین میں نکالنی۔ اَلْاَحْدَاث فی غیر امرنا: یعنی ہمارے اس دین کے غیر میں کوئی نئی بات نکالنی۔ اَلْاَحْدَاث لامرنا: یعنی ہمارے اس دین کے لئے کوئی نئی بات نکالنی۔ دیکھو یہی پہلا احداث ہے جو بدعت شرعی اور بدعت سیئہ ہے جس کی تمثیل وتصریح مولانا مرحوم نے کمی بیشی نسخہ کے ساتھ فرمائی ہے اور دوسرا احداث بدعت شرعی اور سیئہ نہیں کیونکہ وہ احداث فی امر الدین نہیں بلکہ دینی اور شرعی باتوں کے علاوہ کسی دنیاوی اُمر میں کوئی نئی بات نکالنا مباح ہوگا بشرطیکہ وہ نئی بات محرمات اور مکروہات میں سے نہ ہو جیسے چار پائی مونڈھا انگرکو پائجامہ وغیرہ وغیرہ کہ ان میں روز بروز انواع قسم کی تراش خراش ہوا کرتی ہے۔ اور تیسرا احداث بھی بدعت شرعی اور بدعت سیئہ نہیں اس واسطے کہ لامر الدین یعنی دین کی مصالح اور ضروریات کے لئے کوئی نئی بات نکالنی ہرگز بدعت نہیں جیسے علم صرف ونحو کی تدوین اور کتب فقہ واُصول کی تالیف وتصنیف بغرض سہولت وآسانی تعلیم وتعلم کے لئے ہے جس کو مولانائے مرحوم نے شربت بنفشہ کے ساتھ تمثیل فرمائی اور یہی احداث اگر کسی فرض شرعی کی ضرورت کے لئے ہے تو بدعت مفروضہ اور واجب شرعی کے لئے واجبہ اور مسنون ومستحب شرعی کے لئے بدعت مسنونہ ومستحبہ ہے اس لئے کہ یہ احداث اسی شرعی اُمر کا تابع اور اسی سے ملحق ہے پس جیسا متبوع ویسا تابع اور اسی کو ملحق بالسنۃ یا بدعت حسنہ کہئے اس لئے کہ اس میں کوئی حسن ذاتی نہیں بلکہ اس کے متبوع ہی کا حسن ہے جس نے اس کو حسن بنادیا پس جس میں اس قسم کا حسن نہیں وہ بدعت حسنہ نہیں اور پھر جس وقت یہ اُمور اپنے متبوع اور ملحق سے الگ ہوگئے اور اُس اُمر شرعی کو ان کی ضرورت باقی نہ رہی تو اُس وقت اُن کا حسن بھی کافور ہوجائے گا۔ اب وہی پہلا احداث بدعت سیئہ اور داخل کلیہ شارع علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ ٹھہرا اور واضح ہوگیا کہ پہلی ہی قسم کا احداث کلیۃ بدعت سیئہ ہے اور جو اُمور پہلے سے اشارۃً یا کنایۃً یا ضمناً شریعت سے ثابت ہو چکے ہوں اور کسی وقت میں ان کا ظہور وشیوع ہوجائے تو وہ احداث ہی نہیں بلکہ وہ سنن متروکہ میں سے ہوں گے جیسے نماز تراویح وغیرہ اور یاد رہے کہ جس احداث کی شرعاً اجازت ہے

اگران اُمور محدثہ میں کوئی شرعی قباحت کسی طور نکل آئے تو جب بھی ممنوع ہو جائیں گے۔۱۲ محمد حسین مالکپوری۔﴾ یعنی جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود ہے اورسب اہل اسلام یہاں تک کہ شیعہ بھی اس بات کے معترف ہیں کہ مرثیہ خوانی تعزیہ داری علم برداری سینہ زنی سیاہ پوشی وغیرہ بدعات معمولہ شیعہ کا پتہ نہ کلام اللہ میں ہے نہ حدیث میں نہ خدا نے ان کاموں کے لئے فرمایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ بتائی پھر اس طرح ان کاموں کا معتقد ہونا اوران واہیات پر ثواب عظیم کا اُمیدوار ہونا حدود اللہ سے نکل جانا ہے یا نہیں اور نئی بات کا دین میں نکالنا ہے یا نہیں بالجملہ شیعہ موافق ارشاد آیۃ۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ کے ظالم ہیں اورموافق ایمائے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ساری باتیں مردود ہیں اس لئے اہل سنت و جماعت اُن پر اعتراض کرتے ہیں نہ بوجہ راگ ہونے کے فقط مرثیہ خوانی ہی کو منع کرتے ہیں اب لازم یوں ہے کہ شیعہ انصاف فرمائیں اورراہ پر آئیں ورنہ وہ جانیں خدا سے معاملہ پڑنا ہے نیک و بد کا حساب اب اُس کے ہاتھ ہے دربارۂ وجہ ممانعت اگرتسکین خاطر نہ ہو اور خدا کے ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے دِل کی اُلجھن نہ کھلے تو ایک مثال عرض کرتا ہوں اُس کو غور کریں گے تو یہ عرض مان ہی لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ جیسے تمہارے جسم میں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک اعضاء ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک ایک مقدار ہے دو ہاتھ دو پاؤں دو آنکھیں پانچ اُنگلیاں ہر ہر ہاتھ پاؤں میں ایک مُنہ ایک ناک علیٰ ہذا القیاس دین میں بھی بہت سے ارکان ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ اور پھر ہر ایک کی ایک مقدار ہے نمازیں رات دن میں پانچ تو روزہ برس بھر میں تیس علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ ہر سال ہے حج عمر بھر میں ایک بار مگر جیسے آنکھ ناک اپنی مقدار معین سے کم ہو جب بُری معلوم ہوتی ہے زیادہ ہو جب بُری ایک ناک کی جگہ اگر دو ناکیں ہوں اور دو آنکھوں کی جگہ اگر تین ہوں ویسے ہی بُری معلوم ہوں گی جبکہ فرض کیجئے کسی کے اصل سے ناک نہ ہو یا آدمی ہو بالجملہ ہمارے جیسے تمہارے وجود میں کمی

بیشی اپنے انداز سے بُری معلوم ہوتی ہیں ایسے ہی دین میں بھی کمی بیشی اندازہ نبوی سے بُری اور ناموزوں ہوگی اس مثال کے سننے کے بعد اہل انصاف تو انصاف ہی فرمائیں گے اور جن کو خدا نے چشم انصاف عنایت نہیں کی وہ ہماری تو کیا خدا و خدا کے رسول کی بھی نہیں مانتے باقی سائل نے جو کچھ خلیفہ اوّل پر طعن فرمائے ہیں اُس کا جواب بطور تحقیق تو اتنا ہی بہت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل سنت کے نزدیک نبی نہیں جو تمام احکام اُن کو معلوم ہوتے مزامیر کی بُرائی سُنی ہوئی تھی پر یہ تفصیل معلوم نہ تھی کہ دَف صرف عید کے دن جائز ہے اور باقی مزامیر حرام سوا اپنے خیال کے موافق منع فرمایا باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیدار ہونا اُن کو بالیقین معلوم ہوتا تو پھر اس اعتراض کی گنجائش تھی کہ ابوبکر صدیق اُس کو مزامیر سمجھتے تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے نبی کو مزمار شیطانی کا سننے والا سمجھا اور معصوم نہ سمجھا علاوہ بریں اعتراض اُسے کہتے ہیں کہ جس پر اعتراض کیا جائے اُس کی اُن باتوں کو توڑیئے جو اُس کے نزدیک مسلم ہوں اور اگر اُس کے نزدیک ایک بات مسلم ہی نہیں تو اُس کا توڑنا اُس کو کیا مضر مثلاً اہل اسلام پر اعتراض اسے کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ نبی ہی نہ ہونا ساحر کاہن دنیا پرست ہونا ثابت کرے اور ابوجہل کا کافر یا دنیا پرستی اور برائی کا ثبوت اہل اسلام کو کیا مضر ہے سو اہل سنت و جماعت کے نزدیک مباحات جیسے اُمتیوں کو مباح ہوتے ہیں اَنبیاء کو بھی مباح ہوتے ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ بہت سے مباحات اُمتیوں کے حق میں کسی قدر مکروہ ہوں تحریمی نہ سہی تنزیہی سہی پر اَنبیاء کے حق میں وہی مباحات سو بایں وجہ کہ اُن کے فعل سے اباحت معلوم ہوتی ہے موجب ثواب ہو جاتے ہیں ظاہر باتوں میں اس کی ایسی مثال ہے جیسے غذائے قوی ضعیف المعدہ کے حق میں موجب نقصان اور قوی المعدہ کے حق میں باعث قوت لیکن ظاہر ہے کہ اُمور مکروہ میں اشتراک شیطانی ضرور ہوتا ہے بہت نہیں تھوڑا ہی سہی باعث عذاب نہ ہو۔ سبب کراہت ہی سہی سو اگر فرض کیجئے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی بیداری کی اطلاع بھی تھی اور ادھر یہ اَمر مباح بوجہ کراہت خالی شر شیطان سے نہ ہو تب بیش بریں نیست کہ بوجہ مذکور انہوں نے اُس کو مزمار شیطانی کہا ہو مگر اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ اُس کا سننا بوجہ اغوائے شیطانی ہو ایک فعل ایک کے حق میں موجب ثواب اور دوسرے کے حق میں موجب عذاب ہوتا ہے چونکہ سُنی سنائی کا ذکر ہے تو میں بھی اسی ضلع کی مثال عرض کرتا ہوں کلام اللہ کا سُننا بعضوں کے لئے باعث ہدایت اور موجبِ ثواب اور بعضوں کے لئے ضلالت و باعث عذاب ہے میں نہیں کہتا کلام اللہ ہی میں ارشاد ہے: ''یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا'' اب دیکھئے! ثواب عذاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک فعل میں جب یہ دونوں مجتمع ہوئے تو اباحت اور کراہت تو نیچے کے درجہ میں ہے یہ دونوں اگر بہ نسبت دو شخصوں کے مجتمع ہو جائیں تو استبعاد کیوں ہے یا حضرت خلیفہ اوّل ہی سے ضد ہے کہ وہ سیدھی کہیں تب بھی اُلٹی ہی سمجھیں یہاں تک تو بطور تحقیق جواب تھا اب بطور الزام سُنئے ہماری نہیں مانتے تو خدا کی تو مانئے خداوند علیم حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے کلام پاک میں نبی فرماتا ہے کبھی بھولے چوکے کلام اللہ دیکھا ہو تو شیعوں نے سورۂ مریم میں یہ آیت بھی دیکھی ہوگی'' وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا ''جس کے یہ معنی ہیں کہ'' دیا ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے اُن کا بھائی ہارون نبی'' اور اُنہیں برادر بزرگوار کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشہادت کلام اللہ سر کے بال پکڑ کے کھینچے چنانچہ کلام اللہ پڑھا ہوگا تو سورۂ اعراف میں یہ بھی دیکھا ہوگا۔ ''وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ'' ﴾ اور اس سے پہلے یوں فرماتے ہیں وَلَمَّا رَجَعَ اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اپنی قوم کی طرف تو غصہ میں بھرے ہوئے اور رنجیدہ خاطر قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ فرمایا تم نے میرے بعد بُرا کام کیا اور اپنے رب کے احکام کو آنے نہ دیا اور جلدی کر بیٹھے۔ وَاَلْقَی

الْاَ لْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَأْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ۔اورتورات مقدس کی تختیاں پھینک دیں اور حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔۱۲﴾

جس کا حاصل یہ ہے جو معروض ہوا اور سورۂ طٰہٰ میں'' وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِيْ اشْدُدْبِهٖ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ''﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ فرمایا اے رب کھول دے میرا سینہ علوم و معارف سے اور میرے کاموں میں آسانی عطاء فرما۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ اور میری زبان کی لکنت دُور فرما تا کہ میری بات لوگ سمجھیں وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِيْ اشْدُدْبِهٖ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ''اور میرا وزیر و مشیر میرے بھائی ہارون کو بنا دے جس سے میری کمر ہمت مضبوط ہو جائے اور اُسے میرے اُمورِ رسالت میں شریک کر۔۱۲﴾

اور سورۂ شعراء میں جملہ''فَاَرْسِلْ اِلٰى هَا رُوْنَ'' بھی دیکھا ہوگا جس کو اپنے ما قبل اور ما بعد کے ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کے لئے نبوت کی استدعا اُس وقت کی ہے کہ جس وقت اُن کو خلعت نبوت حاصل ہوا غرض فرعون کی طرف جانے سے پہلے حضرت ہارون کی نبوت کے خواستگار ہوئے اور پھر سورۂ طٰہٰ میں''قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يَا مُوْسٰى'' (فرمایا اللہ پاک نے اے موسیٰ تم کو یہ سب باتیں دی گئیں تمہاری دُعائیں قبول ہوئیں۔۱۲۔) اور سورۂ شعراء میں موجود ہے:''كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَا اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ''(فرمایا کچھ نہیں بس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر ہم تمہاری سنتے ہیں اور تمہاری مدد کریں گے۔۱۲)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دُعا اور استدعا فرعون کی طرف جانے سے پہلے ہی مقبول ہوئی یہ سارے حوالے اس لئے دیئے کہ کوئی حجتی لا اُمتی بے وجہ تکرار نہ کرے اگر چہ شیعہ اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی باز نہ آئیں کلام اللہ کو بیاض عثمانی بتلائیں کلام ربانی نہیں چنانچہ کہتے ہیں اور اس لئے علمائے اہل سنت نے اور نیز اس ہیچمدان نے ہدیۃ الشیعہ میں اس کے جوابات دندان شکن لکھے ہیں اور اُن سب سے بڑھ کر یہ

ہے کہ اگر شیعہ اصل سے کلام اللہ کو نہ مانیں تو ہمارا ادھر بھی حساب اور لیکھا ہے اُدھر نہیں۔ادھر سہی آپ کو پچھاڑیں گے آخر شیعہ وسُنی حدیث ثقلین کے بھی قائل ہیں اس حدیث کا ماحصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عترت جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے تب تک گمراہ نہ ہو گے اور ظاہر ہے کہ کلام اللہ کسی کے پاس ہو اور نہ پکڑے یعنی اُس پر عمل نہ کرے یا پاس نہ ہو کوئی چھین لے جائے یا جلادے جیسا حضرات شیعہ بہ نسبت جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے گمان رکھتے ہیں کلام اللہ پر عمل نہ کرنا دونوں صورتوں میں میسر نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں مثل کفار زمانہ سید الابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں گے دوسری صورت میں مثل کفار زمانہ جاہلیت کے بالجملہ کلام اللہ کے عالموں حافظوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ حضرت ہارون فرعون کے پاس جانے سے پہلے نبی ہو چکے تھے اور علیٰ ہذا القیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کے لئے کوہِ طور پر جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنانا اور پھر سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ میں لوٹ کر ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ کر یہ کہنا "اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ"

(کیوں تو نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی۔۱۲) جس کے یہ معنی ہیں تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی یہ سب باتیں فرعون کے غرق ہونے کے بعد کی ہیں چنانچہ سورۂ اعراف،سورۂ طٰہٰ،سورۂ شعراء کے سیاق وسباق اور نیز باتفاق شیعہ وسنی ثابت ہے اب حضرات شیعہ کی خدمت میں اس غلام خاندان اہل بیت کی یہ گزارش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو وہی حکم کیا تھا جو حکم خدا ہے اور اُنہوں نے اُس کی نافرمانی کی جس کی نسبت یہ فرمایا کہ "اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ"۔تب تو حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت کو کیونکر تھامئے گا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی اَمر خلاف شرع ارشاد فرمایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معصومیت کو نعوذ

باللہ داغ لگے گا اور اگر وہ حکم نہ موافق شرع تھا نہ مخالف شرع یوں ہی مباحات دنیوی میں سے تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کا قصور ہی کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ہتک عزت کی اُن کی نبوت اور بڑائی کا کچھ لحاظ نہ کیا قطع نظر نبوت کے حضرت ہارون علیہ السلام بڑے بھائی بھی تو تھے اور بڑا بھائی بجائے باپ کے ہوتا ہے۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ حرکت از قسم معصیت تھی جس سے عصمت کو داغ تو کیا لگے بالکل سیاہ بن جائے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت باوجود اس دست و گریبان ہونے کے بھی نہیں جاتی اور حضرت ہارون علیہ السلام کے عاصی سمجھنے سے چنانچہ آیت ''اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ'' شاہد ہے اُن کی عصمت کو داغ نہیں لگتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر دَف کو مزمار شیطانی سمجھ کر منع کیا تو کیا بے جا کیا اس میں اور اُس میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ قصہ کلام اللہ میں ہے جس کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یہ قصہ حدیث واحد میں جس کے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ہیں اور نبی بھی کیسے نبی حضرت ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھتے ہیں ظاہر ہے کہ نبی کا فہم کیسا ہوتا ہے یہاں اگر دَف کو مزمار شیطانی سمجھا تھا ابوبکر صدیق نے سمجھا جو اُن کے معتقدوں کے نزدیک بھی نبی نہیں اُمتی ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہیں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے بدرجہا کمتر ہیں ان کی غلط فہمی سے سنیوں پر کچھ عیب نہیں لگتا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک سوا نبی کے کوئی معصوم نہیں اور شیعوں کے اُصول کے موافق نبی تو نبی امام بھی معصوم ہیں پھر سُنی تو اعمال ہی میں معصوم کہتے ہیں جسے معصوم کہتے ہیں شیعہ معصوموں ﴿ عجب تماشا ہے کہ ادھر عصمت ائمہ کا وہ زور و شور کہ الامان الامان .... حضرت تقیہ بیچاری عصمت بے چاری سے دست و گریباں غور فرمایئے کہ تقیہ کی چھپی ہوئی چٹکیاں بیکس عصمت کو چین نہیں لینے دیتیں۔ اس لئے کہ امام کا مطلق قول و فعل بالتقیہ اور بغیر التقیہ ٹھہرا تو دائر ہوا اور یہاں بالتقیہ اور بغیر التقیہ کے اور جو قول و فعل دائر ہو بالتقیہ اور

بغیر التقیہ میں تو لامحالہ کہ وہ مشکوک و نامعتبر ہوگا تو امام کا مطلق قول و فعل مشکوک و نامعتبر ہوگا اور یہ مشکوکیت اور بے اعتباری منافی عصمت ہوئی تو لامحالہ تقیہ منافی عصمت ہوا۔ (سبحان اللہ) نگاہ قتل کرے لب کرے مسیحائی۔۱۲﴾ کو فہم میں بھی معصوم سمجھتے ہیں جیسے اعمال میں معصوم سمجھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا ویسے ہی غلط فہمی سے معصوم ہوتے ہیں سو اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلطی سے دَف کو مزمار شیطانی کہہ دیا تو کیا گناہ کیا ایک غلط فہمی ہوئی جس سے نہ ولایت میں نقصان ہے سنیوں کے نزدیک نہ خلافت میں بلکہ اُن کے نزدیک نبی سے بھی غلط فہمی ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیعوں کے نزدیک (بوجہ معصومیت) غلط فہمی تو ممکن نہیں حضرت ہارون علیہ السلام کو جو اُنہوں نے عاصی سمجھا تو شیعوں کے نزدیک نعوذ باللہ صحیح سمجھا ہوگا علاوہ بریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر شیطان کی طرف نسبت کیا تو بجانے والیوں کے فعل کو نسبت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف نسبت نہیں کیا بلکہ آپ ہی کی خاطر جھڑکا یعنی جیسے اور کافروں فاسقوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اَدب نہیں کرتے تھے لڑتے جھگڑتے تھے یہاں بھی بہ مقتضائے ادب اور محبت نبوی غصہ ہوئے اور منع کیا اور جب کفار فجار کے اعمال دیکھنے کے باعث اُنہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ آپ برضا و رغبت دیکھتے ہیں ایسے یہاں بھی بشرط بیداری یہ نہیں سمجھا تھا کہ آپ برضا و رغبت سنتے ہیں بلکہ سیاق کلام سے فہم ﴿فہم بیچاری کا یہاں کیا کام ذہن سلیم اور فہم مستقیم تو آپ لوگوں کے نام سے تھراتے ہیں منزلوں بھاگتے ہیں۔۱۲﴾ ہو تو یہ بات صاف روشن ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھی نسبت خیال کیا کہ آپ کو یہ فعل بُرا معلوم ہوتا ہوگا پر آپ شاید ایسے چُپ ہوں جیسے بعضے بزرگ بوجہ کمال حلم کے چھوٹوں کی بہت سی بدلحاظیوں پر سکوت کرتے ہیں غرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گمان میں یہ آیا کہ آپ کو بُرا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مکروہات تنزیہی سے آپ منع نہیں فرماتے اس لئے آپ نے

کچھ ارشاد نہیں فرمایا سوابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بوجہ کمال ادب کے اتنی بات بھی بُری معلوم ہوئی اور یہ ایسا قصہ ہے کہ اپنے بزرگ کے سامنے کوئی لڑکا حقہ پینے لگے اور وہ بوجہ دانشمندی خود کچھ نہ کہیں لیکن اُن کے خادم یوں کہیں کہ ہیں ایسی بے ادبی بزرگوں کے سامنے لیکن ملاحظہ قصہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے خوب روشن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود حضرت ہارون علیہ السلام نبی کو عاصی سمجھا اسے بھی جانے دیجئے عصیان اور مزمار شیطانی میں بھی زمین اور آسمان کا فرق ہے مزمار شیطانی سے تو فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ شیطان کو اس فعل میں دخل ہے یا شیطان اس سے خوش ہوتا ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شرک یا کفر یا گناہ کبیرہ یا صغیرہ یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی غرض ایک گول بات ہے کہ جس کے بیس پہلو ہیں اور ظاہر ہے کہ شیطان کو ان سب باتوں میں دخل ہے بلکہ طول امل اور حدیث نفس تک بھی شیطان ہی سے ہوتی ہے اور ہر حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت شیطان کی وسوسہ اندازی خود کلام اللہ میں مذکور ہے۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (پس وسوسہ پیدا کیا اُن دونوں کے واسطے شیطان نے۔۱۲) سورہ اعراف میں اور فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (پس اُن کے استقلال کے پاؤں کو شیطان نے پھسلا دیا پھر دونوں کو نکال دیا وہاں سے جہاں کہ وہ دونوں تھے۔۱۲) دیکھا سنا ہوگا اُدھر ہر گروہ انبیاء میں۔

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ'' (اور نہیں بھیجا ہم نے تیرے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جبکہ اُس نے کوئی تمنا کی تو ڈال دیا شیطان نے اُس کی تمنا میں وسوسہ۔۱۲) موجود ہے ان سب آیتوں کے ترجمہ سے دیکھئے اور انصاف کیجئے کہ وسوسہ اور القاء شیطانی کی اضافت مزمار شیطانی کی اضافت سے کس بات میں کم ہے مگر عصیان نافرمانی کو کہتے ہیں جس سے انبیاء بالیقین معصوم ہیں۔

اب حضرات شیعہ برائے خدا انصاف کریں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے مزمار شیطانی کہنے اور سمجھنے سے عصمت کو بٹہ لگتا ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ۔ کہنے سے صاحبو یہ ساری خرابی کلام اللہ کے یاد نہ ہونے اور کلام اللہ پر تمسک اور عمل نہ کرنے کی ہے اگر حضرات شیعہ کو کلام اللہ کی طرف توجہ ہوتی تو اس اعتراض کو مُنہ پر بھی نہ لاتے خیر خداوندِ کریم ہمیں انہیں کلام اللہ کی پیروی کی توفیق دے بالجملہ حضرات شیعہ کی خدمت میں ہماری یہ عرض ہے کہ ابوبکر صدیق تو بمقتضائے تقریر بے قصور نکلے پھر اب ان صاحبوں کو ہمارے اعتراض کا جواب دینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ ہارون علیہ السلام کی نبوت اور عصمت سے سب سے زیادہ واقف تھے (بعد از خدا) کیونکہ آپ ہی کی استدعا سے اُن کی نبوت کی نوبت پہنچی پھر کیوں اُن کو عاصی سمجھا اور پھر سمجھے بھی تو اس درجہ کو کہ شک کا بھی احتمال نہیں ہر طرح سے یقین کا یقین ہے ورنہ سر کے بال اور داڑھی کے بال کھینچنے اور پکڑنے کی نوبت نہ آتی بلکہ آیت: ’’ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ‘‘ (اور نہ ہنسا تو مجھ پر دشمنوں کو اور نہ کر تو مجھ کو ہمراہ قوم ظالموں کے۔۱۲) سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو زمرۂ ظالمین سے سمجھا۔

السوال الثانی

دیکھو معاویہ بن ابی سفیان نے قابو پا کر محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ اہل سنت کو قتل کیا اور حمار کے شکم میں رکھ کر اُن کی لاش کو جلایا اور اُم حبیبہ خواہر معاویہ نے کلۂ گوسپند بھون کر عائشہ اپنی سوکن کے پاس از راہ فرح و سرور بھیج دیا کہ اسے کھاؤ کہ تمہارا بھائی اسی طرح مار کر بھونا گیا سو عائشہ نے تا مرگ غم برادر میں کلۂ گوسپند نہ کھایا اور عائشہ و جناب امیر خبر اس کی سُن کر بہت روئے اور اُم حبیبہ قاتل پر اُس کے لعنت کرتی تھی کما ذکرہ الواقدی حالانکہ یہ برادر وہی برادر تھا کہ جو جناب امیر کے ساتھ ہو کر اپنی بہن عائشہ کو موافق حدیث یا علی حربک حربی بصرہ پر ہزیمت دی اور کچھ خیال اخویت و زوجیت و اصحابیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ کیا۔

الجواب للسوال الثانی

جناب سائل صاحب وقت سوال کچھ بھنگ بھی نوش کئے ہوتے ہیں اہل فہم بھی نہیں معلوم ہوتے کہ وہ سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں یا شیعوں پر یا دونوں پر صاحبو! اوّل واقدی اہل سنت کے نزدیک مؤرخ معتبر نہیں مجمع البحار کے آخر میں دیکھ لیجئے واقدی کی شان میں کیا لکھا ہے مگر اس بات پر تو ناظران اوراق عقب گذاری پر محمول کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ساری باتوں کو تو محرر اوراق غل ہی بنانے لگا اور صاحب سوال جناب معترض کو کوئی یوں نہیں کہے گا کہ حضرت نے جو بات لکھی طوفان شیطان ہی لکھا ہے کوئی اہل علم تو بتائے کہ حضرت نے سوا ایک بات کے کون سی بات سچی لکھی اس لئے یہ عرض ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر سے اس روایت کو مانا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے کی اگر شکایت ہے تو حضرت امیر بھی بشہادت سوال محمد بن ابی بکر کو روئے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا دھیان نہ کیا کہ کل اس نے میری صحابیت اور زوجیت نبوی کا کچھ لحاظ نہ کیا تھا تو حضرت امیر نے بھی اس کا کچھ دھیان نہ فرمایا کہ کل اس نے حضرت عائشہ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحابیت کا دھیان نہیں کیا تھا مجھ کو اس کے غم میں رونا مناسب نہیں بلکہ یوں کہو حضرت امیر نے بھی جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی زوجیت وصحابیت کا لحاظ نہیں کیا اگر اس بات کا لحاظ نہ کرتا تو بُرا تھا اور اسی وجہ سے ان کا غم کرنا مناسب نہ تھا تو یہ فرمایئے کہ حضرت امیر نے ایسا بُرا کام کیوں کیا۔

اور اگر یہ مدعا ہے کہ حضرت امیر جنگ جمل میں حق پر تھے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اپنی بہن کا لحاظ نہ کیا تو اس کا یہ جواب ہے لاریب حضرت امیر برحق تھے ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم کر جائیں پر اس کہنے سے کیا فائدہ محمد بن ابی بکر سنیوں کے کیونکر مقتدا اور پیشوا اور امام وقت تھے جن کا فعل سنیوں کے نزدیک مستند ہو دوسرے یہ ہے کہ اگر اُن کا فعل سند بھی ہو تو حاجت سند ہی کیا ہے اہل

سنت حضرت امیر کی خلافت کے وقت اُن کے خلیفہ برحق ہونے کے دل سے قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیقت کے اُن کے ایام خلافت میں قائل ہیں سند کی تو اُس وقت ضرورت ہوتی جب اہل سنت حضرت امیر کے برحق ہونے کے منکر ہوتے پھر اس بے ہودہ سرائی سے کیا فائدہ تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے رونے سے آپ کو کیا ہاتھ آیا یہ تو فرمائیے کہ یہ کون سی دلیل ہے اسے کلام اللہ کی آیت کہیے یا حدیث کی دلالت کہیے اس دیوانوں کی ترنگ سے اس بحث میں کیا ہاتھ آیا کیا خلافت حضرت امیر اس سے ہاتھ آگئی یا آپ کی امامت کے تمسک کا قبالہ اس سے درست ہوگیا مثل مشہور ہے بیاہ میں بیج کا لیکھا کُجا امامت حضرت امیر کی کجا یہ مہمل تقریر اور اگر مقصد دلی واظہار خبث باطن بہ نسبت زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے اور اس پردے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن مدِ نظر ہے تو موافق مصرعہ مشہور "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" مناسب تو یوں ہی تھا کہ انتقام اُم المؤمنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم بھی دل کے پھپھولے پھوڑتے پر ایسے نابکاروں کو بُرا کہنا کیا۔ شیطان کو بُرا کہنے کی کیا حاجت ہے اور اُس کی ہجو اور مذمت کی ضرورت کیا ہے جیسی اُس کی خوبی اور بزرگی معلوم ہے حضرات روافض کی شان میں بھی مشہور ہے: اَلرَّافِضِی فَوَّارَۃُ اللَّعْنَۃِ (الشیعہ نسوان ہذہ الامۃ مثل مشہور ہے۔۱۲) از ذخیرہ دوبر دمیر یزد۔

بالجملہ رافضیوں کے بُرا کہنے کی تو حاجت نہیں ہاں جواب اعتراض چاہیے صاحبو تحقیقی جواب تو اُس کا یہ ہے کہ لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل بشر تھے بے شک وہ حق پر تھے اور حضرت عائشہ خطا پر تھیں بوجہ خطا ونسیان معاتب نہیں ورنہ روزہ میں بھول کر پانی پینا کھانا کھانا یا بوجہ خطا جیسے وضو کرنے میں کبھی پانی حلق میں اُتر جاتا ہے ایسے اُمور کا مرتکب ہونا موجب عذاب اور وجوب کفارہ ہوا کرتا علیٰ ہذا القیاس بوجہ غلطی اگر کوئی حرکت ناسزا ہو جائے تو اُس پر بھی خدا کے یہاں سے

گرفت نہیں ورنہ ابر کے روز قریب غروب آفتاب کہ ابھی غروب نہیں ہوا اگر کوئی شخص بوجہ غلطی یوں سمجھے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور یہ سمجھ کر روزہ افطار کر لے اور پھر آفتاب نمودار ہو جائے چنانچہ اکثر ہو جاتا ہے تو لازم یوں ہے کہ ایسا شخص معذب ہوا حالانکہ باتفاق شیعہ وسُنّی ایسے افعال پر خدا کے یہاں مواخذہ نہیں ایسے مشاجرات صحابہ اور محاربات اصحاب جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیاء جیسے حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ گذرا سب بوجہ غلطی ہوئے ہیں جان بوجھ کر نہیں ہوئے جو اُن پر اعتراض کیا جاوے باقی رہی یہ بات کہ وجہ غلطی کیا ہوئی اس کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ ہم کو اس سے کیا بحث حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی طرح دونوں کو بزرگ سمجھنا چاہئے اور تحقیق مدنظر ہے تو سُنیے حضرت عثمان کے قاتل حضرت امیر کے ساتھ ہوئے تھے سو حضرت امیر بایں وجہ قصاص کے لینے میں دیر کر رہے تھے کہ ان شورہ پستیوں نے بنی بنائی بڑے زور کی خلافت کو جب ایسا زیروزبر کر دیا تو میری خلافت ابھی جمنے بھی نہیں پائی میرے قابو میں کیونکر آئیں گے دوسرے بلوے کی بات ہے تحقیق کے بعد قاتل کو پہچان کر قصاص لیا جائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ سمجھے کہ حضرت امیر ان ظالموں کے طرفدار ہیں چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو محمد بن ابی بکر کو مارا تو اُس کی وجہ یہی ہوئی کہ اُن کو منجملہ مشیران قاتلین سمجھے تھے یہ جُدا بات رہی کہ یہ تھے یا نہ تھے تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خود اِرادہ قتال کا بھی نہ تھا حضرت عثمان کے قاتل جو ان لوگوں کو ڈراتے تھے اپنی جان بچائے بصرہ جاتے تھے حضرت امیر نے تعاقب کیا انجام کار بایں وجہ کہ قاتلان مذکور نے بغرض فساد دو گروہ ہو کر دونوں لشکروں پر شب خون مارا ہر ایک نے دوسرے کی دغا سمجھی اور لڑ لڑا کر وہ قصہ تمام کیا مگر بشہادت کلام اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام پر کشتی توڑ ڈالنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کے مقدمہ میں

اعتراض کیا چنانچہ سورۂ کہف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے جسے شوق ہو سولہویں پارہ کے شروع سے ایک رکوع نکال کر دیکھنا شروع کرے، حضرت موسیٰ کا اُن کے پاس جانا اور دوبارہ تسلیم عہد و پیمان کرنا پھر بایں ہمہ اعتراض ان پر حضرت خضر کا اُن باتوں سے بے قصور ہونا سب بخوبی واضح ہو جائے گا اور نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلطی کھائی اور پھر بے بتلائے کچھ سمجھ میں نہ آیا اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس آپ نہیں گئے خدا کے بھیجے ہوئے گئے خدا نے اُن کے علم اور بزرگی کی اُن سے تعریف کی پھر اُنہوں نے یہ کہہ لیا کہ تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا تم میرے ساتھ نہ ہو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ میں کچھ تکرار نہ کروں گا بایں ہمہ نورِ نبوت کمال عقل ایسا کہ کیسی ہی باریک بات کیوں نہ ہو اُسے بھی سمجھ جائیں پھر اس پر بھی حضرت موسیٰ نہ سمجھے نہ سمجھنا تو درکنار یوں ہی سمجھتے کہ اس میں کچھ بھید ہوگا صبر کرنا چاہئے اور نہ سمجھنے کی بھی نوبت یہاں تک آئی کہ پھر بے بتلائے نہ سمجھے اگر ہم تم ایسے مستان دنیا کم عقل و کم فہم ان قصوں کی حقیقت نہ سمجھیں تو کیا بعید ہے بلکہ لازم یوں ہے کہ نہ سمجھیں ہاں یہ سمجھ کر ہماری سمجھ کا قصور ہے ان بزرگواروں کا قصور نہیں اُس پر اعتراض نہ کریں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہم کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں اس تقریر سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بابت قتل محمد بن ابی بکر اگر اعتراض ہے یا بہ نسبت محاربات حضرت امیر کچھ طعن ہے تو وہ بھی مندفع ہو گیا بالجملہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین سے قصور کسی کا نہ تھا جیسے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دست و گریبان ہوئے اور ہاتھا پائی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا باقی رہا جملہ۔ حَرْبُکَ حَرْبِیْ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جان بوجھ کر نہ بوجہ غلط فہمی جو تم سے لڑے گا تو گویا مجھ سے لڑے گا یہ نہیں کہ جس طرح سے کوئی تم سے لڑے عمداً یا خطاءً یا بوجہ غلط فہمی وہ سب میری ہی لڑائی کے برابر ہے ورنہ آیت۔ ''مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا

اِلَّا خَطَأً'' (نہ چاہئے مؤمن کو کہ قتل کرے مؤمن کو مگر دھوکے سے ہو جائے تو خیر۔)

جس کے معنوں سے صاف یہ بات روشن ہے کہ قتل خطاء میں کچھ نہیں غلط ہو جاوے گی اور یہ بھی نہ سہی اگر حدیث مذکور عام ہے تو اسی وجہ سے عام ہوگی کہ ظاہر اَلفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں مگر جیسے مفہوم حَرْبُکَ کو عام لیتے ہو تو مفہوم حربی کو بھی عام لیجئے اور یہ ہدایت فہم تقابل ملحوظ رکھئے یعنی یوں کہئے کہ تم سے عمداً لڑنا تو مجھ سے عمداً لڑنے کے برابر ہے اور تم سے خطاءً لڑنا مجھ سے خطاءً لڑنے کے برابر ہے مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمداً لڑنا اور آپ کی جان بوجھ کر تکذیب کرنی بُری ہے غلطی اور بے خبری میں اگر کسی سے یہ حرکت ہو جاوے اور بعد علم متنبہ ہو کر شرائط آداب بجالائے تو عقل و نقل کی رُو سے قابل عتاب نہیں عقل کی گواہی کی تو کچھ حاجت نہیں اہل عقل کے نزدیک بدیہی ہے نقل کی بات پوچھئے تو کلام اللہ موجود ہے لفظ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ (بعد اُس کے کہ واضح ہو۔۱۲) اور مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ (اور بعد اس کے کہ آئیں اُن کے پاس دلائل واضحہ۔۱۲) اور لفظ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے ظاہر ہے عتاب اسی وجہ سے ہے کہ وہ جان کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں بلکہ آیت ''بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّ لِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ'' (اور اگر پیروی کی تو نے اُن کی ہوائے نفسانی کے بعد اس کے تیرے پاس علم آیا نہ ہوگا خدا کی جانب سے کوئی مالک اور مددگار۔۱۲)

سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ بے خبری اگر کچھ خلاف مرضی خداوندی کر جائیں تو کچھ حرج نہیں بالجملہ خدا کی مخالفت بوجہ غلطی جب معضر نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بوجہ غلطی بدرجہ اولیٰ معضر نہ ہوگی پھر حضرت کی مخالفت اگر بوجہ غلطی نہ ہو تو اُس کا کچھ ذکر نہیں اور یہ بھی نہ سہی لفظ حَرْبُکَ عام اور لفظ حَرْبِىْ شیعوں کی زبردستی سے خاص ہے مگر جیسے حدیث مذکور میں پہلا لفظ عام ہے آیۃ'' وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا

فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا" (اور جو قتل کرے گا مؤمن کو قصداً تو اُس کی سزا جہنم ہے اُس میں ابدالآباد رہے گا اور خداوند تعالیٰ اُس پر غصہ فرمائے گا اور اُس پر لعنت بھیجے گا اور اُس پر بہت بڑا عذاب ہے۔۱۲۔)

(**فائدہ**: مؤمن عاصی کو خلود فی النار نہ ہوگا یہاں خالداً کا لفظ تغلیظاً اور ترہیباً مذکور ہے۔ محمد حسین مانک پوری۔ عفی عنہ)

بھی باعتبار الفاظ عام ہے باغی زانی قطاع الطریق اس میں سب آگئے اب فرمایئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانیوں کو قتل کیا اور امیر نے سیکڑوں باغیوں کو تہ تیغ کیا اِدھر اب تک یہ آیت سب کی معمول تھی نہ مجتہدان شیعہ اس سے اِنکار کرسکیں نہ علماء اہلسنت پھر یہ کیا انصاف ہے کہ ایک حدیث کے بھروسے جس میں کسی قدر ضعف ہی سہی یہ بھی احتمال ہے کہ غلط ہو اتنا غل وشور ہے کہ العظمۃ للہ آیت کو نہیں دیکھتے کہ اس میں شبہ بھی باقی نہیں چھوڑا تسپر غلطی رواۃ کا احتمال نہیں پھر اس کے باعث کہاں کہاں اعتراض پڑتا ہے اور جواب اِلزامی یہ ہے کہ اگر حضرت امیر کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَرْبُکَ حَرْبِیْ فرمایا ہے تو اَزواج مطہرات کے حق میں۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ" (نبی بہت نزدیک و مستحق ہے مؤمنین کے ساتھ اُن کی جانوں سے اور بیبیاں اُس کی تمام مؤمنین کی مائیں ہیں۔۱۲) فرمایا ہے ادھر ہر عام والدین کے حق میں" اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا" (نہ پرستش کرو تم سوائے اللہ کے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔) فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواج جو اُم المؤمنین ہیں اُن کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ تاکید ہوگی۔

اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال ایمان میں بھی شک کی گنجائش نہیں جو یوں کہیے کہ اوروں کی والدہ تھیں اُن کی نہ تھیں پھر کیا یہی احسان تھا کہ ایسی والدہ کا یوں مقابلہ کرتے اور اگر یہ خیال ہے کہ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا خطاء پر تھیں، تو یہ بات کس منہ سے مناسب ہے سُنّی کہیں تو کہیں شیعوں کو اُس کے کہنے کی گنجائش نہیں کیونکہ آیت ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا'' (اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم میں سے رجس یعنی خباثت معاصی ظاہراً و باطناً دُور فرمائے اے اہل بیت اور تم کو طاہر کرے جیسا کہ حق طہارت کا ہے۔۱۲) ان کے نزدیک عصمت پر دلالت کرتی ہے اور پھر یہ آیت دیکھ لیجئے کس کی شان میں نازل ہوئی ہے ازواج مطہرات یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ کلام اللہ میں موجود ہے دیکھ لو ازواج کا ذکر ہے یا حضرت امیر کا اور اگر حدیث عباد پر کودتے ہو تو اُس سے صاف یہی بات نکلتی ہے کہ یہ آیت اُن کی شان میں نازل نہیں ہوئی ورنہ اس دُعا کی کیا حاجت تھی کہ عبا میں پنجتن کو شامل کر کے یہ فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ الخ'' (عنکم میں ضمیر جمع مذکر بوجہ لفظ اہل کے ہے جو مضاف بیت کا ہے اور مراد اہل بیت سے بالاصالۃ ازواج مطہرات ہی ہیں اور مدار تذکیر و تانیث ضمائر کسب لفظ ہے اگر مرجع لفظاً مذکر ہے تو مذکر اور مؤنث جیسا کہ ایک مقام میں ملائکہ کی طرف سے حضرت سارہ زوجہ حضرت خلیل عاشق رب جلیل کو خطاب فرمایا کہ رحمۃ اللہ و برکاتہٗ اہل البیت۔۱۲۔ محمد حسین مانکپوری عفی عنہ)

بالجملہ دُعا کرنے سے جیسے دخول پنجتن زمرہ اہلبیت میں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اُن کی شان میں نازل نہیں ہوئی ہاں اگر یہ دُعا قبل نزول آیت ہوتی تو یہ احتمال تھا کہ دُعا ہی باعث نزول ہوئی مگر اُس میں سُنّی ہی نہیں شیعہ بھی اس طرف ہیں کہ آیت پہلے ہی نازل ہوئی دُعا پیچھے باقی پنجتن کو پہلے سے اہل بیت فرمایا یہ نہ فرمایا کہ اُن کو اہل بیت میں داخل کردے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے اور بیگانے اپنے نہیں ہو سکتے جو قرابت ہے وہی رہتی ہے کوئی غیر آدمی کی نسبت یہ دُعا تو کر نہیں سکتا کہ الٰہی یہ شخص میرا حقیقی بیٹا بن جاوے ہاں جس سے محبت شدید ہوتی ہے اُس کو بیٹا خود کہہ دیا کرتے ہیں اگرچہ بیگانہ ہی کیوں نہ ہو لے پالک کو

عرف میں بیٹا کہتے ہیں لیکن حقیقی بیٹا ہونا ممکن نہیں اسی طرح جو اہل بیت نہ ہوں اُن کا اہل بیت ہو جانا ممکن نہیں جو اُس کی دُعا کی جاتی کہ الٰہی ان کو اہل بیت حقیقی بنادے ہاں اُن کے ساتھ بھی معاملہ اہل بیت کا ساتھا اس لئے فرمایا کہ الٰہی یہ بھی میرے اہل بیت ہیں تو اپنا وعدہ ان کے ساتھ پورا کر اور اگر یوں کہئے کہ اہل بیت تو پہلے ہی سے تھے پھر دُعا کے وقت اس لغت سے اُن کو یاد کر لیا تھا۔

سو یہ بات غور سے دیکھئے تو گوز شتر سے کم نہیں کیا جناب باری عز اسمہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبوی کون ہیں جو آپ کے بتلانے اور جتلانے کی ضرورت ہوئی جب خداوند کریم نے وعدہ تطہیر کر لیا تھا آپ پورا کرتا پھر دُعا کی کیا حاجت تھی بالجملہ بروئے انصاف شیعوں کے جی میں بھی یہی ہوگا کہ آیت تو ازواج مطہرات ہی کی شان میں ہے ہاں جیسا کوئی بادشاہ کسی امیر سے وعدہ کرے کہ تمہارے گھر کے لوگوں کو میں انعام دوں گا اور وہ امیر وقت تقسیم انعام اپنی دختر و داماد و نواسوں کو بھی لے جاوے اور یہ کہے کہ آپ نے میرے گھر کے لوگوں کے لئے وعدہ انعام کیا تھا یہ بھی میرے گھر کے لوگ ہیں کچھ اجنبی نہیں تو وہ بادشاہ باوجودیکہ جانتا ہے کہ بیٹی دوسرے گھر کی چاندنا ہے گھر کے لوگوں میں داخل نہیں تو اسے اور داماد تو درکنار گھر کے لوگ اگر ہیں تو بی بی ہے چنانچہ اہل بیت کا ترجمہ ہے اہل خانہ یا فرزند وغیرہ جو اُس کے گھر رہتے ہیں مگر بوجہ عموم کرم و مزید قدر شناسی اُمر مذکور اُن کو بھی انعام دے تو کچھ بعید نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھنا چاہئے کہ پنجتن باوجودیکہ شرف گوناگوں رکھتے ہیں پر اَصل سے اہل بیت میں نہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے ماورائے دیگر انعام ہائے سے بے پایاں انعام اہل بیت میں بھی شریک ہو گئے۔

چنانچہ قرینہ دُعا اس پر عمدہ شاہدہ ہے اور بہت ہاتھ پاؤں ماریے تو یہ بات بن پڑتی ہے کہ لقب اہل بیت تو اَوّل ہی سے اَزواج اور پنجتن دونوں پر شامل ہے پر خطاب خاص اَزواج ہی کے ساتھ ہے گو وعدہ مذکور سب کے ساتھ ہو جیسے کوئی بادشاہ

اپنے نوکروں میں سے ایک نوکر کو بلا کر یوں کہے کہ ہمارا اِرادہ ہے کہ کل نوکروں کو انعام دیں سو یہ خطاب اُسی ایک کے ساتھ ہے پر وعدہ سب نوکروں کے لئے ہے بالجملہ پنجتن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہیں ورنہ اصل سے یہ آیت ازواج کے حق میں ہے اُن کے خارج اہل بیت ہونے کا کوئی احتمال نہیں اگر ہے تو اہل بیت کے خارج ہونے کا احتمال ہے اگر چہ غلط ہو کیونکہ باتفاق اہل سنت وہ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اوّل سے تھے یا پیچھے ہو گئے پھر جب یہ آیت مذکور عصمت پر دلالت کرے چنانچہ شیعہ بھی پنجتن کی عصمت اسی سے ثابت کرتے ہیں تو ازواجِ مطہرات بدرجہ اُولیٰ معصوم ہوں گی اُنہوں نے جو کچھ حضرت امیر کے ساتھ کیا سب بجا ہوگا پھر کیا وجہ ہوئی کہ حضرت امیر ﴿اور کیسی اطاعت کہ گو بحکم وصیت نبوی خلافت بلا فصل سے ہاتھ دھو بیٹھے دَم نہ مارا احکام شرعیہ اور ترتیب و جمعیت کلام اللہ میں اتنا بڑا اُلٹ پھیر ہوا سر نہ ہلایا پر یہاں لڑنے کو اُٹھ کھڑے ہوئے لباس تقیہ چپکے سے اُتار ڈالا۔۱۲۔ محمد حسین مانکپور ر﴾ نے اُن کے اُم المؤمنین ہونے کا لحاظ نہ کیا فرزند کو والدین کی اطاعت چاہئے والدین کو فرزند کی اطاعت کی کچھ حاجت نہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امیر کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہوئی کیونکہ وہ حضرت امیر کے حق میں بمنزلہ باپ کے تھے یہ نہ ہوتا تو حضرات ازواج مطہرات اُم المؤمنین کیوں ہوتیں پھر جب حضرت امیر نے باوجود یہ کہ بہ عقیدہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل معلوم ہوتے ہیں چنانچہ حدیث مندرجہ سوال سوم سے واضح ہے اور نیز حال قال شیعہ سے ٹپکا پڑتا ہے زبان سے کہیں یا نہ کہیں بایں وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار رکھی کہ بمنزلہ والد تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُن کے حق میں بمنزلہ والدہ تھیں اور پھر والدہ بھی کیسی کہ معصوم اُن کی اطاعت اور فرماں برداری بھی اُن کو ضرور تھی سو اَب حضرات شیعہ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ اپنے اعتراضات کا جواب تو دَندان شکن لے چکے ہمارے ان اعتراضات کا جواب چاہئے باقی رہا یہ قصہ

کہ حضرت اُم حبیبہ نے گوسفند بھون کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور اُن کے بھائی کی نسبت کہلا بھیجا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گوشت کھانا چھوڑ دیا اوّل تو یہ قصہ بے سند ہے اور اگر ہو بھی تو اس کا ذکر کرنا اور مباحثہ کو ایسے مضامین سے طول دینا خود جنگ زنانہ ہے۔ صاحبو مباحثہ ہے کوئی سینہ پیٹنا نہیں جو حضرات شیعہ عورتوں کی طرح ایسی باتیں گاتے ہیں اس کے جواب میں فقط یہ شعر کافی ہے۔

اُلجھنے کو بلا ہیں آپ تو کچھ خیر ہے
صاحب لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشان کو

غرض ایسی باتوں سے دین شیعہ مستحکم نہیں ہوتا حقانیت کی سند ہاتھ نہیں آتی پھر کیا فائدہ جاہلوں کے دل میں دیوانوں کی طرح شک وشبہ ڈالتے ہیں۔

السوال الثالث

حدیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُعطِیتُ فی علی خمسٌ یعنی دی گئیں علی رضی اللہ عنہ میں پانچ چیزیں قیامت میں۔

(۱) ساقی کوثر ہوں گے (۲) دوم لوائے حمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ قائلین جناب امیر زیر لوائے حمد ہوں گے۔ (۳) سوم پل صراط سے کوئی نہ گذرے گا مگر وہ شخص کہ جس کے ہاتھ میں تحریر علی بن ابی طالب ہوگی۔ (۴) چوتھے جناب امیر قسیم جنت ونار ہوں گے کہ روز قیامت خود دوزخ کہے گی ھٰذَا لِیْ ھٰذَا لَکَ یَا عَلِیُّ یہ میرا ہے مجھے دو اور یہ تمہارا ہے اسے تم لو یعنی دوست کو تم لو اور دشمن کو مجھے دو۔

(۵) پانچویں جب خدا حساب خلق میں مشغول ہوگا اس وقت جناب علی پیش خداوند جبار وقہار حاضر رہیں گے۔ (کما ھو فی صواعق محرقۃ صفحہ ۱۰۵۹)

الجواب الثالث

اس سوال سے کچھ معلوم نہ ہوا کہ غرض سائل کیا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت حضرت رابع الخلفاء سید آل عبا امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدِ نظر ہے

بایں وجہ در پردہ خلفاء ثلاثہ کے عدم استحقاق کا مظہر ہے۔

سواس کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ حدیث مسطور سنیوں کے نزدیک احادیث معتبرہ میں سے نہیں نہ صحاح ستہ میں ہے نہ مشکوٰۃ میں نہ اور کسی حدیث کی کتاب میں باقی صواعق محرقہ اوّل تو کتاب حدیث کی نہیں رد روافض میں ایک کتاب ہے اور اگر فرض کیجئے اس میں کسی حدیث کا ہونا بھی سنیوں کے الزام کھانے کو فرمائی تو ویسا ہی ہے جیسے حدیث کی کتابوں میں سے کسی حدیث کا ہونا تو پھر کیا اہل سنت و جماعت اپنی کتابوں میں صحیح اور ضعیف معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں مگر اُس کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مصنف کتاب یہ التزام کرے کہ اپنی کتاب میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے بیمار کے لئے مفید ہے اور ایک یہ صورت کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں جیسے ترمذی شریف کہ اُس میں کسی حدیث کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہہ جاتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مفردہ مرکبہ نافع مضر سب لکھتے ہیں پر اُس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا غذا نافع ہے اور یہ دوا مضر سو کتب طب میں دیکھ کر نادان بھی نہیں کہتا کہ فلانی دوا یا غذا طب کی کتاب میں ہے آؤ استعمال کریں ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر کار استدلال میں استعمال بھی کسی عاقل کو نہیں آسکتا۔

تیسری یہ صورت ہے کہ مصنف کتاب اپنی کتاب میں موضوعات اور احادیث ضعیفہ جمع کرے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دینداران سادہ لوح ان احادیث کو غیر معتبر سمجھ کر اس کے موافق عمل کرنے سے باز رہیں گے یہ کتاب ایسی ہے جیسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کر دے تاکہ کل کے دن کوئی دھوکا نہ کھاوے موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اس قسم کی ہیں سو ایسی کتابوں سے سنیوں

کے الزام کے لئے کوئی حدیث نقل کی جائے تو بڑی شوخ چشمی ہے۔ چوتھی یہ صورت ہے کہ بطور بیاض کسی نے ایک مجموعہ اکٹھا کیا اور رطب ویابس سب اُس میں بھرے تا کہ وقتِ فرصت کے تحقیق کر کے صحیح کو رہنے دوں گا اور ضعیف کو نکال ڈالوں گا اور پھر اِتفاق سے یہ اِتفاق نہ ہوا یا ہوا تو وہ اصل مسودہ بیاض کسی کے ہاتھ لگ گیا اس صورت میں بھی عاقل کا یہ کام نہیں کہ اُس سے استدلال کرے اکثر غیر مشہور کتابیں حدیث کی اسی قسم کی ہیں سو غیر مشہور کتابوں سے حدیثوں کا بیان کرنا جب تک مفید مطلب نہیں کہ کسی محقق نے اس کی تصحیح نہ کی ہو۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ سوا اس محدث کے کسی محقق اہل سنت و جماعت نے آج تک تصحیح نہیں کی جو حضرات شیعہ کو گنجائش استدلال ہو اور ان سب کو جانے دیجئے یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے خلفاءِ ثلاثہ پر افضلیت لازم نہیں آتی جیسے فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے اس سے زیادہ فضیلتیں خلفاء ثلاثہ میں موجود ہیں کتابیں معتبر بھری ہوئی ہیں لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں سوائے خدا کسی کو دوست و خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل سمجھتے تھے علیٰ ہذا القیاس اور بہت سے فضائل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت سے جو حدیث مذکور سے مستنبط ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سب سے افضل ہیں ہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مذکور سے اُن کی فضیلت سب سے واضح ہے اور اس کو بھی جانے دیجئے ہم پوچھتے ہیں کہ حدیث مذکور اگر صحیح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں گے یا نہ ہوں گے اگر آپ سے بھی افضل ہوں گے تو ہمیں کچھ شکایت نہیں مگر جیسے باوجود افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکومت نہ دی اپنے ہی تصرف میں رکھی ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ عنہ نے بھی کیا اتنا فرق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتباع نبوی کیا کہ حق بہ حق دار نہ پہنچایا اسی وجہ سے مصیب بہ ثواب بھی ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ اتباع سنت تو بہرحال موجب ثواب ہوتا ہے شیعہ بھی اس کے قائل ہیں اور سُنّی بھی اور اگر باوجود ان فضائل کے حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ یہ فضائل ہیں تو کیا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ فضائل ہوں گے یا ان فضائل کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے تو سنیوں کی بھی یہی گزارش ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی یہ فضائل ہوں گے یا ان کے مقابل اور فضائل ہوں گے بالجملہ بدستاویز حدیث مذکور اگر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوبکر صدیق سے افضل تھے تو اسی حدیث کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے کیونکہ یہ فضائل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حدیث کے موافق نصیب نہیں ہوئے اور وہ بھی حضرات شیعہ کے طور پر کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فضیلت تو اُن کو اسی وجہ سے ثابت ہوگی کہ اس حدیث کے سیاق سے حضرت امیر کا اختصاص اُن اوصاف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے پھر جب بوجہ اختصاص ایک سے افضل ہوئے ایسے ہی سارے جہان سے افضل ہوں گے اس میں سید الانبیاء ہوں یا سید الصدیقین اس صورت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی خلافت کے دبا لینے کے لئے حجت کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود افضلیت حضرت امیر کے ان کو حکومت نہ دی آپ ہی قابض و متصرف رہے مجھ کو لازم ہے کہ میں اسی طرح حضرت امیر کو حکومت نہ دوں تا کہ حق کے نہ دینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہاتھ سے نہ جائے علاوہ بریں وقت وفات امام مسجد کیا ﴿غور کا مقام ہے کہ حضرات شیعہ کس زور سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ پر اُلجھتے ہیں اور ذرا بھی غور نہیں فرماتے کہ اوّل تو لفظ مولیٰ میں کیا کیا تاویلیں جھیلنے پڑیں گی جس سے سنیوں کے دھکوں سے چھٹکارا نہیں اور یہ ہی سہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لفظ مولیٰ سے

خلیفہ اور اپنی جانشینی کے لئے حکم فرمایا تو صرف کہنا ہی کہنا ہوا یہاں تو کہنا کیسا کر کے دکھلا دیا اور مسند امامت پر بٹھلا ہی دیا اگر کہیں ایسا واقعہ حضرت امیر کی شان میں وقوع میں آتا تو زمین پر پاؤں نہ رکھتے۔۱۲۔محمد حسین مانک پوری۔عفی عنہ ﴾ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کیا جس سے ہر خاص و عام نے بھی سمجھا کہ جو دین کا پیشوا ہے وہی دنیا کا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے پیشوا تھے اور امام نماز بھی تھے اور اس لئے دنیا کے بھی امام یعنی حاکم تھے ایسے ہی ابو بکر صدیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اِمام بنایا جو سب دین اسلام کی باتوں میں افضل تھے لا ریب دین میں یہ سب سے زیادہ ہوں گے سو ان کو دنیا کا بھی اِمام بنانا چاہیے۔علیٰ ہذا القیاس خود ابو بکر صدیق کے ذہن میں بھی یہی آیا ہو کہ جب مجھے دین کا امام بنایا یا دنیا کا بھی میں ہی امام ہوں لیکن حضرات شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت امیر کا حق نہ دیا آپ دبا رکھا پھر وقتِ وفات بھی کیا تو وہ کیا جس سے سب خاص و عام اُلٹا سمجھ گئے تو آپ نے کس کی پیروی کی، اللہ کا حکم تو یہی ہے کہ حاکم ہو تو اَفضل ہو ورنہ پھر شیعوں کو سنیوں پر کیا اعتراض رہے گا اس صورت میں لازم یوں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم حضرت امیر کو بناتے آپ محکوم بنتے اسے بھی جانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر تھے کچھ خوف ہوا ہوگا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے نعوذ باللہ ڈر گئے ہوں گے خود خداوند کریم بایں ہمہ دعویٰ عدل وانصاف جس کے معنی شیعوں کے نزدیک یہ ہیں کہ خدا کے ذمہ عدل واجب ہے خلاف انصاف وہ کوئی بات نہیں کرسکتا حضرت امیر کا حامی وطرفدار کیوں نہ ہوا یا یوں کہئے کہ خدا کے ذمہ حق کا پہنچانا واجب نہیں تب تو سنیوں کا مذہب برحق نکلا کہ خدا کے ذمہ عدل واجب نہیں اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے چنانچہ خود فرماتا ہے ’’لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ‘‘ ﴿بعد تہدید پر تشدید کے اور دلائل فصیح وبلیغ کے فرماتا ہے کہ لَا يُسْئَلُ۔الخ یعنی خدائے پاک کے کل افعال محمود وعدالت آمود ہیں وہ مالک ومختار اپنی مخلوقات گوناگوں کا ہے کسی کو مجال دم مارنے کی نہیں ہے اگر

محمود و عدل نہ ہوں تو قبیح و مذموم تو بہ توبہ ہوں گے تو ردو قدح اور سوال و جواب کا دروازہ بند ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ ممانعت کہ کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا چہ معنی غرضیکہ جو کچھ وہ کرے وہ سب بجا و درست ہے۔ ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست۔۔ کس را مجال نیست کہ چون و چرا کند۔۱۲﴾

اور کیونکر اختیار نہ ہو وہ سب کا مالک ہے۔ ظلم تو جب ہو سکے جب کسی غیر کی چیز میں بے موقع تصرف کرے اگر کوئی شخص اپنی سلطنت یا خزانہ یا کوئی چیز کسی کمتر کو ہبہ کرے اور افضل کو ہبہ نہ کرے تو اُس کو کوئی نادان بھی ظلم نہیں کہہ سکتا یا یوں کہو کہ خدا پر عدل تو واجب ہے پر انصاف یہی تھا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہوں کیونکہ وہ سب سے افضل تھے اہل سنت ہی پالے جیتے رہے یا یوں کہو کہ عدل بھی واجب تھا اور حق بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا پر نعوذ باللہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے خدا کی بھی نہ چلی زبردستی یہ دونوں حضرت علی کا حق دبا بیٹھے تو سنیوں کا ہی بول بالا رہا جن کے ایسے پیشوا کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی جن کے سامنے نہ چلی ان کو حضرت علی کی پیروی کی کیا پروا اور اُن کی ناخوشی کا کیا اندیشہ حضرات شیعہ یا تو ان باتوں کا معقول جواب دیں ورنہ فکر آخرت کریں اور توبہ کریں ان سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اس طرح کے کلمات زبان پر لانے سے واللہ جی ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان کے نزدیک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کیا چیز ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو اَفضل مخلوقات ہیں اور محبوب ذات پاک ایک بندہ ہیں ایک ذرّے کے ہلانے کی طاقت نہیں رکھتے پر کیا کیجئے نقل کفر کفر نباشد حضرات شیعہ کی خرافات کو بناچاری نقل کرنا پڑا۔

السوال الرابع

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ شراب کا پینا جائز نہیں مگر بہ نیت تقویٰ پی لے تو مضائقہ نہیں پینا اُس کا لکھا ہوا فی شرح الوقایہ خداوند دانا قرآن میں فرماتا ہے:

''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ'' (حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں۔۱۲۔ محمد حسین مالکپوری عفی عنہ) یعنی حرام کی گئیں مائیں تمہاری اور

بیٹیاں تمہاری اور امام شافعی اہل حرام کی بیٹی کو باپ پر حلال کہتا ہے۔

کما ھو فی شوکۃ العمریۃ للفاضل الرشید

الجواب الرابع

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اوّل تو ہمارے نزدیک ایسے امام نہیں جن کی بات اللہ ورسول کی بات کے برابر ہو ایک مجتہد ہیں اگر ان کی بات ایسی بھی ہو جس پر اعتراض کی گنجائش ہو تو کیا ہوا ہمارے نزدیک مجتہد سے خطاء ممکن ہے پھر وہ بھی فروع میں اور فروع میں ایسی بات جو خواہ نخواہ ظاہر نہیں۔ مگر ستم تو یہ ہے کہ حضرات شیعہ اماموں سے جن کی عصمت کے مثل انبیاء قائل ہیں ایسی روایتیں کرتے ہیں جو صاف کلام اللہ کے مخالف ہیں ارشاد میں جو تصنیف علامہ حلی ہے موجود ہے کہ اپنی باندی کو دوسرے پر حلال کر دے تو اُس کو اس سے صحبت جائز ہے پھر باندیوں میں بھی کسی کی تخصیص نہیں جس سے اس کی اولاد ہو اس کا حلال کر دینا بھی جائز ہے اور غیروں کو عاریت دے دینا تو در کنار شیعوں کے نزدیک وقف کرنا بھی جائز ہے بلکہ ابن بابویہ قمی حضرت امام مہدی کے نام سے ایک رقعہ ایسا روایت کرتا ہے کہ جس کے سننے سے مسلمانوں کا بدن کانپتا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ مہمانوں اور دوستوں کے لئے باندیوں اور حرموں کی شرم گاہ کے عاریت دینے میں بڑا ثواب ہے اور عمدہ عبادات میں سے ہے ادھر متعہ کا آوازہ اور اُس کے فضائل کا طور تو سبھی نے سُنا ہوگا یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سُنّی شیعہ ہوئے جاتے ہیں اور کیونکر نہ ہوں جیتے جی یہ مزا اور مرنے کے بعد حضرات ائمہ کا مرتبہ نصیب ہو۔ قطرات غسل سے فرشتے پیدا ہوں ایسا دین اور ایسا ایمان قسمت سے ملتا ہے اعتبار نہ ہو تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی میں اس آیت کی تفسیر میں "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً" ﴿جس عورت سے تم بہ سبب عقد نکاح کے فائدہ وحظ اُٹھا چکے تو تم اُسے اس کا مہر مقرر دے دو۔ ۱۲﴾ دیکھ لیں میں نے تو کچھ بھی نہیں لکھا اُنہوں نے وہ فضائل نقل کئے ہیں کہ جن کے سننے کے بعد رمضان کی طرف سے دل

ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بلکہ کوئی عبادت متعہ کے سامنے آنکھوں میں نہیں جچتی۔ غرض ایسی ایسی لذتوں کی بدولت اس مذہب کو رونق ہوئی ورنہ جہاد اور اجتہاد ائمہ تو معلوم جس سے یہ فروغ ہوتا اور کہہ سکتے ہیں کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں سے اسلام کو فروغ اور اماموں کے اجتہادوں سے مذہب شیعہ کو فروغ ہوا لیکن بایں ہمہ صاف کلام اللہ کے مخالف سورۂ مؤمنون اور سورہ معارج میں دیکھئے یوں فرماتے ہیں:

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ"

﴿اس سے پہلے اللہ پاک مؤمنین کاملین کی فلاح دارین کا وعدہ فرما کر اُن کی علامات و حالات ارشاد فرماتا ہے کہ وہی لوگ نماز تہ دل اور عجز و نیاز سے ادا کرتے ہیں اور وہی لوگ حرکات وسکنات اور افعال واقوال بے ہودہ و لچر ولغو سے بچتے ہیں اور وہی لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی لوگ شرم گاہوں کو ارتکاب حرام سے محفوظ رکھتے ہیں پھر مباشرت حلال کو کس تصریح سے واضح فرماتا ہے کہ مگر ہاں اپنی منکوحہ بیبیوں اور مشروعہ لونڈیوں سے مباشرت کرنے میں کوئی زجر و ملامت نہیں پھر علاوہ اس کے کل صورتوں کو حرام فرما کر تنبیہ یوں فرماتا ہے کہ "فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ" یعنی جو لوگ اس کے سوا اور کوئی صورت عیاشی ڈھونڈھتے ہیں وہ لوگ خدائے پاک کی حدود مشروعہ سے باہر نکل جانے والے ہیں۔۱۲﴾

جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بی بی اور باندی کے سوا اور کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت نہ بی بی ہے نہ باندی تو اس لئے نہیں کہ بہ شہادت آیت "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" نکاح چار سے زیادہ جائز نہیں اور متعہ میں شیعوں کے نزدیک یہ قید نہیں اور لفظ نکاح سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی تو اس ہٹ دھرمی کا یہ علاج ہے کہ سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں فرماتے ہیں" وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ "(اور

اَزواج کے لئے چوتھائی ہے تمہارے ترکہ میں سے۔۱۲۔محمد حسین مانکپوری عفی عنہ)

اور لَهُنَّ کی ضمیر ازواجکم کی طرف راجع ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے اور اَزواج سب جانتے ہیں کہ بی بی کو کہتے ہیں غرض جو لفظ اَزواج سورۂ مؤمنون اور سورہ معارج میں ہے وہی سورۂ نساء میں کہ اَزواج کی نسبت درصورتیکہ اولاد نہ ہو ربع 1/4 وراولاد ہو تو ثمن 1/8 فرماتے ہیں سو متعہ کی عورت اگر ازواج میں داخل ہوتی تو ان کو میراث بقدر مذکور ملتی حالانکہ باتفاق شیعہ متعہ کی عورت وارث نہیں ہوتی۔علیٰ ہذا القیاس اور احکام مثل عدت اور طلاق اور عدل وغیرہ کو جو بہ نسبت اَزواج کلام اللہ میں مذکور ہیں متعہ کی عورت کی نسبت تجویز نہیں کرتے اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا میں سب کو بتلاتا مگر یوں سمجھ کر کہ کلام اللہ موجود ہے پڑھنے والے خود دیکھ لیں گے اس پر اکتفاء کی جاتی ہے بالجملہ زن متعہ داخل اَزواج تو نہیں۔

چنانچہ خود شیعہ بھی اپنی کتابوں میں زن متعہ کو اَزواج میں شمار نہیں کرتے باقی رہا باندی ہونا اس کے ابطال کی کچھ حاجت نہیں خود ظاہر ہے کون کہہ دے گا کہ زن متعہ باندی ہے ورنہ بیع وشراو عتق وہبہ وغیرہ سب احکام جاری ہوتے۔جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زن متعہ نہ زوجہ ہے نہ باندی تو متعہ کرنے والے منجملہ "فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ" ہوئے یا نہیں یعنی منجملہ ظالمین بمعنی عادین ہے اب غور فرمایئے کہ یہ مسئلہ باتفاق شیعہ منجملہ عبادات ہے سبحان اللہ سنیوں پر اُن باتوں پر طعن جو اُن کے یہاں اگر ہیں تو منجملہ مباحات ہیں نہ عبادت پھر وہ بھی اختلافی نہ اتفاقی اور وہ بھی اجتہادی نہ بحوالہ نصوص قرآنی یا نصوص احادیث پھر اُن میں بھی کوئی بات خلاف عقل ونقل نہیں دونوں اُس کے مؤید ہو سکتے ہیں۔چنانچہ اِن شاءاللہ تعالیٰ عنقریب واضح ہوا جاتا ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ صریح زنا مخالف قرآن شریف پھر اُس کو یہ بھی کہ مباح کہہ کر چپ ہو رہیں بروایات ائمہ اُس کے فضائل بھی بیان کریں پھر فضائل بھی ایسے ویسے نہیں انسان گرفتار ہوا وہوس تو درکنار فرشتہ بھی ہو تو اُن فضائل کو سُن کر لوٹ جائے اور

متعہ کرنے کو تیار ہو آدمی دوسروں پر طعن کرے تو اپنی تو خبر لے لے حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر آج تک اس فحش صریح کا یہ اہتمام کسی مذہب اور کسی ملت اور کسی دین میں نہ ہوا ہوگا پھر اُس پر طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں سے تو اجازت عام معلوم ہوتی ہے کنواریاں اور بیوائیں ہی نہیں خاوند والیاں بھی اس عیش ونشاط سے اپنا جی ٹھنڈا کرلیں پھر وہ بھی ایک ہی سے نہیں دس پانچ مردوں سے اختیار ہے۔

چنانچہ علی بن احمد ہیتی جو شیعوں میں بڑے جلیل القدر عالم تھے اس پر فتوے دے مرے کہ متعہ دوروبہ یعنے یہ کہ ایک عورت کئی مردوں سے متعہ کرلے جائز ہے اور وہ کیا اور بھی عالم بڑے بڑے اُن کے ہم زبان ہیں علیٰ ہذا القیاس اصح علماء شیعہ کے نزدیک یہی ہے کہ خاوند والیوں کو متعہ بھی جائز ہے اور اگر یہ بات شیعان زمانہ بروے نقل بالفرض تسلیم نہ کریں تو بروے عقل قابل تسلیم بھی ہے اگر مجتہدین اوّلین کے خیال میں اس قسم کے متعہ کی اباحت نہیں آئی تو مجتہد العصر کو تجدید دین فرمانی چاہیے وجہ اباحت اگر ذہن میں نہ آئی ہو تو یہ ہیچمدان عرض پرداز ہے اور شکرانہ احسان ضرور ہے نکاح میں جو عورت کے لئے تعداد ازواج جائز نہیں تو یہ وجہ ہے کہ نکاح از قسم معاملات ہے بیع و شرا کی طرح جس سے معاملہ ہوگیا ہوگیا منجملہ عبادات نہیں جو ثواب کی اُمید ہو اور تائید ثواب کے لئے دس پانچ سے کیا جائے اور ترویج دین کے لئے خاوند والیوں کو اجازت دی جائے۔ ہاں بحمد اللہ نعوذ باللہ متعہ میں ماشاء اللہ نعوذ باللہ یہ فضائل ہیں کہ نہ پوچھیے ایک متعہ میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا مرتبہ دوسرے میں حضرت سبط اکبر علیہ السلام کا مرتبہ تیسرے میں حضرت امیر کا مرتبہ چوتھے میں خود مقام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتا ہے اور غور کیجئے تو بقیاس صائب پانچویں متعہ میں خدا کی اُمید گو وعدہ نہ سہی پھر قطرات غسل سے ملائک کا تولد ہونا کس قدر موجب برکات ہوگا وہ ملائک اس احسان کے بدلے کیا کیا کچھ عرق ریزیاں دُعا واستغفار میں کریں گے اور ان کی تسبیحات کا ثواب بے پایاں کیسا حلوائے بے دو کی طرح مفت

ہاتھ آئے سند مطلوب ہے تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی ملاحظہ فرمائیں۔

الغرض یہ فضائل متعہ اس بات کو مقتضی ہیں کہ جس قدر ہو سکے دریغ نہ کیجئے عورت کی طرف دیکھئے تو اس کے حق میں متعہ کرنا مردوں کے حق میں بڑی فیض رسانی ہے اگر وہ نہ کریں تو مردوں کو یہ فضائل کیونکر میسر آئیں۔علیٰ ہذا القیاس مرد و زن کی طرف دیکھئے تو اُن کا متعہ کرنا عورتوں کے لئے فیض کا کام ہے سو اس فیض کو طرفین میں عام رکھنا چاہئے اور نکاح پر قیاس نہ فرمائیں کیونکہ وہاں مقصود بالذات توالد و تناسل ہوتا ہے تحصیل فضائل نہیں ہوتا نکاح کی عورت بمنزلہ زمین زراعت ہوتی ہے چنانچہ خداوند بھی یہی ارشاد فرماتا ہے" نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ "(تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں ۔۱۲) سو اس زمین میں اگر دس پانچ کا اشتراک ہوگا تو اس کی پیداواری یعنی اولاد بھی مشترک ہوگی بایں نظر کہ مقصود بالذات اس زمین سے جسے بی بی کہئے یہ پیداوار ہے جسے اولاد کہتے جیسے زمین اصلی ہے اُس کی پیداوار مقصود ہوتی ہے یہاں بھی ہر کوئی اس پیداوار کا خواستگار ہوگا۔

اور نیز خواہش طبعی تولد اولاد بھی اسی کو مقتضی ہے پھر بوجہ محبت طبعی یہ نہیں ہوسکتا اسے لیجئے اُس کو نہ لیجئے جو سب میں یوں تقسیم ہو جائے درصورت تعدد اولاد ایک بچہ ایک لے لے اور دوسرا بچہ دوسرا لے اور نہ یہ ہو سکے کہ ہر ہر بچہ کا ٹکڑا گوشت تقسیم کرلیں جیسے درصورتیکہ ایک ہی بچہ ہو صورت تقسیم بھی نظر آتی ہے اس لئے چار نا چار نکاح میں مردوں کا تعدد تو ممکن نہ ہوا ہاں عورتوں کے تعدد میں کچھ خرابی نہ تھی پر متعہ میں مقصود بالذات اولاد ہوتی ہی نہیں بلکہ قضائے حاجت اور تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت کا رَوا کر دینا اور ثواب کا کام کرا دینا بلکہ بعضی صورتوں میں تحصیل اولاد ممکن نہیں جیسے ایک ایک دو دو شب کے لئے کوئی عورت روز متعہ کرتی رہے۔

ایسی صورت میں اوّل تو بوجہ کثرت مجامعت جیسے رَنڈیوں کے اولاد نہیں ہوتی اولاد کیوں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو سبھی کی ہوگی کسی ایک کی کیونکر کہہ دیجئے جو اُس کے

حوالہ کردیجئے پھر اُولاد مقصود نہ ہوئی تو وہی قضائے حاجت و تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت روائی اور تائید کا ثواب باقی رہا سو اُس کی ممانعت قرین عقل و نقل ہرگز نہیں فیض اور ثواب کا کام جس قدر ہو سکے غنیمت ہے ایک سے کرنے میں ایک فیض اور ایک ثواب ہوگا اور دو سے اور دس پانچ سے کرنے میں زیادہ فیض اور زیادہ ثواب ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس خاوند والیوں کو اور اُن کے خاوندوں کے حق میں متعہ میں مضرت مفقود اور منفعت موجود ہے عورت کے حق میں اپنی قضائے حاجت جدا دوسرے کی حاجت روائی جدا اپنا ثواب جدا دوسرے کے شریک ثواب ہونا جدا، پھر خاوند کے لئے بے محنت بچوں کی اُمید بے بوئے جوتے کھیتی پکی پکائی ہاتھ آئے اس سے زیادہ اور کیا نفع ہوگا غرض جو وجہ ممانعت تھی تعدد ازواج عورت کے حق میں نکاح میں یہاں اصلاً نہیں پھر تجدید دین کو کیوں ہاتھ سے دیجئے اور کاہے کو اس فتوائے فیض سے احتراز کیجئے بالجملہ اپنے گھر کا تو یہ حال پھر شیعہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ پر طعن کریں تو یہ کریں کہ ایک نے شراب کو حلال بنایا اور دوسرے نے اولاد زنا کو حلال کیا ہے صاحبو! امام ابوحنیفہ نے اگر شراب کو حلال کہا ہے تو مطلق شراب کو حلال نہیں کہا ہے حالت اضطرار میں حلال کہا ہے جس میں خود خداوند کریم نے مردار وغیرہ کو محرمات میں سے حلال کہا ہے۔ اعتبار نہ آئے تو سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کو آیت ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (حرام کیا گیا تم پر مردار۔) سے لے کر فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (پس بے شک اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔۱۲۔) تک تلاوت فرمائیں۔

آیت ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ'' سے اگر مردار وغیرہ محرمات کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے تو آیت ''فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (پس جو کوئی مارے بھوک کے مرنے لگے تو مرتا کیا نہ کرتا محرمات مذکورہ کا ارتکاب و استعمال اُس کو جائز ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ یہ ارتکاب و استعمال اپنی نفسانی خواہشوں کی وجہ سے نہ ہو اور ٹٹی کی آڑ میں شکار نہ کھیلتا ہو تو بے

شک اللہ پاک غفور و رحیم ہے۔۱۲۔محمد حسین مانک پوری) سے اُنہیں محرمات کا حالت اضطرار میں جواز معلوم ہو جائے گا سو حضرات شیعہ بھی انصاف فرمائیں کہ امام ابوحنیفہ نے ایسے وقت میں اگر شراب کو حلال فرمایا تو خدا ہی کے اشاروں پر چلے کچھ خدا کی مخالفت تو نہیں جو اس قدر رنج و ملال ہے مگر ہاں شاید حضرات روافض کو جناب احکم الحاکمین پر اگر اعتراض کرنا ہو تو اب کریں خیر اگر یہ ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں اور جواب کی کچھ حاجت نہیں اس وقت فقط یہ شعر کافی ہے:

شادم کہ از رقیبان دامن کشان گذشتی گومشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

بایں ہمہ امام ہمام نے اگر کہا ہے تو بوقت مذکور حلال کہا ہے فرض و واجب سنت مستحب تو نہیں کہا جائز ہی فرمایا ہے مستوجب حصول درجات ائمہ اطہار و سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین تو نہیں فرمایا متعہ کے برابر کر دیتے تو جائے اعتراض تھی کہ ایسی ناپاک چیز کو ایسے پاک کام کے برابر کر دیا فقط جواز پر تو اس قدر ترشرو ہونا مناسب نہ تھا امام شافعی انہوں نے اگر اولاد الزنا کا نکاح جائز فرمایا تو بدیں نظر فرمایا کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ میراث کا نہ ملنا خود اس کی دلیل ہے پھر جو حرمت نسب نہ ہوئی تو مصاہرت ثابت کیوں ہوگی اور میں جانتا ہوں کہ اُنہوں نے کچھ بے جا نہیں کہا قطع نظر اس کے کہ نسب جیسی نعمت جس کے نعمت ہونے پر اُدھر وجدان دوسری آیت قرآن واقعہ سورہ فرقان ”وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا“ (اور وہ ایسا حکیم دانا ہے جس نے ناپاک نطفہ سے انسان کو پیدا کیا پھر ان میں قرابت ونسب اور رشتہ سسرالی قائم کر دیا۔۱۲) دو شاہد عدل گواہ ہیں ایسے فعل قبیح سے جسے زنا کہتے ہیں کیونکر ثابت ہو ورنہ زنا بھی منجملہ انعامات ہو محرمات نہ ہو متعہ کو دیکھا کہ باوجود کثرت فضائل و وفور محامد وعظمت ثواب مثبت نسب نہیں چنانچہ اولاد متعہ کو میراث نہیں پہنچتی پھر جب شیعوں کے نزدیک متعہ مثبت نسبت نہ ہوا تو امام شافعی اُس پر قیاس کر کے زنا کو مثبت نسبت نہ سمجھے تو خفا ہونے کی بات نہیں

شیعوں کو آفرین و تحسین کرنی چاہئے ہاں یہ شکایت ہو تو بجا ہے کہ زنا متعہ کے ساتھ زنا مشہور کو اتنی برابری میں بھی بے ادبی ہے زنا متعہ کجا زنا مشہور کجا پھر زنا معلوم کو ایسی زنا کے ساتھ کہ جو عبادت ہو اتنا بھی مشابہ نہ کرنا چاہئے اگر یہ شکایت ہے اور یہ اعتراض تو اس کا جواب اہل سنت کے پاس نہیں اور ہے تو یہ ہے مصرعہ ؎

جوابِ جاہلان باشد خموشی

لیکن شیعہ انصاف کریں تو جائے شکایت نہیں ہاں زنا مشہور کو فضائل میں زنا متعہ کے برابر کر دیتے تو بے جا تھا اب کیا ہے ابھی زمین و آسمان کا فرق ہے اور ان سب باتوں کو جانے دیجئے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی سنیوں کے نزدیک شیعوں کے سے امام نہیں جو اُن کی غلطی سے سنیوں کا کوئی رُکن مذہب ڈھ جائے۔

علاوہ بریں مسائل مذکور کچھ اُصول احکام مذہب اہل سنت اور مسائل متفق علیہ میں نہیں پھر اُن کی حلت و حرمت ایسی زبان زد عام خاص نہیں ہاں متعہ ائمہ شیعہ کی روایت سے ثابت ہے جن کی طرف بطور شیعہ احتمال خطاء ممکن نہیں پھر مسائل متفق علیہا اور اُصول مذہب میں سے اگر کوئی اس مسئلہ کو نہ مانے تو وہ شیعہ نہیں تو اس پر اُس کی حلت ایسی واضح کہ کسی پر مخفی نہیں اب لازم یوں ہے کہ ہمارے اس اعتراض کا جواب دیجئے ورنہ شرط انصاف نہیں کہ دوسروں پر تقاضا اور اپنے آپ آئیں غائیں بتلائیں باقی فروع کو بھی اسی پر قیاس کیجئے ؎ قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

رہا اُصول کی کچھ نہ پوچھئے ائمہ کو اُن کے اعتقاد کے موافق علم ازل و ابد اور اپنی موت و حیات کا اختیار (میں حضرات سے پوچھتا ہوں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو زہر نوش فرما کر ہم آغوش شہادت ہوئے تو اُس کی کیفیت سمیہ سے واقف تھے یا نہیں اگر واقف نہ تھے تو اُن کو علم ازل و ابد اور علم ما کان اور ما یکون نہیں اور آپ کا یہ عقیدہ غلط اور واقف تھے تو دیدہ و دانستہ ہلاک ہوئے اور خودکشی کی جس کی قباحت سے سارا زمانہ واقف ہے۔۱۲) جس کے بطلان پر بیسیوں آیتیں کلام اللہ کی گواہ زیادہ فرصت نہیں ایک ایک آیت دونوں کے

بطلات کے لئے پیشکش ہے۔اوّل کے لئے" قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ" (اللہ پاک اپنے حبیب لبیب سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد تم کہہ دو لوگوں سے کہ تمام مخلوقات ذوالعقول اور غیر ذوی العقول کوئی بھی ہوں غیب دان کوئی بھی نہیں اور نہ کوئی جان سکتا ہے کہ ہم پھر کب مر کر جئیں گے۔۱۲) جو سورہ نحل میں واقع ہے اور دوسرے مسئلہ کے ابطال کے لئے۔"اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ"

(جب اُن کی مدت حیات پوری ہوگی تو نہ ایک دم کی فرصت دیر کرنے کی ہے اور نہ اُن کو اختیار قبل از اجل مرنے کا ہے۔۱۲۔محمد حسین مانک پوری)

جو کئی جا لفظ فا کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ واقع ہے سو اس کے اور کچھ حاجت نہیں مشتے نمونہ از خروارے ہاں اگر اس بات کا اعتبار نہ ہو کہ شیعہ کا یہ اعتقاد اور یہ مذہب ہے یا نہیں تو کلینی کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر یہ فرمائیں کہ سنیوں پر تو ذرا سے کلام اللہ کی مخالفت پر ان کے طعن پھر وہ مخالفت بھی موافق مصرعہ۔

(مؤمن) میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔اپنے ہی قصور فہم سے مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ اُصول سے فروع تک جتنے مسائل ہیں سب کے سب کلام اللہ کے مخالف اور پھر مخالف بھی کیسے کچھ کہ الٰہی پناہ موافقت کے لئے دوسرا کلام اللہ چاہئے اس کلام اللہ کی موافقت تو معلوم واللہ اعلم۔

السوال الخامس

معلوم نہیں کہ سیہ پوشی خانہ کعبہ اور سیہ پوشی خلفاء عباسیہ کہ جنہیں جلال الدین سیوطی کہ وہ امام اہل سنت ہے کہ مصداق آیہ"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ"(فرماں برداری کرو خدائے عظیم کی اور فرماں برداری کرو اُس کے رسول کریم کی اور وہ لوگ کہ جو خلیفہ یا امام حاکم وقت ہوں۔۱۲)

﴿اس آیت شریفہ سے اطاعت اُولوالامر کی وہیں تک ہے جہاں تک موافق

خدا ورسول کے ہو اس لئے کہ ما بعد اس کے فرماتا ہے "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" یعنے اگر کسی اَمر میں تم باہم اختلاف وتنازع کرو تو اسے رُجوع کرو طرف خدا ورسول کے اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اختلاف کی صورت میں کتاب اللہ اور کتاب الرسول ہی حجت قرار دی جائے گی کسی امام مجتہد کا قول وفعل حجت نہیں۔ امام اور مجتہد پر بھی اتباع کتاب اللہ اور کتاب الرسول لازم وواجب ہے تو اَب عصمت ائمہ کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ اصل حجت شرع قرآن وحدیث ہے باقی اور اُمور سب اس کے توابع ہیں۔ ۱۲ھ قرار دیا گیا کہتا ہے اعتراض کرنا اَز راہِ جہالت کے پس وپیش کا خیال نہیں اور دَسواں بیسواں چہلم وغیرہ ہوتا ہے بجز مصائب امام حسین علیہ السلام کے اور کچھ نہیں ہوتا بخلاف اس کے اہل سنت موافق خدا ورسول کے جانتے ہیں کہ خرقہ کو اعضاء تناسل پر لپیٹ کر فرج زَن میں داخل کرے اور حرارت فرج اُس سے معلوم نہ ہو اور انزال بھی نہ ہو تو صحبت اور داخل کرنا باعث حرمت کا نہیں اس میں مادر اور خواہر اور اجنبی سب برابر ہیں یہ بات لذت کی شرع میں موافق خدا ورسول کے ہے اس صورت میں نہ غسل واجب ہوگا نہ حج میں فساد ہوگا نہ حرمت کسی کی ثابت ہوگی۔ ھکذا عبارتہ

لَوْلَفَّ ذَکَرَہٗ بِخِرْقَۃٍ ثُمَّ اَدْخَلَہٗ اِنْ وَجَدَ حَرَارَۃَ الْفُرُوْجِ وَاللَّذَّۃِ تُفْسِدُوْ اِلَّا فَلَا فَلَا تُشْمِتْنَا اِذَا کَانَ عَامِدًا اَوْ نَاسِیًا عَالِمًا اَوْ جَاھِلًا مُخْتَارًا اَوْ مُکْرَھًا رَجُلًا اَوِامْرَأَۃً وَلَا رُجُوْعَ عَلَی الْمُکْرِہِ الخ کَمَا ھُوَ فِیْ بحر الرَّائِقْ شَرح کَنْزُ الدَّقَایِقِ. ۱۲

(اگر اپنے ذکر میں کپڑا لپیٹا اور دخول کیا اگر پایا اُس نے گرمی فرج کو اور لذت تو البتہ حج کو فاسد کریں گے ورنہ نہیں پس نہ بُرا کہو تم ہم کو اس صورت میں جب قصداً ہو یا بھول کر دانستہ ہو یا نادانستہ اختیاری حالت میں ہو یا مجبوری میں اور نہیں رجوع ہے مجبور پر جیسا کہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ ۱۲۔ محمد حسین مالکپوری عفی عنہ)

الجواب الخامس

اس سوال کا جواب کیا لکھئے جیسے اپنے مذہب کی اور اہل مذہب کی دردمندی باعث تحریر جواب ہے ایسے ہی حضرات شیعہ کی خوش فہمی پر افسوس موجب پیچ وتاب ہے علماء شیعہ کو اعتراض کرنا نہیں آتا تو اہل سنت سے سیکھ لیتے جہاں کلام اللہ کا اُستاد بنایا تھا تو اس کا بھی بناتے کیونکہ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر کلام اللہ ہی جہان میں نہ ہوتا فہم مطلب میں بھی انہیں کی جوتیاں سیدھی کرنی تھیں دلیل کیا ہے مدلول کیا ہے کجا خانہ کعبہ اور کُجا خلفاء عباسیہ کی سیہ پوشی کجا حضرت سید الشہداء کے ماتم کی سیہ پوشی غم اور فرحت میں زمین وآسمان کا فرق آنکھ کھول کر تو دیکھو وہ کہاں اور یہ کہاں ایجی حضرت کچھ انصاف فرمایئے خانہ کعبہ پر نوحہ کرنے والے کو کیونکر قیاس کریں وہ خدا کا گھر یہ خدا سے بے خبر اگر خدا یاد ہوتا تو یہ گریہ وزاری اور نوحہ و بے قراری نہ ہوتی خدا تو فرمائے: "وَاصْبِرُوْآ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" (بے شک اللہ پاک صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔۱۲) یہاں رونے دھونے سے کار۔ خدا تو فرمائے "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ" (صبر کرو تم بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔۱۲) یہاں برعکس ایجی صاحب حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے صدمات سے صدمہ ہے تو صبر کیجئے خدا کی اطاعت ہاتھ سے نہ دیجئے اگر رنج وصدمہ نہیں اور یہی سچ ہے تو کالے کپڑے اور جھوٹے آنسوؤں سے محبت نہ کیجئے اگر یہی دین وآئین ہے تو منافقین زمانہ نبوی بدرجہ اولیٰ دیندار و مستحق کرامت پروردگار ہوں گے آپ اگر اظہار محبت سید الشہداء علیہ السلام کرتے ہیں تو وہ اظہار محبت سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے اُن کے اگر جی میں محبت نہ تھی تو محبت آپ کے بھی جی میں نہیں باقی رہی سوز خوانی تصویر واقعہ کربلا سے اگر رونا آتا ہے تو اُس میں آپ کا کیا کمال ہے مجوس یہود و نصاریٰ بھی اگر اس کیفیت کو سُنیں تو رو اُٹھیں کیفیات اگر محض کیفیت واقعی پر رونا آتا تو پوربی بھیروین میں مرثیہ گانے کی حاجت ہی کیا تھی ہاتھ پھیلا پھیلا کر بھاؤ بتلانے کی ضرورت ہی

کیا پھر اس پر بھی کہیں رقت ہوئی کہیں نہ ہوئی اللہ رے سنگدلی ایک رونے میں اتنا طوفان بے تمیزی اُٹھا کہ آج حضرات کی اس حالت پر اسلام زار زار رو رہا ہے۔۱۲۔محمد حسین مانکپوری عفی عنہ﴾ مصائب کو سُن کر اجنبی کو بھی رونا آجاتا ہے اسے محبت نہیں کہتے۔

چنانچہ ظاہر ہے اور اسے بھی جانے دیجئے اگر یہی قیاس ہے تو کل کو بوجہ مقبولیت غم امام علیہ السلام سیہ پوشان محرم الحرام دعویٰ مسجودیت کریں گے وہی خانہ کعبہ جس کی سیہ پوشی دستاویز سیہ پوشی محرم ہے قبلہ نماز اور مطاف عشاق جانگداز ہے جب سیہ پوشی وہاں سے اُڑائی تو قبلہ وکعبہ بننے کے لئے کون مانع ہے حضرت قبلہ وکعبہ مجتہد العصر تو برائے نام قبلہ وکعبہ ہیں پر نوحہ کنان وسیہ پوشان محرم واقعی قبلہ وکعبہ بنیں گے اور حضرت مجتہد العصر ناچاران کی جانب جھکیں گے آخر ہم سنتے ہیں کہ حضرت مجتہد العصر درباره سیہ پوشی وسینہ زنی وتعزیہ داری ومرثیہ اتنا اہتمام اور ان اُمور خیر میں جو مشعر محبت ہیں مثل عوام اجتہاد نہیں فرماتے علیٰ ہذا القیاس مجتہدان سابق کا بھی حال ایسے ہی سنتے چلے آتے ہیں بالجملہ قیاس کرنے کو کوئی ساتھ ہی چاہئے لباس خانہ کعبہ پر لباس نوحہ گراں بے صبر کو قیاس نہ کرنا چاہئے وہ اور قسم کی چیز مظہران غم اور قسم بایں ہمہ ایک قسم کی چیز میں بھی ایک کے حال کا لحاظ ضرور ہے بیمار کو صحیح تندرستوں پر قیاس کر کے بد پرہیزی کی چیز نہ کھلانی چاہئے اگر چہ دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں سو جیسے صحیح تندرستوں کو پلاؤ زردہ کھانے میں کچھ حرج نہیں اور بیمار کھائے تو خیر نہیں ایسے ہی خانہ کعبہ کی سیاہ پوشی جائز ہو اور نوحہ گروں کے لئے ناجائز ہو تو کیا مضائقہ ہے۔

ہاں اگر سیہ پوشی دین کے مقدمہ میں ایسی ہوتی جیسے زہر قاتل بنی آدم کے لئے کہ نہ تندرست کو کھانا چاہئے نہ بیمار کو تو اُس وقت اس اعتراض کا موقع تھا ہم کہتے ہیں کہ جو چیز اصل سے بُری ہے وہ سب جگہ بُری ہے مگر لباس کسی کے نزدیک کسی مذہب میں اصل سے بُرا نہیں جو یوں کہئے کہ خانہ کعبہ کے لئے بھی بُرا ہے اور خلفاء عباسیہ کے لئے بھی بُرا ہے اس میں اگر بُرائی ہے تو اسی وجہ سے جو درباب مرثیہ خوانی جواب سوال اوّل

میں مرقوم ہو چکی یعنی بدیں وجہ کہ یہ کام شیعوں کے نزدیک اُن کاموں سے ہے جن کاموں پر ثواب کی اُمید ہے پھر بایں ہمہ نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ حدیث شریف میں اس کا نشان کلام اللہ کا حال تو ظاہر ہے بلکہ کلام اللہ میں اگر ہے تو صبر کی تاکید ہے نہ یہ کہ جزع فزع کیا کرو نفاق کی ممانعت ہے نہ یہ کہ غم کی صورت بنا کر سب کو جتلایا کرو چنانچہ اُوپر مذکور ہو چکا ہے رہی احادیث نبوی وہ کلام اللہ کے موافق ہے اور کیوں نہ ہو آیت شریف ''وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' جس کے یہ معنی ہیں کہ اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب جس میں سب چیز کا بیان ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ احادیث بجز تفصیل اجمال اللہ اور شرح مشکلات قرآن اور کچھ نہ ہوگا اور نہ احادیث میں سوائے کلام اللہ کے اگر اور بھی ایسے احکام ہوں جن کا کلام اللہ میں صراحۃً واشارۃً ذکر نہ ہو تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی کہ کلام اللہ میں سب چیز کا بیان ہے سو بایں نظر کہ کلام اللہ میں صبر کی تاکید ہے اور نفاق کی ممانعتیں صاف صاف ہیں اور اس قسم کی خرافات کا اصلاً ذکر نہیں جو حضرات شیعہ محرم اور غیر محرم میں کرتے ہیں اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ احادیث میں جو ہوگا اسی کے موافق ہوگا اس صورت میں اس قسم کے واہیات موافق آیۃ ''اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ'' (دیکھو پہلے سوال کے جواب کو۔۱۲) سب ممنوع ہوں گے اور پھر موافق آیت ''وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ'' (اس کا ترجمہ بھی وہیں ہے۔۱۲)

ان کاموں کے کرنے والے داخل زمرہ ظالمان ہوں گے ہاں اگر مثل خلفاء عباسیہ اور لباس خانہ کعبہ سیہ پوشی موجب ثواب نہ سمجھے جیسے بہت سے اہلِ شوق سیاہ سبز زرد وغیرہ الوان کے کپڑے پہنتے ہیں اور کچھ موجب ثواب نہیں سمجھتے تو یہ کام ممنوع نہ ہوتا بالجملہ موافق آیۃ مذکورہ اور نیز موافق حدیث مشہورہ مذکورہ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی جو کہ ہمارے اس دین میں سے نہیں ہے تو وہ بات مردود ہے۔۱۲)

اور نیز موافق حدیث: کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔

(جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے وہ دوزخ میں لے جانے والی ہے۔۱۲)

جو باتیں کلام اللہ اور حدیث میں ثابت نہ ہوں پھر اُن کو بے ضرورت شرعیہ ثواب سمجھ کر کرے تو وہ باتیں سب منجملہ بدعات ہوں گی باقی وہ چیزیں جو بوجہ ضرورت شرعیہ باوجودیکہ کلام اللہ اور حدیث میں نہیں ہوتیں موجب ثواب ہوتی ہیں تفصیل اُن کی ممکن نہیں۔ ہاں ایک نظیر مدنظر ہو تو بغور سُنیے کہ منجملہ اُن کے توپ و بندوق سے جہاد کرنا دین کی کتابوں میں نہیں ہے یہ جملہ اشیاء فراہم کرنا عین دین کا کام کرنا ہے یعنی یہ چیزیں ہر چند کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر ان کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب نسخے میں دو تولہ شربت بنفشہ مثلاً لکھے اور بیمار کسی سے شربت بنفشہ کی ترکیب دریافت کر کے دوائیں جمع کر کے مٹھائی لائے چولہا بنائے آگ جلائے قوام پکائے شربت بنفشہ بنائے ہر چند اِتنے بکھیڑے کی نسخہ میں تصریح نہ تھی مگر بایں نظر کہ شربت بنفشہ بے اس بکھیڑوں کے حاصل ہو نہیں سکتا لاچار کرنا پڑے گا اور اس بکھیڑے کا کرنا امتثال اَمر طبیب سمجھا جائے گا موجب خوشنودی طبیب ہوگا سو جیسے طبیب نے نسخہ میں دو تولہ شربت بنفشہ ہی لکھا تھا اور اس جھگڑے کا اَصلاً ذکر نہ تھا اور بایں ہمہ اس کا کرنا باعث ناخوشی نہیں بلکہ اگر شربت بنفشہ تیار نہ ملے تو اس جھگڑے کا نہ کرنا البتہ موجب ناخوشی ہوگا ایسا ہی تصنیف کتب اور آلات مذکور کا ہر چند کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں کہیں ذکر نہیں صراحۃً پر بایں نظر کہ جہاد اور علم اس زمانہ میں ان دونوں پر موقوف ہیں تو اس کا کرنا موجب ناخوشی نہ ہوگا بلکہ نہ کرنا موجب نارضامندی خداوند ذوالجلال و رسول باکمال صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا ہاں اگر ایسی کمی بیشی نہ ہو جیسی طبیب نے دو دوائیں لکھی تھیں یہ اُس میں اپنی رائے سے ایک دوا اور بڑھا دے یا گھٹا دے یا اوزان ادویہ میں اپنی رائے سے کمی بیشی کر دے جیسے تصرفات سے طبیب ناخوش ہو جائے اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم بھی ایسے تصرفات سے ناخوش ہوں گے ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرائض خمسہ چار کر دیجئے یا چھ کر دیجئے یا اعداد رکعات میں تصرفات کر کے دخل دیجئے مگر چونکہ معمولات شیعہ کا نہ کلام اللہ نہ حدیث میں پتا ہے نہ کوئی حکم احکام ضروریہ شرعیہ میں سے اس پر موقوف ہے بلکہ معمولات مذکورہ کے باعث صبر جو احکام ضروریہ شرعیہ میں سے ہے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے تو لاریب حسب ہدایت مثال مذکور سب موجب ناخوشی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اب سنئے کہ جیسے کلام اللہ اور احادیث اہل سنت میں ان معمولات کا کہیں پتا نہیں احادیث تشیع بھی ان کے بیان سے خالی ہیں اسی سبب سے جو علماء شیعہ کو متقی ہوتے ہیں ایسی باتوں سے احتراز کرتے ہیں اور اگر فرض کیجئے احادیث شیعہ میں کہیں اس قسم کا مذکور بھی ہو قطع نظر اس سے کہ شیعوں کے نزدیک وہ حدیثیں معتبر بھی ہوں یا نہ ہوں اُن حدیثوں میں ہونا اہل سنت کے اعتراض کا دافع نہیں ہو سکتا شیعوں کی معتبر حدیثوں کو بھی اہل سنت معتبر نہیں سمجھتے جو اُن میں ہونا اُن کے لئے حجت ہو ہاں اگر حضرت سائل سیہ پوشی خانہ کعبہ اور سیہ پوشی خلفاء عباسیہ پر قیاس فرما کر اہل سنت پر الزام نہ رکھتے اور قصد اثبات سیہ پوشی قواعد اہل سنت سے نہ کرتے تو خیر یہی کہتے کہ وہ جانیں ان کا کام مگر ستم تو یہ ہے کہ بے وجہ اہل سنت سے حجتیں کرتے ہیں مصرعہ مشہور ہے۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

اب گزارش دیگر یہ ہے کہ لباس خلفاء عباسیہ اگر بوجہ ماتم داری سید الشہداء تعاعلی ھذا القیاس استار خانہ کعبہ بغرض مذکور سیاہ مقرر ہوا ہے تب تو خلفاء عباسیہ کی داد دیجئے اور اہل سنت کی فریاد نہ کیجئے اور اگر بوجہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام نہ تھی بلکہ زیب و زینت و آرائش ہے تو آپ کو کیا زیبا ہے کہ ایسے غم میں یہ خوشی پھر وہ بھی باقتداء خلفاء عباسیہ جن سے ائمہ اہل بیت نے کیا کیا رنج اُٹھائے اور کیسے کیسے داغ کھائے اور اگر کوئی وجہ دوسری ہو تو پہلے تعیین فرمایئے پھر قیاس دوڑایئے مگر دل میں تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ لباس خلفاء عباسیہ نے بوجہ آرائش اختیار کیا تھا کوئی صدمہ

باعث سیہ پوشی نہیں علیٰ ہذا القیاس خانہ کعبہ کا غلاف کسی تعزیہ میں سیاہ نہیں ہو گیا آرائش خانہ کعبہ مقصود ہے کوئی تعزیت مقصود نہیں سو حضرات شیعہ کو بھی اس واقعہ پر اظہار سرور مدنظر ہو گا جو لباس زینت اختیار کیا اور شاید کیوں کہیے یقینی کہیے تاشہ مرفہ ڈھول نفیری روشنی گانا بجانا کون سی بات شادی کی چھوڑ دی فقط ایک آنکھوں کو تھوک لگا کر زور سے چلانا اور سینہ پر ہاتھ مار کر محفل کو سر پر اُٹھانا غم میں شمار کر لیجیے یا بھانڈوں کا تماشہ قرار دیجیے مگر غم کا کوئی سامان بھی نہیں شادی کا سامان ہے جیسے بوجہ شہادت عیش ونشاط وقت شادی بھانڈوں کے کسی مصیبت کی نقل میں چیخنے کو غم پر کوئی محمول نہیں کرتا یہاں بھی وہی سارا سامان موجود ہے غم نہ سمجھیے شادی سمجھیے اور کیونکر نہ سمجھیے شیعوں کی اصل کو ٹٹولیے تو اُن کے پیشوا وہی ہیں جنہوں نے اوّل حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو بلوایا پھر دغا کی عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ ہو کر حضرت کو قتل کرا دیا سو ان کو اور اُن کی اُمت کو خوشی نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا اور اسے بھی ایک طرف رکھیے ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا اظہار غم ہی چاہیے مثل اہل سنت صبر کر کے اس غم میں دل کو نہ جلایے پر یہ تو بتایئے کہ یہ قاعدہ اظہار غم کا کہاں سے اُڑایا اللہ تعالیٰ نے مثل قواعد دین اس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہ فرمایا بجز اس کے کہ نصاریٰ سے یہ بات اُڑائی ہو اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا نصرانیوں میں اظہار غم کے لئے اس قسم کے اَحکام صادر ہوتے ہیں۔

مگر اہل دانش جانتے ہوں گے کہ میو صاحب کے مارے جانے میں جو حکم سیہ پوشی ہر خاص و عام کو ہوا تھا تو اُن کے دل میں اس بات سے غم نہیں گھس گیا بلکہ فقط ایک نفاق ہی تھا خیر یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ان باتوں سے غم دل میں نہیں آتا پر اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا تھا کہ مثل عیسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام ایک قوم تمہاری محبت میں ہلاک ہوگی اور ایک قوم عداوت میں روافض خوارج نے سچ کر دکھایا یعنی اگر خوارج نے دربارہ عداوت

حضرت امیر علیہ السلام یہود کی پیروی کی تھی تو حضرات شیعہ در بارہ افراط محبت نصاریٰ کے قدم بقدم چلے نصیریہ نے تو صاف صاف حضرت امیر کی خدائی کا اقرار کیا اور اثناء عشریہ نے گو اس طرح بے پردہ اقرار نہ کیا پر بوجہ اثبات علم غیب وغیرہ پردہ میں اقرار خدائی کیا کیونکہ بشہادت کلام اللہ جیسا کہ مذکور ہو چکا علم غیب خدا کو ایسا لازم ہے کہ جیسے آفتاب کو دھوپ کہ سوائے آفتاب کے اور کسی میں نہیں۔

اسی طرح علم غیب سوائے خداوند علیم کسی اور میں نہ سمجھنا چاہئے اور کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کہ یہ اُس کو خدا سمجھتا ہے نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھنے کو اپنے گناہوں کے لئے کفارہ سمجھتے ہیں حضرات شیعہ حضرت سید الشہداء کے خون کا خون بہا شیعوں کی مغفرت خیال کرتے ہیں اُن کے یہاں حضرت مسیح کی حاضری ہوتی ہے جس میں نان وشراب کو بہ لفظ گوشت وخون مسیح علیہ السلام تعبیر کر کے نوش کرتے ہیں یہاں باختلاط خون سید الشہداء خاک کربلا کو پانی شربت میں گھول کر حضرت کا خون پیتے ہیں کیوں نہ پئیں حضرت کے خون کے پیاسے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس

اور چال ڈھال کو غور کیجئے تو وہی نسبت ہے جو کہا کرتے ہیں سگ زرد برادر شغال فرصت نہیں ورنہ میں تفصیل کر دیتا ایک اظہار غم کے لئے سیہ پوشی رہ گئی تھی سووہ بھی امام ہمام کے غم کے بہانہ میں کر دکھلائی بایں ہمہ یہ تو فرمائیے امام جلال الدین پر اعتراض تو کیا پر نشان کتاب کیوں نہ بتایا ہم کہتے ہیں کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کے لئے فتویٰ دیا لیکن یہ تو فرمائیے مثل سیہ پوشی محرم ثواب تو نہیں فرمایا جو آپ کو گنجائش قیاس ہو اس کے بعد آپ نے جو بھاگتے ہوئے ایک پشک ماری اور یہ فرمایا کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کو اُولوالامر قرار دیا اس کی کیا حاجت تھی اگر باعتبار اختیار ظاہر لیتے ہو تو اُس میں کچھ کلام نہیں، آپ بھی جانتے ہیں کہ خلفاء تھے آپ نے اُن کو اپنے سوال میں بہ لقب خلفاء عباسیہ یاد کیا ہے پھر امام جلال الدین نے اُن کو اُولوالامر کہہ دیا تو کیا گناہ کیا اور اگر بوجوہ استحقاق لیجئے یعنی قرشیت صلاحیت

تقویٰ وغیرہ جن کی فراہمی سے خلیفہ وقت خلیفہ راشد کہلاتا ہے تو اُس کو آپ بھی جانتے ہیں کہ کوئی اہل سنت خلیفہ راشد نہیں کہتا بلکہ اکثروں کو ملوک جبارین میں سے سمجھتے ہیں خلفاء راشدین تو اُن کے نزدیک پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسن علیہم رضوان اللہ تعالیٰ مگر اُن کے خلیفہ راشد ہونے اور اُن کے نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اور سب ظالم ہی تھے اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ ولی حضرت امیر ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اور گیارہ امام باقی نعوذ باللہ منہا گناہ گار ہیں خلفاء عباسیہ کا۔ ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ'' (دیکھو سوال خامس۔۱۲) کا مصداق ہو کر واجب الاطاعت ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا مقرر کرنا اس غرض سے ہے کہ وہ اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرے یعنی ضروریات دین کو جاری اور بدعات اور سیئات اور کفریات کو مٹا دے لفظ اُولوالامر ہی اس پر دلالت کرتا ہے سو اگر وہ اقامت دین کرے تب اُس کی اطاعت کرے ورنہ نہ کرے کیونکہ گناہ کے مقدمے میں کسی کی اطاعت نہیں بالجملہ جب وہ کار مذکور نہ کرے تب وہ اُولوالامر بھی نہیں اگر بالکل برعکس کرتا ہے تو بالکل نہیں اور اگر کسی قدر اقامت دین بھی کرتا ہے تو اُسی قدر وہ اُولوالامر ہے اتنی ہی باتوں میں اُس کی اطاعت واجب ہے باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ اقامت دین نہ کرے تو کیا کرے اگر صبر و تحمل نظر نہ آئے تو مثل سید الشہداء علیہ السلام جان پر کھیل جائے ورنہ مثل دیگر ائمہ صبر کرے اور چوں و چرا نہ کرے اس کے بعد جو کچھ ارشاد ہے اس کی تشبیہ میں حیران ہوں بواسیر خر کہیے یا گوز شتر کہیے بہرحال اس میں تو آپ نے ایسی عورت کا کام کیا ہے جو آپ گوز مار کر اوروں کے ذمہ لگایا کرتی تھی خیر اس سے تو شاید برا نہیں گو بُرا ماننے کا تو موقع نہیں ہدایت آپ کی طرف سے ہے اور یہ سنا ہوگا۔ مصرعہ

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

مگر ہم درگذر کرتے ہیں اور دوسرا شعر آپ کے مجرا میں عرض کرتے ہیں۔

کارزلف تست مشک افشانی اما عاشقان مصلحت راتہمتے برآہوئے چین بستہ اند

ملازمان والا کیوں ایسے بھولے بھٹکے لف حریر کے مسئلہ کا شہرہ تو شرق سے غرب تک پہنچ گیا سینوں کو جب چھیڑنا تھا کہ جب مذہب شیعہ پر تبرا کر لیتے ہماری طرف سے اسے بیش باد سُن لیتے مگر آپ نے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا ابی حضرت مرنا بھی ہے اس طوفان بے تمیزی کے کچھن بھی دیکھنے ہیں ہمیں پر تہمت لگائیں پھر ہم ہی سے آنکھ ملائیں۔

چہ دلاورست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

بحر الرائق مثل کتب شیعہ نادر الوجود نہیں کہیں اوّل سے آخر تک اگر یہ بات نکل آئے کہ اس قسم کے افعال جائز ہیں تو ہم آپ کو سلام کریں ہاں اہل فقہ ہر قسم کے مسئلہ کے احتمالات لکھ کر ان کے احکام لکھ دیا کرتے ہیں مثلاً شیعوں کے یہاں روزہ میں اگر کوئی اپنی ماں کا بوسہ لے تو اُس کے ذمہ کفارہ ﴿یوں ہی حضرات کے نزدیک اغلام مردوں کے ساتھ اگرچہ حرام ہے مگر روزہ میں کوئی خلل نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ خلاصۃ المذہب کتاب الصوم میں لکھا ہے کہ فِیْ فَسَادَ الصَّوْمِ بِوَطیِ الْغَلَامِ تَرَدُّد وَ اِنْ حَرُمَ۔ یعنی مرد کے ساتھ اغلام کرنے سے روزہ نہیں فاسد ہوتا گو یہ فعل حرام ہو ہوا کرے اور اسی کتاب کی کتاب الطہارۃ فی موجبات الغسل میں لکھا ہے فِیْ وُجُوْبِ الْغُسْلِ بِوَطْیِ الْغَلَامِ تَرَدُّدٌ۔ یعنی لونڈے کے ساتھ اغلام کرنے سے غسل کے واجب ہونے میں تردّد ہے یعنی کسی کے نزدیک واجب ہے اور کسی کے نزدیک نہیں یوں ہی اپنی منکوحہ یا متعہ والی عورت سے اغلام کرنا جائز وحلال ہے اور جامع عباسی میں لکھا ہے کہ اَلْعَوْرَۃُ فِی الرَّجُلِ الْقُبُلِ والدبر نماز میں صرف سوراخ مقعد اور دونوں خصیے اور تا ئزہ چھپانا کافی ہے باقی کھلا رہے تو رہے کوئی حرج نہیں۔۱۲﴾ لازم نہیں آتا اسی طرح اگر بیٹی سے زنا کرے اور حضرات ائمہ سے اعتقاد رکھے تو کافر نہیں ہو جاتا سو جیسے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹی سے زنا اور ماں ﴿استبصار کی کتاب الطہارۃ فی باب القبلۃ و مس الفرج یعنی اس باب میں کہ بوسہ لینا اور فرج کو چھونا نماز میں جائز ہے لکھا ہے کہ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الرَّجُلِ یَلْعَبُ بِذَکَرِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ فَقَالَ لَا بَاسَ۔ یعنی میں نے

ابوعبداللہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی نماز فرض میں اپنے تائزہ اور خصیہ وغیرہ فرج کے ساتھ کھیلے اُچھالے تو کیا حکم ہے امام نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔۱۲﴾ سے بوسہ لینا جائز ہے ایسے ہی اگر کسی نے ایسی ہی کوئی بات لکھ دی تو اس سے اُس کا جواز ثابت نہیں ہوتا اہل سنت و جماعت اور اہل شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ نماز میں روزہ نہ رکھنا کچھ نقصان نہیں کرتا اور نماز کا نہ پڑھنا روزہ کا ناقص نہیں مگر اہل فہم کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ روزہ کا نہ رکھنا اور نماز کا نہ پڑھنا جائز ہے ہاں شیعوں کے فہم میں اگر ایسی عبارت سے ایسے معنی سمجھ میں آجائیں تو کیا بعید ہے اُنہیں اللہ نے فہم کچھ نہیں دیا مگر اُنہیں فہم نہیں تو ہم کو بھی ان سے کلام نہیں کلام اہل فہم سے ہے نافہم سے نہیں حضرات شیعہ کی قدیمی عادت ہے کہ اپنا عیب دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔مصرعہ ؎

خطا کہ کرد سزا میدہی کرا جاناں

یہ مزید فہم و فراست شاید اغلام وزنا سے میسر آتا ہے جب ہی اس فہم میں سارے جہان سے ممتاز ہیں یہ چیز تو سب کے یہاں حرام ہے ہاں حضرات شیعہ البتہ اس دولت بے زوال سے کامیاب ہیں یہ عقل اور یہ مضامین وہیں سے نکالے ہوں گے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اس زمانہ تک جتنے انبیاء گذرے ہیں اُن کے دین میں یہ بات کبھی جائز نہیں ہوئی جو لوگ پابند دین نہیں اپنے کسی آئین کے پابند ہیں اُن میں سے بھی کسی نے یہ بات آج تک تجویز نہیں فرمائی۔ہاں علماء شیعہ نے البتہ زن منکوحہ اور باندی سے اغلام کرنا حلال طیب رکھا ہے چنانچہ ارشاد میں حلی نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اَلْوَطْیُ فِی الدُّبُرِ كَالْوَطْیِ فِی الْقُبُلِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْكَامِ حَتّٰی يَتَعَلَّقَ بِهِ النَّسَبَ۔﴿دخول کرنا پاخانہ کے مقام میں ویسا ہے جیسا دخول کرنا عورت کے پیشاب کے مقام میں کل احکام میں یہاں تک کہ نسب کا تعلق بھی ہو جاتا ہے۔یعنی بی بی کے ساتھ اغلام اور جماع کرنا بالکل پہلو بہ پہلو قدم بقدم ہے سر مو فرق کسی بات

میں نہیں۔ جیسے مقاربت حلال ویسا ہی اغلام بھی حلال اگر بعد دخول فرج پورا مہر دینا آتا ہے تو اغلام سے بھی پورا مہر دینا ہوگا۔۱۲﴾ جس کے یہ معنی ہیں کہ اغلام اور صحبت معہودہ کے احکام سارے ایک ہیں یہاں تک کہ مثبت نسبت بھی ہے۔

کیا مزے کی بات ہے کہ اغلام کرنا تو جائز ہے پھر وہ کیا افسوں ہوگا جس کے سبب سے بچہ بھی دُبر کی راہ سے آجاوے بہر حال حضرات شیعہ کے مذہب میں یہ بڑا لُطف ہے کہ متعہ تو تھا اغلام بھی ہے حالانکہ کلام اللہ میں بتصریح مذکور ہے نِسَآءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ جس کے کھلے ہوئے یہ معنی ہیں کہ تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت ہیں اور سب جانتے ہیں کہ کھیت بغرض زراعت ہے سو وہ زراعت جو اس کھیت سے مقصود ہے اور وہ پیداوار جو اس زمین میں ہوتی ہے یہی اولاد ہے جو بطریق معہود عورت کی مباشرت سے متصور ہے نہ اغلام سے ہاں کوئی افسوں یا طلسم حضرات شیعہ کے پاس شاید ایسا ہو کہ مثل بازی گروں کے کہیں سے ڈالی اور کہیں سے نکالی ؎

نہیں ہیں خونی مژگاں تر یہ خار دلنشین نکلے
جنون یہ نیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے

قربان جایئے اس مذہب کے جس میں دنیا میں یہ عیش ونشاط اور آخرت میں وہ درجات اور بھی کچھ نہ ہو تو اس مذہب کی افضلیت کے لئے متعہ کے فضائل اور حرموں اور اُمہات الاولاد کے بغرض صحبت واغلام عاریت دینے کے ثواب اور درجات اور اغلام کا جواز ہی کافی ہے سبحان اللہ اہل سنت پر آوازہ پھینکتے ہیں اور اپنے آپ کو نہیں دیکھتے مگر ہاں یوں کہئے کہ ان اسرار کی برکات کی اہل سنت کو خبر نہیں ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

اب فرمایئے کہ لذت کی باتوں کو خدا اور رسول کے نام پر لگا کر شیعوں نے دین و آئین بنا رکھا ہے یا اہل سنت نے، لازم ہے کہ بس کیجئے ہمارا ایسی باتوں کا شیوہ نہیں مگر کیا کریں جزاءِ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلہا کے موافق ہم کو جواب دینا پڑا۔ سُبْحَانَكَ

اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

(اے میرے پاک اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیری حمد کرتا ہوں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود تیرے سوا اور تیری بخشائش چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ والا کی طرف پھرتا ہو۔)

اَلسُّوالُ السَّادِسُ

حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کی راہ نار مراد بدعت سے وہ ہے کہ خلاف قرآن اور حدیث کے کوئی اَمر احداث کرے جیسا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جماعت تراویح کو منع فرمایا برخلاف اس کے خلاف خلیفہ دوم نے اپنے عہدِ خلافت میں اُس کو جاری کیا چنانچہ جامع الاصول کتاب حدیث اہل سنت میں موجود ہے کہ خلیفہ صاحب نے خود فرمایا کہ یہ بدعت ہے مگر حسنہ معاذ اللہ جسے آنحضرت منع فرمائیں اس کو خلیفہ جاری کریں اور سُنی اس سنت خلیفہ کو حرام نہ کہیں تعجب کی بات ہے کہ تعزیہ کا بنانا کہ جس کی حرمت کسی جگہ ثابت نہیں اُسے بے تامل حرام کہیں۔

اَلْجَوَابُ السَّادِسُ

صفحہ ۳۰۹ کتاب تحفہ میں حدیث متفق علیہ میں مروی ہے کہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔ ﴿دیکھو جواب خامس۔۱۲﴾ یہ طعن اہل سنت پر الزام نہیں ہوسکتا کیونکہ اُن کی جمیع کتب حدیث میں بشہرۃ وتواتر ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت نے تین رات رمضان میں تراویح ادا فرمائی اور مثل دیگر نوافل اُن کو تنہا ادا فرمایا اور عذر ترک مواظبت میں بیان کیا کہ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ ﴿اِنِّی آہ۔ میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ مبادا تم پر فرض نہ ہو جائے۔۱۲﴾ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبکہ یہ عذر زائل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احیائے سنت نبوی فرمائی قاعدہ اُصولی نزدیک شیعہ وسُنی کے مقرر ہے کہ جو حکم بموجب نص شارع کے معلل ہو کسی علت کے ساتھ تو وقت ارتفاع اس علت

کے وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ باعتراف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدعت ہے کہ زمانہ آنحضرت میں نہ تھی تو جو چیز کہ بوقت خلفاء راشدین و آئمہ اظہار اجماع امت ثابت ہوئی اور زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی اُس کو بدعت نہیں کہتے اگر بدعت کہیں گے تو حسنہ ہے نہ سیہ پس حدیث منقول مخصوص اُس پر ہے کہ شرع میں جس کی کچھ اصل نہ ہو اور خلفاء اور ائمہ اور اجماع اُمت سے بھی ثابت نہ ہوا ہو اب شیعہ حق عید غدیر و تعظیم روز نوروز و ادائے شکر روز قتل حضرت عمر و تحلیل فروج جواری اور محروم کرنے بعض اولاد کو بعض ترکہ سے کہ یہ چیزیں زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھیں اور ائمہ نے ان کو احداث کیا کیا کہیں گے اس عبادت رحمانی میں کیا زہر مل گیا کہ بدعت شنیعہ ٹھہری اور ان لغویات میں کیا امرت ہے کہ سنت سنیہ ہوئی سچ ہے جب ایمان ہو تب تو نیک و بد کی پہچان ہو جو کہ اہل سنت کے خلفاء راشدین بھی حکم ائمہ کا رکھتے ہیں بحدیث مشہور کہ

مَنْ یَعِشْ مِنْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُم بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ مِنْ بَعْدِیْ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

(جو زندہ رہے گا میرے بعد وہ دیکھ لے گا بہت بڑا اختلاف پس اُس وقت تم لوگوں پر میری سنت لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت جو میرے بعد ہوں گے پکڑو تم اُس کو دانتوں سے۔۱۲)

احداث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بدستور احداث ائمہ دیگر بدعت نہیں جانتے اور اگر بدعت جانتے ہیں تو سیہ نہیں جانتے حسنہ جانتے ہیں۔

آنحضرت تو اِرشاد فرماتے ہیں کہ بعد ہمارے طریقہ ہمارا اور ہمارے اصحاب کے طریقہ کو مضبوط دانتوں سے پکڑنا۔

پس یہ تراویح وہ ہے کہ حضرت نے تین روز پڑھی اور پھر بخیال فرضیت ترک فرمائی لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہمارے بعد نہ پڑھنا بعد آپ کے دغدغہ

نزول وحی باقی نہ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سنت کو زندہ کیا۔

لیکن تعزیہ کا بنانا کس کتاب میں ہے اگر اسی قرآن میں ہے تو دِکھاؤ اور جو مصحف غائب ہیں پاس امام غائب کے ہے لاؤ کس حدیث میں ہے سناؤ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں تمہارا مجتہد تو یوں لکھتا ہے کہ مَنْ جدد قبرًا اَوْ مثل مِثالاً فَقَدْ خَرَجَ عَنِ الْاِسْلَامِ۔

یعنی جس نے تجدید کی کوئی قبر یا بنائی کوئی مثال وہ خارج ہوا اسلام سے خود تمہارا مجتہد تم کو اسلام سے خارج بتاتا ہے۔

اب تقریر تمہاری کہ تعزیہ کی حرمت کسی جگہ ثابت نہیں اسے حرام کہیں ہم تمہاری کتاب سے ثابت کر چکے مگر تم نے کوئی ثبوت جواز کا پیش نہ کیا یہ بیاہ میں بی بی کے ساتھ کاست کو نہیں ہے کہ تمہیں نے لوٹا تمہیں نے کھایا جب کسی مرد کی چھپیٹ میں آؤ گے تب توبہ تلہ مچاؤ گے۔

فقط

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویہدی الیہ من ینیب

الحمد للہ والمنہ کہ رسالہ ہدیہ مقالہ از حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی مسمی بہ

اسولۃ الخاملۃ فی اجوبۃ الکاملۃ

۱۳۲۲ھ

باہتمام حقر انام محمد عبد الاحد عفا اللہ عنہ الصمد بماہ محرم سنہ ۱۳۲۲ ہجری نبوی م

در مطبع مجتبائی واقع دہلی مطبوع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد ہر چند کہ تحریر سوالات مسطورہ سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکار ہے جیسے کالے توے مین چاند نا مگر بدین نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہین دیا جاتا اور یون سمجھکر کہ جواب جاہلان باشد خموشی ایسے خرافات کے جواب مین سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلون کو اور بھی جرأت ہو جاتی ہے اور باطل کو مدعی حق سمجھنے لگتے ہین اسلیے مختصر مختصر جواب سوالات بعد تحریر سوال مرقوم ہوتے ہین ۔ **السوال الاول** ۔ ہم مرثیہ سوز مین سنتے ہین ہان جیسے گنگری گتے ہین وہ نہین سنتے کیونکہ وہ راگ ہے اور راگ حرام ہے اور حرمت اسکی خواہ قرآن مین ہو خواہ مرثیہ مین اُسے ہم منع کرتے ہین بخلاف سنیون کے کہ صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۲۹۲ چھاپہ نولکشور مین موجود ہے کہ آنحضرت کے حضور مین دو عورتین گانے والیان راگ گاتی تھین اُسمین خلیفہ اول آئے اور کہا کہ مزمار شیطان حضرت کے پاس آیا اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جانے دو آج دن عید کا ہے سو معاذ اللہ خلیفہ اول اُسے مزمار شیطانی بتائین

اور حضرت اسے نہیں پاگرنی الحقیقت موافق قول اہل بدعت کے وہ مزمار شیطانی تھا تو آنحضرت کی عصمت
میں داغ لگا کہ آنحضرت کو فاسق تھا یا معصوم نہ ٹھہرے الجواب الاول۔ اہل سنت وجماعت
جو مرثیہ خوانی کو منع کرتے ہیں تو نہ بایں وجہ کہ یہ اقسام راگ سے ہے اور راگ ممنوع ہے اگر یہ وجہ
ہوتی تو سائل کا کہنا بجا تھا کہ ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں جسکو کنگری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے بلکہ وجہ
ممانعت یہ ہے کہ مرثیہ خوانی پر کیا مقرر ہے تعزیہ داری[1] علم برداری سینہ زنی وغیرہ بدعات شنیعہ
سب ایجاد بندگان ہوا وہوس میں نہ خدا تعالےٰ نے اس قسم کی باتوں کے لئے ارشاد فرمایا نہ جناب
سرور کائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتسلیمات نے یہ راہ بتائی ہاں کلام اللہ میں ہے تو یہ
ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ جسکے یہ معنی ہیں جو لوگ حدود
اللہ سے آگے بڑھجاویں وہی ظالم ہیں اور یہ بھی ارشاد ہے کہ اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ
وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ یعنے اے لوگو تابعداری کرو اُس چیز کی جو تمہاری طرف نازل
کیگئی ہے اور نہ پیروی کرو سوا اللہ کے اوروں کی اور حدیث صحیح[2] میں یہ ارشاد ہے۔ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا
هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنے جسنے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود ہے اور سب بدعات

---

[1] ایک ستم ظریفی یہی نہیں بلکہ یہ امور عقل سے خالی نہیں بلحاظ ذرا غور فرمایئے انصاف کیجئے کیا حسن وقبح عقلی کے قائل بھلا
یہی تمرد وتعجب ہے کیا ایسا صور ربیں کہ کیسل کے قدم بقدم سین ہیں جیسے لڑکے لکڑی کا گھوڑا بنا کر دانہ گھاس ڈالتے ہیں لکھے بھی
وقت ایسے ہی ہیں سا اور لڑکیاں گڑیاں بنا کر شادی بیاہ وچوتھی چھٹی وغیرہ سب کچھ رسم ہر وجہ کرتی ہیں شیعہ ہو خلاف فرمایئے
ہندوستانی خود ایجاد رواج ہے کہ فرضی اور نقلی صور کے ساتھ اصلی اور واقعی کا سا معاملہ کیا جاتا ہے جسکا حکم ان کا سلسلہ
اسی نحو ایجاد [illegible] کا جیسا ہے ۱۲ محمد حسین مالکیوری عفی عنہ
[2] فدای انکھیں کھولئے ہوش سنبھالیے دیکھئے تمہارے سچے مخبر پیارے رسول کا یہ ارشاد کیسا صاف درد آمیز ہے جسمیں سنت
وبدعت کی صورت کیا بلکہ حقیقت کس وضاحت سے ظاہر ہو رہا ہے حق جسکسی نے جو وہ عالم فاضل قاضی مفتی غوث قطب
کیا کیوں نہ ہو مخالفت کوئی نئی بات نکالی جسکا وجود قرون پہلے سے نہ فی امرنا ہمارے اس امر یعنے دین میں تو اس کیف
میں احداث کا نہیں بیں بیں کہ محدثات فی امرنا یعنے نئی بات ہمارے اس دین میں نکالی گئی کا احداث فی امرنا
بیعنے ہمارے اس دین کے غیر میں کوئی نئی بات نکالنی الا احداث فی امرنا یعنے ہمارے اس دین کے لئے کوئی بات نئی
دیکھو یہی پہلا احداث ہے جو بدعت شرعی اور بدعت سیئہ ہے جسکی تمثیل وتصریح مولانا مرحوم نے کی ہے جسکو کسی بات میں
اور دوسرا احداث بدعت شرعی اور سیئہ نہیں کیونکہ وہ احداث فی امر الدین نہیں بلکہ دین کا ورثہ ہے تاکید کے لئے
امر دین کوئی نئی بات نکالنا مباح ہو گا بشرطیکہ وہ نئی بات کسی اصل دینی وشرعی بات سے نہ ٹکرائے خود
بالاسبد وغیرہ کا لیس مدارس بوزاتوانی قسم کی تاسیس خواص ہوا کرتی ہے۔ آخر میں اخلاف تبع بدعت شرعیہ او
سیئہ نہیں ۔اسواسطے کہ لامر الدین یعنے دین کی حفاظت اور ضروریات کے لئے کوئی نئی بات نکالی ہرگز بدعت نہیں ہے علم
نحو کی مدد ین اور کتب فقہ واصول کی تالیف وتصنیف نہ صرف سہولت ولسانی تعلیم تعلم کے لئے ہے جسکو مولانا نے مرحوم نے

اہل اسلام بیان کرتا ہے کہ شیعہ بھی اسبات کے معترف ہیں کہ مرثیہ خوانی تعزیہ داری علم بردار سینہ زنی
سینہ کوبی وغیرہ بدعات بقول شیعہ کا ثبوت کلام اللہ میں ہے نہ حدیث میں نہ خدا نے ان کا حکم دیا نہ
فرمایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ راہ بتائی پھر مسلمان کا ان کا معتقد ہونا اور
ان واہیات پر ثواب عظیم کا امیدوار ہونا خدا و رسول اللہ سے کیا جاملنا ہے یا نہیں اور نئی بات کا
دین میں نکالنا ہے یا نہیں بالجملہ شیعہ موافق ارشاد آیت وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ کے ظالم ہیں
اور موافق ارشاد حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ساری باتیں مردود ہیں اسلئے اہل سنت و
جماعت انپر اعتراض کرتے ہیں نہ بوجہ راگ ہونے کے فقط مرثیہ خوانی ہی کو منع کرتے ہیں اب
لازم یوں ہے کہ شیعہ انصاف فرمائیں اور راہ پر آئیں ورنہ وہ جانیں خدا سے معاملہ پڑتا ہے
نیک و بد کا حساب انہیں کے ہاتھ ہے چند بار یہ وجہ ممانعت اگر تسلیکین خاطر ہو اور خدا کے
ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے دل کی الجھن نہ کھلے تو ایک مثال عرض کرتا
ہوں اسکو غور کرینگے تو یہ عرض مان ہی لینگے انشاء اللہ تعالیٰ جیسے ہمارے تمہارے جسم میں ہاتھ
پاؤں آنکھ ناک اعضا ہیں اور ہر ایک کے لیے ایک ایک تعداد ہے دو ہاتھ دو پاؤں دو آنکھیں
پانچ انگلیاں ہر ہر ہاتھ پاؤں میں ایک منہ ایک ناک علی ہذا القیاس دین میں بھی بہت سے
ارکان ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ اور پھر ہر ایک کی ایک تعداد ہے نمازیں رات دن میں پانچ تو
روزہ برس روز میں تیس علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ پھر سال بھر میں حج عمر بھر میں ایکبار مگر جیسے آنکھ

زور شور تقیہ مسلط مشہور ہے تہ ترتیب ہفتہ کے ساتھ مثل نوافل اور سنن عبادات اگر کسی امر شرعی کی ضرورت کے لیے ہو تو وہ مستحب ہے
حسب شرعی کرے بدعت ہے اور مسنون ہیئت مستحبہ شرعی کے لیے ہو سنون ہیئت مستحبہ ہے اسلیے کہ یہ عبادات ایک شرعی امر کا تابع
اور اسی کے ملحق ہے جیسا کہ سو دینا بالسنۃ اسی کو ملحق بالسنۃ یا بدعت حسنہ کہیے اسلیے کہ اس میں کوئی حسن ذاتی نہیں بلکہ
اسکے متبوع ہی کا حسن ہے جیسا کہ حسن بالذات نہیں اس قسم کا حسن ہے اور یہ عبادت نہیں اور جب یہ وقت یا مواضع اپنے
متبوع اور ملحق سے الگ ہو گئے اور اس امر شرعی کو انکی ضرورت باقی نہ رہی تو اس وقت انکا حسن بھی کالعدم ہو جائیگا اب رہی پہلا
عبادات بدعت سیئہ اسکا اصل کلیہ شارع علیہ السلام کی بدعت ضلالۃ اور واضح ہو گیا کہ یہی قسم کی عبادات بدعت سیئہ ہے
اور جو امور پہلے سے اشارۃً یا کنایۃً یا ضمناً شریعت سے ثابت ہو چکے ہوں اور کسی وقت میں انکا ظہور و شیوع ہو جائے تو
وہ عبادات بدعت نہیں بلکہ وہ سنن متروکہ میں سے ہونگے جیسے نماز تراویح وغیرہ اور یاد رہے کہ جس عبادت کی مشروعیت سنت سے ثابت ہو
اور اسمیں کوئی شرعی قباحت کسی طور پر آ جائے تو جب ہی ممنوع ہو جائیں گے۔ محمد حسین ٹانکوری۔

اک اپنی مقدار معین سے کم ہو جب بھی بری معلوم ہوتی ہے زیادہ ہو جب بھی بری ایک ناک کی جگہ اگر دو
ناکیں ہوں اور دو آنکھوں کی جگہ اگر تین ہوں ویسے ہی بری معلوم ہونگی بلکہ فرض کیجیے کسی کے اصل سے
ناک نہو یا آدھی ہو بالجملہ جیسے ہمارے تمہارے وجود میں کمی بیشی اپنے اندازے سے بری معلوم ہوتی ہے
ایسے ہی دین میں بھی کمی بیشی اندازہ نبوی سے بری اور ناموزوں ہوگی اس مثال کے سننے کے بعد اہل
انصاف تو انصاف ہی فرمائیں گے اور جنکو خدا نے چشم انصاف عنایت نہیں کی وہ ہماری تو کیا
خدا و خدا کے رسول کی بھی نہیں ماننے باقی سائل نے جو کچھ خلیفہ اول پر طعن فرمائے ہیں اسکا جواب
بطور تحقیق تو اتنا ہی بس ہے کہ ابو بکر صدیق رضؓ اہل سنت کے نزدیک نبی نہیں جو تمام احکام انکو
معلوم ہوتے مزامیر کی برائی سنی ہوئی تھی پر یہ تفصیل معلوم نہ تھی کہ دف عید کے دن جائز ہے
اور باقی مزامیر حرام سو اپنے خیال کے موافق منع فرمایا باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بجانا
ہونا انکو بالیقین معلوم ہوتا تو پھر اس اعتراض کی گنجایش تھی کہ ابو بکر صدیق نے اسکو مزامیر سمجھ کر
تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نبی کو مزامیر شیطانی کا مشغلہ سمجھا اور [illegible] علاوہ برین
اعتراض انکے کہتے ہیں کہ جس پر اعتراض کیا جائے اسکی ان باتوں کو توڑیے جو اسکے نزدیک مسلم ہوں
اور اگر انکے نزدیک ایک بات مسلم ہی نہیں تو اسکا توڑنا اسکو کیا مضر مثلاً اہل اسلام پر جو معترض
اسے کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ نبی نہ ہونا ساحر کاہن دنیا پرست
ہونا ثابت کرے اور ابوجہل کا کافر یا دنیا پرستی اور برائی کا ثبوت اہل اسلام کو کیا مضر ہے
سو اہل سنت و جماعت کے نزدیک مباحات جیسے امتیوں کو مباح ہوتے ہیں انبیا کو بھی مباح
ہوتے ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ بہت سے مباحات امتیوں کے حق میں کسیقدر مکروہ ہوں
منجر بمنہی بھی ہو سکتی ہیں انبیا کے حق میں وہی مباحات سو بایں وجہ کہ انکے فعل سے اباحت
معلوم ہوتی ہے موجب ثواب ہو جاتے ہیں ظاہر باتوں میں انکی ایسی مثال ہے جیسے غذا
قوی ضعیف المعدہ کے حق میں موجب نقصان اور قوی المعدہ کے حق میں باعث قوت لیکن
ظاہر ہے کہ امور مکروہ میں اشتراک شیطانی ضرور ہوتا ہے بہت نہیں تھوڑا ہی سہی باعث عذاب ہے

بسبب کراہت دیر سی سوا کہ قرینہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے ہی تھے اور ابوبکر صدیق
کو آپکی بیداری کی با اطلاع نہی تھی اور دفعہ جہر برملا بوجہ کراہت خالی شر شیطان سے نمو
تسیدہ ہوش برہنہ نسبت کو بوجہ فرکہ انہون نے اسکو مزمار شیطانی کہا ہوگا اس سے یہ کہاں سے
لازم آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق مین بھی وہ اسکا سننا بوجہ غنا شیطانی ہو
ایک فعل ایک کے حق مین موجب ثواب اور دوسرے کے حق مین موجب عذاب ہوتا ہے چونکہ
کسی مثال کا ذکر ہے تو مین بھی انکی تسلی کو ایک مثال عرض کرتا ہون کلام اللہ کا سننا بعضون کے
لیے باعث ہدایت اور موجب ثواب اور بعضون کے لیے ضلالت و باعث عذاب ہے یقین
نہین دیکھا کلام اللہ ہی مین ارشاد ہے یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا اب دیکھیے ثواب
عذاب مین زمین و آسمان کا فرق ہے ایک فعل مین جب یہ دونون مجتمع ہوے تو اباحت اور
کراہت تو کچھ درجہ مین ہے یہ دونون اگر بہ نسبت دو شخصون کے مجتمع ہو جائیں تو کیا تناقض
کیون ہے یا حضرت خلیفہ اول ہی سے جو ہر ہے کہ وہ سیدھی کہیں تب بھی الٹی ہی سمجھ مین آتا ہے
بطور تحقیق جواب تھا اب بطور الزام سنیے ہماری نہین مانتے تو خدا کی تو مانیے خداوند علیم حضرت
اسمعیل علیہ السلام کو اپنے کلام پاک مین یون فرماتا ہے کبھی بھولے سے کلام اللہ دیکھا ہو تو شیعون کے
سہو ہم مین یہ آیت بھی دیکھی ہوگی ووهبنا له من رحمتنا اخاه هرون نبيا جسکے
معنی یہ ہین کہ دیا ہم نے موسی کو اپنی رحمت سے انکا بھائی ہارون نبی اور انہین برادر بزرگوار کے
حضرت موسی علیہ السلام نے بشہادت کلام اللہ سر کے بال پکڑ کے کھینچے چنانچہ کلام اللہ پڑھا ہوگا تو
سورہ اعراف مین یہ بھی دیکھا ہوگا فاخذ برأس اخيه يجره اليه جسکا حاصل یہ ہے جو
معروض ہوا اور سورہ طہ مین واجعل لي وزيرا من اهلي هرون اخي اشدد به ازري واشركه في امري

سلہ اس سے پہلوں فرماتے ہین ولما رجع موسى الى قومه غضبان اسفا اور جب حضرت موسی علیہ السلام واپس تشریف لے گئے اپنی قوم کی طرف غصہ مین بھرے ہوئے ... قال بئسما خلفتموني من بعدي اعجلتم امر ربكم فرمایا نہایت برا کام کیا ... والقى الالواح واخذ برأس اخيه يجره اليه ... سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے ۔ ۱۲
سلہ قال رب اشرح لي صدري ويسر لي امري ... فرمایا ... علوم و معارف ... کاموں میں

اور سورہ شعرا میں جو یہ کلمہ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ بھی دیکھا ہوگا جسکو اپنے ماقبل اور مابعد کے ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے لئے نبوت کی استدعا اسیوقت کی ہے کہ جوقت انکو خلعت نبوت حاصل ہوا غرض فرعون کیطرف جانے سے پہلے حضرت ہارون کی نبوت کے خواستگار ہوئے تھے اور پھر قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی یعنی سورہ طٰہٰ اور کَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ بھی سورہ شعرا میں موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا اور استدعا فرعون کیطرف جانے سے پہلے ہی مقبول ہوگئی ہو سارے مطالب انصاف دیکھکر کوئی سمجھی والا منصف ہو تو پھر تکرار کرے اگرچہ شیعہ اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی باز نہ آئیں کلام اللہ کو بیاض عثمانی بتلائیں کلام ربانی نہیں چنانچہ کہتے ہیں اور اسلئے علماء اہل سنت نے اور نیز اس ہیچمدان نے ہدیۃ الشیعہ میں انکے جوابات دندان شکن لکھے ہیں اور ان سب سے بڑھکر یہ ہے کہ اگر شیعہ اصل سے کلام اللہ کو نامعتبر سمجھا اودھر بھی حساب اور لکھا ہے اودھر نہیں اودھر بھی آنکو بچیا رہیگے آخر شیعہ و سنی حدیث ثقلین کے بھی قائل ہیں اس حدیث کا ماحصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عترت جبتک تم ان دونوں کو پکڑے رہوگے تب تک گمراہ نہوگے اور ظاہر ہے کہ کلام اللہ کسی پاس ہو اور نہ پکڑے یعنی اسپر عمل نکرے یا پاس نہو کوئی چھین لیجائے یا جلادے جیسا حضرات شیعہ نسبت جناب عثمان رضی اللہ عنہ سے گمان رکھتے ہیں کلام اللہ پر عمل کرنا دونوں صورتوں میں میسر نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں مثل کفار زمانہ سید الابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونگے دوسری صورت میں مثل کفار زمانہ جاہلیت کے بالجملہ کلام اللہ کے عالموں حافظوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ حضرت ہارون فرعون کے پاس جانے سے پہلے نبی ہوچکے تھے اور علی ہذا القیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا توراۃ کے لئے کوہ طور پر جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ

ترجمہ [illegible] آیت سورہ طٰہٰ اے پروردگار کشادہ کر میرا سینہ اور آسان کر میرا کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی کہ سمجھیں میری بات اور کر دے میرا ایک مددگار میرے گھر والوں میں سے ہارون میرا بھائی اسکے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام رسالت میں شریک کر ۱۲

ملت فرمایا اللہ پاک نے اے موسیٰ تمکو سب باتیں دیگئیں تمہاری دعائیں قبول ہوگئیں ۱۲

انا اور بچھڑے سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ مین لوٹ کر ہارون
علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ کر یہ کہنا [سلہ] أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي جسکے یہ معنی ہین تو نے میرے حکم کی
نافرمانی کی یہ سب باتین فرعون کے غرق ہو چکنے کے بعد کی ہین چنانچہ سورہ اعراف سورہ طٰہٰ سورہ شعرا
کے سیاق و سباق آیات سے باتفاق شیعہ و سنی ثابت ہے اب حضرات شیعہ کی خدمت مین اس غلام
خاندان اہلبیت کی یہ گذارش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو
وہی حکم کیا تھا جو حکم خدا تھا اور انہون نے اُسکی نافرمانی کی جسکی نسبت یہ فرمایا۔ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي
تب تو حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت کو کیونکر بچا سکیے گا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی
امر خلاف شرع ارشاد فرمایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معصومیت کو نعوذ باللہ داغ لگے گا
اور اگر وہ حکم نہ موافق شرع تھا نہ مخالف شرع یعنی ازقسم مباحات دنیوی مین سے تھا تو حضرت ہارون
علیہ السلام کا قصور ہی کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکی ہتک عزت کی اُنکی نبوت اور
بڑائی کا کچھ لحاظ نہ کیا قطع نظر نبوت کے حضرت ہارون علیہ السلام بڑے بھائی بھی تو تھے اور بڑا
بھائی بجائے باپ کے ہوتا ہے بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ حرکت ازقسم معصیت ہی کی ہے جس سے
عصمت کو داغ تو کیا لگے بالکل سیاہ ہو جائے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام
کی عصمت باوجود اس دست و گریبان ہونے کے بھی نہین جاتی اور حضرت ہارون کے عاصی سمجھنے
سے چنانچہ آیت أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي شاہد ہے اُنکی عصمت کو داغ نہین لگتا تو حضرت ابوبکر
صدیق نے اگر دف کو مزمار شیطانی سمجھکر منع کیا تو کیا بیجا کیا اسمین اور اسمین تو زمین و آسمان کا
فرق ہے وہ قصہ کلام اللہ مین جسکے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یہ قصہ حدیث واحد مین
جسکے انکار سے کفر لازم نہین ہوتا وہان حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ہین اور نبی بھی کیسے نبی
ہارون کو عاصی سمجھتے ہین ظاہر ہے کہ نبی کا فہم کیسا ہوتا ہے یہان اگر دف کو مزمار شیطانی سمجھا تو
ابوبکر صدیق نے سمجھا جو انکے معتقدون کے نزدیک بھی نبی نہین امتی ہین حضرت رسول اللہ صلی اللہ

(نوٹ متعلقہ صفحہ) ؎ فرمایا کہ نہیں بس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لیکر ہم تمہاری سنتے ہیں اور تمہاری مدد کرینگے ۱۲۔
سلہ کیون تو نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی ۔ ۱۲

علیہ وسلم سے کم ہیں حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے بدرجہا کمتر ہین انکی غلط فہمی سے سند بیجا
کچھ عیب نہین لگتا کیونکہ اُنکے نزدیک سوا نبی کے کوئی معصوم نہین اور شیعون کے اصول کے
موافق نبی تو نبی امام بھی معصوم ہین پھر سُنّی تو اعمال ہی مین معصوم کہتے ہین جسے معصوم کہتے ہین شیعہ
ملہ معصومون کو فہم مین بھی معصوم سمجھتے ہین جیسے اعمال ہین معصوم سمجھتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ گناہ
اُنسے صادر نہین ہوتا ویسے ہی غلط فہمی سے معصوم ہوتے ہین سو اگر حضرت ابوبکر صدیق نے غلطی سے
دف کو مزمار شیطانی کہدیا تو کیا گناہ کیا ایک غلط فہمی ہوئی جس سے نہ ولایت مین نقصان پڑ
سنیون کے نزدیک نہ خلافت مین بلکہ اُنکے نزدیک نبی سے بھی غلط فہمی ممکن ہے اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام سے شیعون کے نزدیک غلط فہمی تو ممکن نہین حضرت ہارون علیہ السلام کو
جو انھون نے عاصی سمجھا تو شیعون کے نزدیک نعوذ باللہ صحیح سمجھا ہوگا علاوہ برین حضرت
ابوبکر صدیقؓ نے اگر شیطان کیطرف نسبت کیا تو بجانے والیون کے فعل کو نسبت کیا ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف نسبت نہین کیا بلکہ آپ ہی کی خاطر خیر کا یعنی جیسے
اور کافرون فاسقون سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب نہین کرتے تھے لڑتے
جھگڑتے تھے یہان بھی بمقتضائے ادب اور محبت نبوی غصہ ہوئے اور منع کیا اور جب اور کفار
فجار کے اعمال دیکھنے کے باعث اُنھون نے یہ خیال نہین کیا کہ آپ برضا و رغبت دیکھتے
ہین ایسے یہان بھی بشرط بیداری یہ نہین سمجھا تھا کہ آپ برضا و رغبت سنتے ہین بلکہ سیاق کلام سے
ملہ فہم ہو تو یہ بات صاف روشن ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
کبھی نسبت خیال کیا کہ آپکو یہ فعل بُرا معلوم ہوتا ہوگا پر آپ شاید ایسے چپ ہون جیسے

ملہ عجب تماشا ہے کہ اوپر عصمت ائمہ کا [illegible] دستور کہ الامان الامان اور پھر حضرت تقیہ بیچاری عصمت بے چادر کی سے دست و گریبان [illegible] کہ تقیہ کی جیسی ہوئی جنگیان بکس عصمت کو چین نہین لینے دیتین۔ اسلئے کہ امام کا مطلق قول و عمل بالتقیہ اور بغیر التقیہ [illegible] تو دائر ہوا در میان بالتقیہ اور بغیر التقیہ کے اور جو قول و فعل دائر ہو بالتقیہ اور بغیر التقیہ میں لا محالہ وہ مشکوک [illegible] تو امام کا مطلق قول و فعل مشکوک و نا معتبر ہوگا اور یہ مشکوکیت اور بے اعتباری منافی عصمت ہوئی [illegible] عصمت [illegible] جو گناہ قتل کرے [illegible] بھائی ۔۱۲

ملہ [illegible] کا بیان [illegible] کام [illegible] آپ لوگ [illegible] ہین ۔۱۲

بعض بزرگ بوجہ کمال حلم کے چھوٹونکی بہت سی بدلحاظیون پر سکوت کرتے ہین غرض حضرت ابوبکر صدیق کے گمان مین آیا کہ آپکو برا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مکروہ بات تنزیہی سے آپ منع نہین فرماتے اسلئے آپنے کچھ ارشاد نہین فرمایا سو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بوجہ کمال ادب کے اتنی بات بھی بری معلوم ہوئی اور یہ ایسا قصہ ہے کہ اپنے بزرگ کے سامنے کوئی لڑکا حقہ پینے لگے اور بوجہ دانشمندی خود کچھ نہ کہین لیکن انکے خادم یون کہین کہ ہین ایسی بے ادبی بزرگونکے سامنے لیکن ملاحظہ قصہ حضرات موسٰی و ہارون علیہما السلام سے خوب روشن ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے خود حضرت ہارون علیہ السلام نبی کو عاصی سمجھا اسے بھی جانے دیجیے عصیان اور مزمار شیطان مین بھی زمین اور آسمان کا فرق ہے مزمار شیطانی سے تو فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ شیطان کو اس فعل مین دخل ہے یا شیطان اس سے خوش ہوتا ہے یہ نہین ثابت ہوتا کہ شرک یا کفر یا گناہ کبیرہ یا صغیرہ یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی غرض ایک گول بات ہے کہ جسکے بیس پہلو ہین اور ظاہر ہے کہ شیطان کو ان سب باتون مین دخل ہے بلکہ طول امل اور حدیث نفس تک بھی شیطان ہی سے ہوتی ہے اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت شیطانکی وسوسہ اندازی خود کلام اللہ مین مذکور ہے فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ [1] سورہ اعراف مین اور فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ [2] دیکھا سنا ہوگا اور پھر گروہ انبیا مین۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ [3] ۔موجود ہے ان سب آیتون کے ترجمہ سے دیکھیے اور انصاف کیجیے کہ وسوسہ اور القای شیطانی کی اضافت مزمار شیطانی کی اضافت سے کس بات مین کم ہے مگر عصیان نافرمانی کو کہتے ہین جس سے انبیا بالیقین معصوم ہین اب حضرات شیعہ برائے خدا انصاف کرین کہ حضرت ابوبکر صدیق کے مزمار شیطانی کہنے اور سمجھنے سے عصمت کو بٹہ لگتا ہے یا حضرت موسی علیہ السلام کے أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۔کہنے سے

[1] پس وسوسہ ڈالا ان دونون کے واسطے شیطان نے ۔۱۲
[2] پس انکے استقلال کے پاؤن کو شیطان نے پھسلا دیا پھر دونون کو نکالدیا وہانسے جہانکہ وہ دونون تھے ۔ ۱۲
[3] اور نہین بھیجا ہمنے پیغمبر پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جبکہ اسنے کوئی تمنا کی تو ڈالدیا شیطان نے اسکی تمنا مین وسوسہ ۔۱۲

صاحبو یہ ساری خرابی کلام اللہ کے یاد نہونے اور کلام اللہ پر تمسک اور عمل نکرنے کی ہے اگر حضرات شیعہ کو کلام اللہ کیطرف توجہ ہوتی تو اس اعتراض کو منھ پر بھی نہ لاتے خیر خداوند کریم ہمین انہین کلام اللہ کی پیروی کی توفیق دے بالجملہ حضرات شیعہ کی خدمت مین ہماری یہ عرض ہے کہ ابو بکر صدیق تو بمقتضائے تقریر بے قصور نکلے پھر اب ان صاحبون کو ہمارے اعتراض کا جواب دینا چاہئیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ ہارون علیہ السلام کی نبوت اور عصمت سے سب سے زیادہ واقف تھے کیونکہ آپ ہی کی استدعا سے انکی نبوت کی نوبت پہونچی پھر کیون انکو عاصی سمجھا اور پھر سمجھے بھی تو اس درجہ کو کہ شک کا بھی احتمال نہین ہر طرح سے یقین کا یقین ہے ورنہ سر کے بال اور ڈاڑھی کے بال کھینچنے اور پکڑنے کی نوبت نہ آتی بلکہ آیت ۔ وَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ؁[لہ] سے تو یون معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکو زمرۂ ظالمین سے سمجھا۔ السوال الثانی دیکھو معاویہ بن ابی سفیان نے قابو پاکر محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ اہل سنت کو قتل کیا اور حمار کے شکم مین رکھکر انکی لاش کو جلایا اور ام حبیبہ خواہر معاویہ نے کلۂ گوسفند بھونکر عائشہ اپنی سوکن پاس ازراہ فرح و سرور بھیجدیا کہ اسے کھاؤ کہ تمہارا بھائی اسی طرح مارکر بھونا گیا سو عائشہ نے تامرگ غم برادر مین کلۂ گوسفند نہ کھایا اور عائشہ و جناب امیر خبر اسکی سنکر بہت روئے اور ام حبیبہ قاتل پر اسکے لعنت کرتی تھی کما ذکرہ الواقدی حالانکہ یہ برادر وہی برادر تھا کہ جو جناب امیر کے ساتھ ہو کر اپنی بہن عائشہ کو موافق حدیث یا علی حربک حربی بصرہ پر ہزیمت دی اور کچھ خیال اخویت و زوجیت و صحابیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ کیا۔ الجواب للسوال الثانی جناب سائل صاحب وقت سوال کچھ بنگ بھی نوش کیے ہوتے ہین اہل فہم بھی نہین معلوم ہوتے کہ وہ سنیون پر اعتراض کرتے ہین یا شیعون پر یا دونون پر صاحبو اول واقدی اہلسنت کے نزدیک معتبر نہین مجمع البحار کے آخر مین دیکھ لیجیے واقدی کی شان مین کیا لکھا ہے مگر اسبات پر تو ناظران اوراق عقب گذاری پر محمول کرینگے اور یہ کہین گے کہ ساری باتونکو تو محرر اوراق غلط ہی بتانے لگا اور

لہ اور نہ ہنسا تو مجھپر دشمنون کو اور نہ کر تو مجھکو ہمراہ قوم ظالمون کے ۔ ۱۲

صاحب سوال جناب معترض کو کوئی یوں نہیں کہے گا کہ حضرت نے جو بات لکھی طوفان شیطان ہی
لکھا ہے کوئی اہل علم تو بتائے کہ حضرت نے سوا ایک بات کے کونسی بات سچی لکھی اسلیئے یہ عرض ہے
کہ ہمنے آپکی خاطر سے اس روایت کو مانا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کے رونے کی اگر شکایت ہے
تو حضرت امیر بھی بشہادت سوال محمد بن ابی بکر کو روئے اگر حضرت عائشہ نے اسکا دھیان نکیا
کہ کل اسنے میری صحابیت اور زوجیت نبوی کا کچھ لحاظ نہ کیا تھا تو حضرت امیر نے بھی اسکا کچھ دھیان
نفرمایا کہ کل اسنے حضرت عائشہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحابیت کا دھیان
نہیں کیا تھا مجھکو اسکے غم میں رونا مناسب نہیں بلکہ یوں کہو حضرت امیر نے بھی جنگ جمل میں حضرت
عائشہ کی زوجیت و صحابیت کا لحاظ نہیں کیا اگر اس بات کا لحاظ نکرنا برا تھا اور اسیوجہ سے
انکا غم کرنا مناسب نہ تھا تو یہ فرمائیے کہ حضرت امیر نے ایسا برا کام کیوں کیا اور اگر یہ مدعا ہے
کہ حضرت امیر جنگ جمل میں حق پر تھے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر رضی نے اپنی بہن کا لحاظ نہ کیا
تو اسکا یہ جواب ہے لاریب حضرت امیر برحق تھے ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم کر جائیں
پر اس کہنے سے کیا فائدہ محمد بن ابی بکر رضی سنیوں کے کیونکر مقتدا اور پیشوا اور امام وقت تھے جنکا
فعل سنیوں کے نزدیک سند ہو دوسرے یہ ہے کہ اگر انکا فعل سند ہی ہو تو حاجت سند ہی کیا ہے
اہلسنت حضرت امیر کی خلافت کیوقت انکے خلیفہ برحق ہونے کے دل سے قائل ہیں جیسے خلفاء
ثلثہ کی خلافت کی حقیت کے انکے ایام خلافت میں قائل ہیں سند کی تو اسوقت ضرورت
ہوتی جب اہل سنت حضرت امیر کے برحق ہونے کے منکر ہوتے پھر اس بیہودہ سرائی سے
کیا فائدہ تیسرے حضرت عائشہ رض اور حضرت امیر رض کے رونے سے آپکو کیا ہاتھ آیا یہ تو فرمائیے کہ یہ کونسی
سی دلیل ہے اسے کلام اللہ کی آیت کیسے یا حدیث کی دلالت کیلیے اس ویرانو کی خونگ سے
اسی بحث میں کیا ہاتھ آیا کیا خلافت حضرت امیر اس سے ثابت ہو گئی یا آپکی امامت کے مسئلہ
کا قبالہ اس سے درست ہو گیا مثل مشہور ہے بیا ویں ریخ کا لکھا گیا امامت حضرت امیر کی کہا
یہ کل تقریر یاد رہے مقصود ہی نا اظہار محبت باطن بہ نسبت زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے

عناد ہے اور اس پردے میں حضرت عائشہؓ پر طعن مد نظر ہے تو موافق مصرعہ مشہور۔ کلوخ
انداز را پاداش سنگ ست ؎ مناسب تو یوں ہی تھا کہ انتقام ام المومنین محبوبہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم بھی دل کے پھپھولے پھوڑتے پر ایسے بکاروں کو برا کہنا گویا شیطان کو
برا کہنے کی کیا حاجت ہے اور اسکی ہجو اور مذمت کی ضرورت کیا ہے یہی اسکی خوبی اور برائی کی مصداق ہے
حضرات روافض کی شان میں بھی مشہور ہے الرافضی قوارۃ اللعنۃ[1] از دخیز و برو میرند —
بالجملہ ان خبیثوں کے برا کہنے کی تو حاجت نہیں ہاں جواب اعتراض چاہیے صاحب تحقیق جواب تو
اسکا یہ ہے کہ لا ریب ابتدائے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل البشر تھے بیشک وہ حق پر تھے اور
حضرت عائشہ خطا پر تھیں پر خطا و نسیان معاتب نہیں ورنہ روزہ میں بھول کر پانی پینا کھانا
کھانا یا بوجہ خطا جیسے وضو کرنے میں کبھی پانی حلق میں اتر جاتا ہے ایسے امور کا مرتکب بنا موجب
عتاب اور وجوب کفارہ ہوا کرتا علی ہذا القیاس بوجہ غلطی اگر کوئی حرکت ناسزا ہو جائے تو اسپر
بھی خدا کے یہاں سے گرفت نہیں ورنہ ابر کے روز قریب غروب آفتاب کہ ابھی غروب نہیں ہوا
اگر کوئی شخص بوجہ غلطی یوں سمجھے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور یہ سمجھکر روزہ افطار کر لے اور پھر آفتاب
نمودار ہو جائے چنانچہ اکثر ہو جاتا ہے تو لازم یوں ہے کہ ایسا شخص معذب ہوا حالانکہ باتفاق
شیعہ و سنی ایسے افعال پر خدا کے یہاں مواخذہ نہیں ایسے مشاجرات صحابہ اور محاربات صحابہ
جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیا جیسے حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ گذرا
سب بوجہ غلطی ہوئے ہیں جان بوجھکر نہیں ہوئے جو ان پر اعتراض کیا جاوے باقی رہی یہ بات
کہ وجہ غلطی کیا ہوئی انکا جواب اول تو یہ ہے کہ ہمکو اس سے کیا بحث حضرت موسیٰ اور حضرت
ہارون کی طرح دونوں کو بزرگ سمجھنا چاہیے اور تحقیق مد نظر ہے تو سنیے حضرت عثمان کے قاتل حضرت
امیر کے ساتھ ہوئے تھے سو حضرت امیر بایں وجہ قصاص کے لینے میں دیر کر رہے تھے کہ ان کو تشتت
سے بنی بنائی بڑے زور کی خلافت کو جب ایسا زیر و زبر کر دیا تو پھر ان خلافت ابھی جمنے بھی نہیں

؎ الشیعہ نسوان ہذہ الامۃ مثل مشہور ہے۔ ۱۲

اپنی میرے قابو مین کیونکر آمین گے دوسرے بلوے کی بات ہے کہ تحقیق کے بعد قاتل کو بچا نکہ
قصاص لیا جائیگا حضرت عائشہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ یہ سمجھے کہ حضرت امیر ان
ظالمون کے طرفدار ہین چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے جو محمد بن ابی بکر کو مارا تو اُسکی وجہ یہی ہوئی کہ
اُنکو منجملہ شریران قاتلین سمجھے تھے یہ جُدی بات رہی کہ یہ تھے یا نہ تھے تسپر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ
اور حضرت زبیرؓ کو خود ارادہ قتال کا بھی نہ تھا حضرت عثمان کے قاتل جو ان لوگون کو ڈرانے تھے
اپنی جان بچائے بصرہ جاتے تھے حضرت امیر نے تعاقب کیا انجام کار باین وجہ کہ قاتلان مذکور نے
بغرض فساد دو گروہ ہوکر دونون لشکرون پہ شبخون مارا ہر ایک نے دوسرے کی دغا سمجھی اور
رملا کر وہ قصہ تمام کیا مگر بشہادت کلام اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام
پر کشتی توڑ ڈالنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کے مقدمہ مین اعتراض کیا چنانچہ سورہ کہف مین یہ قصہ
مفصل مذکور ہے جسے شوق ہو سولھوین پارے کے شروع سے ایک رکوع نکالکر دیکھنا شروع کرے
حضرت موسیٰ کا اُنکے پاس جانا اور دربارہ تسلیم عہد و پیمان کرنا پھر باینہمہ اعتراض ان پر حضرت
خضر کا اُن باتون سے بے قصور ہونا سب تحریر ہے واضح ہو جائیگا اور نیز یہ بھی تو واضح ہو جائے گا کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلطی کھائی اور پھر بے بتلائے کچھ سمجھ مین نہ آیا اب میری یہ عرض ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس آپ نہین گئے خدا کے بھیجے ہوئے
گئے خدا نے اُنکے علم اور بزرگی کی اُنسے تعریف کی پھر اُنھون نے یہ کہدیا کہ تمسے میری باتون پر صبر
نہو سکیگا تم میرے ساتھ نہو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ مین کچھ تکرار نکرونگا
باینہمہ نور نبوت کمال عقل ایسا کہ کیسی ہی باریک بات کیون نہو اُسے بھی سمجھ جائین پھر اسپر بھی
حضرت موسیٰ نسمجھے نہ سمجھنا تو درکنار یو نہین سمجھتے کہ اسمین کچھ بھید ہوگا صبر کرنا چاہئیے اور نہ سمجھنے
کی بھی نوبت یہانتک آئی کہ پھر بے بتلائے نسمجھے اگر ہم تم ایسے مستان دنیا کم عقل و کم فہم ان قصون
کی حقیقت نہ سمجھین تو کیا تعجب ہے بلکہ لازم یون ہے کہ نہ سمجھین ہان یہ سمجھکر کہ ہماری سمجھ کا قصور
ہے ان بزرگوارون کا قصور نہین اُنپر اعتراض نکرین جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہمکو

اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں اس تقریر سے حضرت امیر معاویہ پر بابت قتل محمد بن ابی بکر اگر اعتراض ہے یا بہ نسبت محاربات حضرت امیر کچھ طعن ہے تو وہ بھی مندفع ہو گیا بالجملہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین سے قصور کسی کا نہ تھا جیسے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دست وگریبان ہو گئے اور باوجود اس کے قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا باقی رہا جملہ ۔ حَرْبُکَ حَرْبِیْ ۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ جان بوجھکر نہ بوجہ غلط فہمی جو تم سے لڑیگا تو گویا مجھسے لڑیگا یہ نہیں کہ جس طرح سے کوئی تم سے لڑے عمداً یا خطاءً یا بوجہ غلط فہمی وہ سب میری ہی لڑائی کے برابر ہے ورنہ آیت ۔ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً[له] جسکے مضمون سے صاف یہ بات روشن ہے کہ قتل خطا میں کچھ نہیں غلط ہو جاویگی اور یہ بھی سہی اگر حدیث مذکور عام ہے تو اسی وجہ سے عام ہوگی کہ ظاہر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں مگر جیسے مفہوم حَرْبُکَ کو عام لیتے ہو تو مفہوم حربی کو بھی عام لیجیے اور بہ رعایت فہم تقابل یوں ہی سمجھیے یعنی یوں کہیے کہ تم سے عمداً لڑنا تو مجھسے عمداً لڑنے کے برابر ہے اور تم سے خطاءً لڑنا مجھسے خطاءً لڑنے کے برابر ہے مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمداً لڑنا اور آپکی جان بوجھکر تکذیب کرنی بڑی ہے غلطی اور بیخبری میں اگر کسی سے یہ حرکت ہو جاوے اور بعد علم متنبہ ہو کر شرائط آداب بجا لائے تو عقل ونقل کی رو سے قابل عتاب نہیں عقل کی گواہی کی تو کچھ حاجت نہیں اہل عقل کے نزدیک بدیہی ہے نقل کی بات پوچھیے تو کلام اللہ موجود ہے لفظ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ[له] اور مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ[له] اور لفظ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ سے ظاہر ہے کہ عتاب اسی وجہ سے ہے کہ وہ جانکر ایسی حرکتیں کرتے ہیں بلکہ آیت ۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ[له] بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۔ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر بوجہ بیخبری اگر کچھ خلاف مرضی خداوندی کر جائیں تو

له نہ چاہیے مومن کو کہ قتل کرے مومن کو مگر دھوکے سے ہو جاوے تو خیر ۱۲

له بعد اسکے کہ واضح ہوا ۔ ۱۲

له اور بعد اسکے کہ آئیں انکے پاس دلائل واضحہ ۔ ۱۲

له اور اگر پیروی کی تو نے اُن کی چاہ کے [illegible] دانائی کی بعد اسکے [illegible] نہ ہوگا خدا کی جانب تیرا کوئی مالک [illegible]

کچھ حرج نہیں بالجملہ خدا کی مخالفت بوجہ غلطی سبب مغفرت ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بوجہ غلطی بدرجہ اولیٰ مغفرت ہوگی پھر حضرت کی مخالفت اگر بوجہ غلطی ہو تو اسکا کچھ ذکر نہیں اور یہ بھی ترسی لفظ حربک عام اور لفظ حربی شیعوں کی زبردستی سے خاص ہے مگر جیسے حدیث مذکور نزد بہلا لفظ عام ہے آیۃ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا[1] بھی باعتبار الفاظ عام ہے باغی زانی قطاع الطریق سب آگئے اب فرمائیے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانیوں کو قتل کیا اور امیر نے سیکڑوں باغیوں کو تہِ تیغ کیا ادھر ابتک یہ آیت سب کی معمول تھی نہ مجتہدان شیعہ اس سے انکار کر سکیں نہ علماء اہلسنت پھر یہ کیا انصاف ہے کہ ایک حدیث کے بھروسے جسمیں کسیقدر ضعف بھی سہی یہ بھی احتمال ہے کہ غلط ہو اتنا غل و شور ہے کہ العظمۃ للّٰہ آیت کو نہیں دیکھتے کہ انمیں تخصیص بھی باقی نہیں چھوڑا اسپر غلطی رواۃ کا احتمال نہیں پھر اسکے باعث کہاں کہاں اعتراض پڑتا ہے اور جواب الزامی یہ ہے کہ اگر حضرت امیر کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حربک حربی فرمایا ہے تو ازواج مطہرات کے حق میں اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ[2] فرمایا ہے اور پھر عام والدین کے حق میں لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا[3] فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جو ام المومنین ہیں انکے حق میں تو اس سے بھی زیادہ تاکید ہوگی اب میری یہ غرض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال ایمان میں بھی شرک کی گنجائش نہیں جو یوں کہیئے کہ اور وں کی والدہ نہیں انکی نہ تھیں پھر کیا یہی احسان تھا کہ ایسی والدہ کا یوں مقابلہ کرتے اور اگر یہ خیال ہے کہ حضرت عائشہ خطا پر

---

[1] اور جو قتل کرے گا مومن کو قصداً تو اسکی سزا جہنم ہے اسمیں ابدالآباد رہیگا اور خداوند تعالیٰ اسپر غضب فرمائیگا اور اسپر لعنت بھیجے گا اور اسپر بہت بڑا عذاب ہے - ۱۲
ف مومن عاصی کو خلود فی النار نہوگا یہاں خالداً کا لفظ تغلیظاً اور تنبیہاً مذکور ہے - ۱۲ - محمد حسین مانکپوری عفی عنہ -

[2] نبی بہت نزدیک و دوستی ہے مومنین کے ساتھ انکی جانوں سے اور بیبیاں اسکی تمام مومنین کی مائیں ہیں - ۱۲

[3] پرستش کرو تم سوائے خدا کے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو ۱۲

ہمین کو یہ بات کس منہ سے مناسب ہے سنی کہین تو کہین شیعوں کا منہ کہنے کی گنجایش نہین کیونکہ آیت
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا[1][2] اگر کچھ دلیل عصمت ہے
دلالت کرتی ہے اور پھر یہ آیت دیکھ لیجیے کس کی شان مین نازل ہوئی ہے ازواج مطہرات یا حضرت
علی کی کلام اللہ موجود ہے دیکھ لو ازواج کا ذکر ہے یا حضرت امیر کا اور اگر حدیث عبا پر کوئی لحاظ ہو تو
اُس سے تو صاف یہی بات نکلتی ہے کہ یہ آیت اُنکی شان مین نازل نہین ہوئی ورنہ اس دعا کی کیا
حاجت تھی کہ عبا مین پنجتن کو شامل کر کے یہ فرمایا۔ اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي الخ بالجملہ دعا کرنے سے
جیسے دخول پنجتن زمرہ اہلبیت مین معلوم ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اُنکی شان
مین نازل نہین ہوئی ہان اگر یہ دعا قبل نزول آیت ہوتی تو یہ احتمال تھا کہ دعا ہی باعث
نزول ہوئی مگر اُنہین سنی ہی نہین شیعہ بھی اسطرف ہین کہ آیت پہلے نازل ہوئی دعا پیچھے یعنی
پنجتن کو پہلے سے اہلبیت فرمایا یہ نفرمایا کہ اُنکو اہلبیت مین داخل کر دے سو اسکی وجہ یہ تھی
کہ اپنے اور بیگانے اپنے نہین ہو سکتے جو قرابت ہے وہی رہتی ہے کوئی غیر آدمی کی نسبت بیٹا
تو کر نہین سکتا کہ الٰہی یہ شخص میرا حقیقی بیٹا بنا دے ہان جس سے محبت شدید ہوتی ہے اُسکو
بیٹا خود کہہ دیا کرتے ہین اگرچہ بیگانہ ہی کیون نہو لے پالک کو عرف مین بیٹا کہتے ہین لیکن حقیقی بیٹا
ہونا ممکن نہین اسیطرح جو اہلبیت نہون اُنکا اہلبیت ہو جانا ممکن نہین جو اُنکی یہ دعا کیجاتی کہ الٰہی
اُنکو اہلبیت حقیقی بنا دے ہان اُنکے ساتھ بھی معاملہ اہلبیت کا سا تھا اسلئے فرمایا کہ الٰہی یہ
بھی میرے اہلبیت ہین تو اپنا وعدہ انکے ساتھ پورا کر اور اگر یون کہیے کہ اہلبیت تو پہلے ہی سے
تھے پھر دعا کیوقت اس نعمت سے اُنکو یاد کر لیا تھا سو یہ بات غور سے دیکھئے تو بہتر ہے ہم نہین
کیا جناب باری عزاسمہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اہلبیت نبوی کون ہین جو آپ کے جتلانے اور بتلانے

[1] اللہ تعالےٰ یہی چاہتا ہے کہ تم مین سے رجس یعنے خباثت معاصی ظاہراً و باطناً دور فرمائے اے اہلبیت اور تمکو طاہر کرے جیسا کہ حق طہارت کا ہے ۱۲

[2] عنکم مین ضمیر جمع مذکر بوجہ لفظ اہل کے ہے جو مضاف بیت کا تھا اور مراد اہلبیت سے بالاصالۃ ازواج مطہرات ہی ہین اور عادت ہے کہ تذکیر و تانیث ضمائر بسبب لفظ ہے اگر مرجع لفظاً مذکر ہے تو مذکر اور مونث جیسا کہ ایک مقام مین ملائکہ کی طرف سے حضرت سارہ زوجہ حضرت خلیل عاشق رب جلیل کو خطاب فرمایا کہ رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم اہل البیت اگرچہ حسب سیاق علیکن [illegible]

کی ضرورت ہوئی جب خداوند کریم نے وعدہ تطہیر کر لیا تھا آپ پورا کرتا پھر دعا کی کیا حاجت
تھی بالجملہ بروے انصاف شیعون کے حق مین بھی یہی ہوگا کہ آیت تو ازواج مطہرات ہی کی شان
مین ہے ان جیسا کوئی بادشاہ کسی امیر سے وعدہ کرے کہ تمہارے گھر کے لوگون کو مین انعام
دونگا اور وہ امیر وقت تقسیم انعام اپنی دختر و داماد و نواسون کو بھی لیجاوے اور یہ کہے کہ آپنے
میرے گھر کے لوگون کے لئے وعدہ انعام کیا تھا یہ بھی میرے گھر کے لوگ ہین کچھ اجنبی نہین تو وہ
بادشاہ بلوجہ ذکرکہ جانتا ہے کہ بیٹی دوسرے گھر کی چاندنا ہے گھر کے لوگون مین داخل نہین تو ابیے
اور داماد تو در کنار گھر کے لوگ اگر ہین تو بی بی ہے چنانچہ اہلبیت کا ترجمہ ہے اہلخانہ یا فرزند وغیرہ
جو اُسکے گھر رہتے ہین مگر بوجہ عموم کرم و مزید قدر شناسی امیر مذکور اُنکو بھی انعام دے تو کچھ
بعید نہین ایسے ہی یہان بھی سمجھنا چاہیئے کہ پنجتن باوجودیکہ شرف گوناگون رکھتے ہین پر اصل سے
اہلبیت مین نہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ماوراے دیگر انعامہا بے پایان
انعام اہلبیت مین بھی شریک ہو گئے چنانچہ قرینہ دعا نبر عمدہ شاہد ہے اور بہت ہاتھ پاؤن
ماریے تو یہ بات بن پڑتی ہے کہ لقب اہلبیت تو اصل ہی سے ازواج اور پنجتن دونون پر شامل ہو
پر خطاب خاص ازواج ہی کے ساتھ ہے گو وعدہ مذکور سب کے ساتھ ہو جیسے کوئی بادشاہ
اپنے نوکرون مین سے ایک نوکر کو بلا کر یون کہے کہ ہمارا ارادہ ہے کہ کل نوکرون کو انعام دین
سو یہ خطاب اُسی ایک کے ساتھ ہے پر وعدہ سب نوکرون کے لیئے ہے بالجملہ پنجتن کے
اہلبیت مین داخل ہونے کی دو صورتین ہین ورنہ اصل سے یہ آیت ازواج کے حق مین ہے
اُنکے خارج اہلبیت ہونیکا کوئی احتمال نہین اگر ہے تو اہلبیت کے خارج ہونیکا احتمال ہے اگرچہ
غلط ہو کیونکہ باتفاق اہلسنت وہ بھی اس فضیلت مین شریک ہین اول سے تھے یا پیچھے ہو گئے
پھر جب یہ آیت مذکور عصمت پر دلالت کرے چنانچہ شیعہ بھی پنجتن کی عصمت اسی سے ثابت کرتے ہین تو
ازواج مطہرات بدرجہ اولی معصوم ہونگی اُنہون نے جو کچھ حضرت امیر کے ساتھ کیا سب بجا ہوگا پھر کیا وجہ ہوئی کہ حضرت[۱]

---

[۱] اور کیسی اطاعت کہ بحکم وصیت نبوی خلافت بلا فصل سے ہاتھ دھو بیٹھے دم نہ مارا احکام شرعیہ مرتب و حسب

امید نہ انکے ام المومنین ہونیکا لحاظ نکیا فرزند کو والدین کی اطاعت چاہیئے والدین کو فرزند
کی اطاعت کی کچھ حاجت نہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امیر کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہوئی کیونکہ وہ حضرت امیر کے حق میں بمنزلہ باپ کے تھے یہ نہو تا
تو حضرات ازواج مطہرات ام المومنین کیوں ہوتیں لیکن عجب حضرت امیر نے باوجودیکہ بعقیدہ
شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل معلوم ہوتے ہیں چنانچہ حدیث مندرجہ سوال سوم سے
واضح ہے اور نیز حال قال شیعہ سے ٹپکا پڑتا ہے زبان سے کہیں یا نہ کہیں باینوجہ رسول اللہ
صلی اللہ وسلم کی اطاعت اختیار رکھی کہ بمنزلہ والد تھے تو حضرت عائشہ انکے حق میں بمنزلہ والدہ
تھیں اور پھر والدہ بھی کیسی کہ معصوم آپکی اطاعت اور فرمانبرداری بھی انکو ضرور تھی سواب
حضرات شیعہ کیخدمت میں غرض یہ ہے کہ اپنے اعتراضات کا جواب تو دندان شکن لے چکے
ہمارے ان اعتراضات کا جواب چاہیئے باقی رہا یہ قصہ کہ حضرت ام حبیبہ نے گوسفند بھونکر
حضرت عائشہ کے پاس بھیجا اور انکے بھائی کی نسبت کہلا بھیجا اور حضرت عائشہ نے گوشت
کھانا چھوڑ دیا اول تو یہ قصہ بے سند ہے اور اگر ہو بھی تو اسکا ذکر کرنا اور مباحثہ کو ایسے مضامین
سے طول دینا خود جنگ زنانہ ہے صاحبو مباحثہ ہے کوئی سینہ پیٹنا نہیں جو حضرات شیعہ عورتوں کی
طرح ایسی باتیں گاتے ہیں اسکے جواب میں فقط یہ شعر کافی ہے ؎ الجھنے کو بلا میں آپ تو
کچھ خبر ہے صاحب زنگیا ہاتھ کسنے آپکی زلف پریشان کر غرض ایسی باتوں سے دین شیعہ مستحکم
نہیں ہوتا حقانیت کیلئے سند ہاتھ نہیں آتی پھر کیا فائدہ جاہلوں کے دلیں دیوانوں کی طرح شک و
ڈالتے ہیں السوال الثالث حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اُعطیتُ فی علی خمسٌ
یعنی دی گئیں علی میں پانچ چیزیں قیامت میں۔ ساقی کوثر ہونگے دوم لوائے حمد آپکے ہاتھ میں ہوگا
قائلین جناب امیر زیر لوائے حمد ہونگے۔ سوم پل صراط سے کوئی نہ گذرے گا مگر وہ شخص کہ جسکے
ہاتھ میں تحریر علی بن ابی طالب ہو گی۔ چوتھے جناب امیر قسیم جنت و نار ہونگے کہ روز قیامت خود

در القیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۰ الکلام اللہ مین اتنا ثبرا لئے بعبیر ہوا مسئلہ لیا پریشان زلفکو ہاتھ کہے ہونے لباس نفسہ جیسکے اتار ڈالا ۱۲ احمد حسین کمیرے

دوزخ کہے گی هَلِ امْتَلَأْتِ یَا جَهَنَّمُ یہ میرا ہے مجھے دعا اور یہ تمہارا ہے اب تم لو یعنی دوزخ
کو تم لو اور دشمن کو مجھے دو۔ پانچویں حبیب خدا حساب خلق میں مشغول ہوگا اسوقت جناب
علی مثل خداوند جبار و قہار حاضر ہو جاوینگے کما ہو فی صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۵۔ الجواب اما الثالث
اس سوال سے کچھ معلوم نہوا کہ غرض سائل کیا ہے لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت حضرت
رابع الخلفاء سید الاولیاء امیر المومنین علی رضی اللہ تعالی عنہ مد نظر ہے یا بایں وجہ در پردہ خلفاء ثلثہ
کے عدم استحقاق کا اظہار ہے سو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ حدیث مسطور اسنیون کے نزدیک
احادیث معتبرہ میں سے نہیں نہ صحاح ستہ میں ہے نہ مشکوۃ میں نہ اور کسی حدیث کی کتاب
میں پائی جاتی ہے الحاصل اول تو کتاب حدیث کی نہیں رد روافض میں ایک کتاب ہے اور
اگر فرض کیجئے اسمیں کسی حدیث کا ہونا بھی سنیون کے الزام کیلئے کافی فرمائی تو ونہا ہی ہے
جیسے حدیث کی کتابوں میں ہے کسی حدیث کا ہونا تو پھر کیا اہلسنت و جماعت اپنی
کتابوں میں صحیح اور ضعیف معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں مگر اسکی تین صورتیں
ہیں ایک تو یہ کہ مصنف کتاب یہ التزام کرے کہ اپنی کتاب میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی
قسم کی حدیث بیان نکرے جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ انکی مثال ایسی ہے جیسے
نسخہ طبیب کہ اسمیں جو ہے بیمار کے لئے مفید ہے اور ایک یہ صورت کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم
کی حدیثیں لاتے ہیں پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہجاتے ہیں جیسے
ترمذی شریف کہ اسمیں کسی حدیث کو لکھکر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہجاتے
ہیں انکی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مفردہ مرکبہ نافع مضر سب لکھتے ہیں
پر اسکے ساتھ یہ لکھدیتے ہیں کہ یہ دوا غذا نافع ہے اور یہ دوا مضر سو کتب طب میں دیکھکر
نادان بھی نہیں کہتا کہ فلانی دوا یا غذا طب کی کتاب میں ہے آؤ استعمال کریں ایسے ہی
احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھکر کا ہے استدلال میں استعمال بھی کسی عاقل کو نہیں
آسکتا تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف کتاب اپنی کتاب میں موضوعات یا احادیث ضعیفہ

جمع کرے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دیندار آن بہا آوے لوح ان احادیث کو صحیح سمجھکر اُنکے موافق عمل کرنے سے باز رہیں گے یہ کتابیں ایسی ہیں جیسے طبیب زہر کی چیزوں کی تفصیل لکھکر حوالے کردے تاکہ کل کے بیں کوئی دہوکھا نہ کھا وے یہ موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں سو ایسی کتابوں سے سنیوں کے الزام کے لئے کوئی حدیث نقل کیجائے تو بڑی شوخ چشمی ہے ۔ چوتھی یہ صورت ہے کہ بطور بیاض کسی نے ایک مجموعہ لکھ رکھا اور رطب و یابس سب اُسمیں بھرے تاکہ وقت فرصت کے تحقیق کر کے صحیح کو رہنے دیگا اور ضعیف کو نکال ڈالیگا اور پھر اتفاق سے یہ اتفاق نہ ہوا یا ہوا تو وہ اصل مسودہ بیاض کسی کے ہاتھ لگ گیا اس صورت میں بھی عاقل کا یہ کام نہیں کہ اُس سے استدلال کرے اکثر غیر مشہور کتابیں حدیث کی اسی قسم کی ہیں سو غیر مشہور کتابوں سے حدیثوں کا بیان کرنا جبتک مفید مطلب نہیں کہ کسی محقق نے اُسکی تصحیح نہ کی ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ سوا اس محدث کے کسی محقق اہلسنت و جماعت نے آجتک تصحیح نہیں کی جو حضرات شیعہ کو گنجائش استدلال ہو اور ان سب کو جانے دیجئے یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے خلفاء ثلثہ پر افضلیت لازم نہیں آتی جیسے فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ میں ہے اس سے زیادہ فضیلتیں خلفاء ثلثہ میں موجود ہیں کتابیں معتبر بھری ہوئی ہیں لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں سوائے خدا کسی کو دوست و خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل سمجھتے تھے علی ہذا القیاس اور بہت سے فضائل ہیں حضرت علی کی اس فضیلت سے جو حدیث مذکور سے مستنبط ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سب سے افضل ہیں ہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کی فضیلت مذکورہ سے اُنکی فضیلت سب سے واضح ہے اور اسکو بھی جانے دیجیے ہم پوچھتے ہیں کہ حدیث مذکور اگر صحیح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل حضرت علی ہونگے یا نہونگے اگر آپ سے بھی افضل ہونگے تو ہمیں کچھ شکایت نہیں مگر جیسے باوجود افضلیہ حضرت علی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکومت نہ دی اپنے ہی تصرف میں رکھی ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی کیا اتنا فرق ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے اتباع نبوی کیا کہ حق بحقدار نہ پہونچایا اسوجہ مصیب بثواب بھی ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ اتباع سنت تو بہرحال موجب ثواب ہے تا آنکہ شیعہ بھی اسکے قائل ہیں اور سنی بھی اور اگر باوجود ان فضائل کے حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ یہ فضائل ہیں تو کیا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ فضائل ہونگے یا ان فضائل کے مقابل میں اور فضائل ہونگے تو سنیوں کی بھی یہی گذارش ہے کہ ابوبکر صدیقؓ میں بھی یہ فضائل ہونگے یا انکے مقابل اور فضائل ہونگے بالجملہ بدستاویز حدیث مذکور اگر حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوبکر صدیق سے افضل تھے تو اسی حدیث[1] کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے کیونکہ یہ فضائل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حدیث کے موافق نصیب نہیں ہوئے اور وہ بھی حضرات شیعہ کے طور پر کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فضیلت تو انکو اسی حدیث سے ثابت ہوگی کہ اس حدیث کے سیاق سے حضرت امیر کا اختصاص ان اوصاف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے پھر جب بوجہ اختصاص ایک سے افضل ہوئے ایسے ہی سارے جہان سے افضل ہونگے انمیں سید الانبیا ہوں یا سید الصدیقین اس صورت میں ابوبکر صدیقؓ کو بھی خلافت کے دبا لینے کے لئے حجت کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود افضلیت حضرت امیر کے انکو حکومت نہ دی آپ ہی قابض و متصرف رہے مجھکو لازم ہے کہ میں بھی اسی طرح حضرت امیر کو حکومت نہ دوں تاکہ حق کے دینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہاتھ سے نہ جائے علاوہ بریں وقت وفات امام مسجد کیا[1] تو ابوبکر کو کیا جس سے ہر خاص و

---

[1] غور کا مقام ہے کہ حضرات شیعہ کس زور سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ پر الجھتے ہیں اور ذرا بھی غور نہیں فرماتے کہ اول تو لفظ مولیٰ میں کیا کیا تاویلیں چسپاں ہو رہی ہیں جس سے سنیوں کے دکھوں سے چھٹکارا انہیں باور ہے ہی سو اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لفظ مولیٰ سے خلیفہ اور اپنی جانشینی کے لیے حکم فرمایا تو صرف کہا ہی کہنا ہوا یہاں لوگنا کیسا کر کے دکھلا دیا اور مسند امامت پر بٹھلا ہی دیا اگر کہیں ایسا واقعہ حضرت امیر کی شان میں وقوع میں آتا تو ہم بھی ہم باؤں کرتے ۔ ۱۲ محمد حسین مانکپوری عفی عنہ ۔

عام نے بھی سمجھا کہ جو دین کا پیشوا ہے وہی دنیا کا یعنے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے
پیشوا تھے اور امام نماز بھی تھے اور اسلئے دنیا کے بھی امام یعنے حاکم تھے ایسے ہی ابو بکر صدیق کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا امام بنایا جو سب دین اسلام کی باتون مین افضل تھے لاریب یہی دین مین
یہ سب سے زیادہ ہونگے سو انکو دنیا کا بھی امام بنانا چاہیئے علی ہذا القیاس خود ابو بکر صدیق کے
ذہن مین بھی یہی آیا ہو کہ جب مجھے دین کا امام بنایا دنیا کا بھی مین ہی امام ہون لیکن حضرات شیعہ
اسکا کیا جواب دینگے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت امیر کا حق نہ دیا آپ دبا
رکھا پھر وقت وفات بھی کیا تو وہ کیا جس سے سب خاص و عام اُلٹا سمجھ گئے تو آپنے کسی کی بروی
کی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ حاکم ہو تو افضل ہو ورنہ پھر شیعو نکو سنیون پر کیا اعتراض رہے گا اس صورت مین
یہ لازم یون تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم حضرت امیر کو بناتے آپ محکوم بنتے ایسے
بھی جا نیو در سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر تھے کچھ خوف ہوا ہوگا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے
نعوذ باللہ ڈر گئے ہونگے خود خداوند کریم باینہمہ دعوی عدل و انصاف جسکے معنی شیعون کے
نزدیک یہ ہین کہ خدا کے ذمہ عدل واجب ہے خلاف انصاف وہ کوئی بات نہین کر سکتا حضرت
امیر کا حامی و طرفدار کیون نہوا یا یون کہئیے کہ خدا کے ذمہ حق کا پہونچانا واجب نہین تب تو
سنیون کا مذہب برحق نکلا کہ خدا کے ذمہ عدل واجب نہین اسکو اختیار ہے جو چاہے سو کرے
چنانچہ خود فرماتا ہے۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ ھُمْ یُسْئَلُوْنَ [1] اور کیونکر اختیار نہو وہ سب کا مالک ہے
ظلم تو جب ہو سکے تب کسی غیر کی چیز مین بے موقع تصرف کرے اگر کوئی شخص اپنی سلطنت یا خزانہ
یا کوئی چیز کسی کمتر کو ہبہ کرے اور افضل کو ہبہ نکرے تو اسکو کوئی نادان بھی ظلم نہین کہہ سکتا یا یون
کہو کہ خدا پر عدل تو واجب ہے پر انصاف یہی تھا کہ حضرت ابو بکر خلیفہ ہون کیونکہ وہ سب سے

[1] جمعہ تمہید پر تشدید اور دلائل فصیح و بلیغ کے فرماتا ہے کہ لَا یُسْئَلُ ۔ آہ یعنے خدا ے پاک کے کل افعال محمود و مصلحت
آمیز ہین وہ مالک و مختار اپنی مخلوقات گوناگون کا ہے کسی کو مجال دم مارنے کی نہین ہے اور اگر محمود و مدلل نہون
تو ہیچ مذموم تو ہو تو ہے جو نگے بیر تو ر دو قدح اور سوال جواب کا دروازہ بند ہو نہین سکتا مگر یہ مانعیت کہ کوئی اس سے
سوال نہین کر سکتا بے معنی غرضکہ جو کچھ وہ کرے وہ سب بجا و درست ہے ۔ ۵ ملیح عدیم و حمن علی نسیم ھذا و کس را مجال کہ چون و چرا کند ۔ ۱۲

افضل تھے اہلسنت ہی پلے رہتے نہ جانیں کیونکہ عدل بھی واجب تھا اور حق بھی بعض حضرت علی کا تھا پر
تصرف باسداد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے خدا کی بھی نہ چلی زبردستی یہ دونوں حضرت علی حق دبا بیٹھے تو
سنیوں کا بھی ولول بالا رہا جنکے ایسے پیشوا انعوذ باللہ خدا کی بھی جنکے سامنے نہ چلی انکو حضرت علی کی پیروی
کی کیا پروا اور انکی ناخوشی کا کیا اندیشہ حضرات شیعہ یا توان باتوں کا معقول جواب دیں اور نہ فکر آخرت
کریں اور توبہ کریں ان سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اسطرح کے کلمات زبان پر لانے سے
واللہ جی ڈرتا ہے خدا کی شان کے نزدیک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کیا چیز ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بھی جو افضل مخلوقات ہیں اور محبوب ذات پاک ایک بندہ ہیں ایک ذرے کے ہلانے کی طاقت نہیں
رکھتے پر کیا کیجئے نقل کفر کفر نباشد حضرات شیعہ کی خرافات کو بناچاری نقل کرنا پڑا اما السوال الرابع
امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ شراب کا پینا جائز نہیں مگر بہ نیت تقوی پی لے تو مضائقہ نہیں چنانچہ اسکا کما ھو حقہ
فی شرح الوقایہ خدا تعالیٰ ذو دانا قرآن میں فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ یعنی حرام کیگئیں
تمہاری تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور امام شافعی اہل حرام کی بیٹی کو باپ پر حلال کہتا ہے کما ھو فی
شرح کتاب العربیۃ الفاضل الرشید الجزء الرابع امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اول تو ہمارے نزدیک
ایسے امام نہیں جنکی بات خدا اور رسول کی بات کے برابر ہو ایک مجتہد ہیں اگر انکی بات ایسی بھی
ہو جسپر اعتراض کی گنجائش ہو تو کیا ہوا ہمارے نزدیک مجتہد سے خطا ممکن ہے پھر وہ بھی فروع
میں اور فروع میں ایسی بات جو خواہ نخواہ ظاہر نہیں مگر ستم تو یہ ہے کہ حضرات شیعہ اماموں کے
جنکی عصمت کے شیل با بنا قائل ہیں ایسی روایتیں کرتے ہیں جو صاف کلام اللہ کے مخالف ہیں
ارشاد میں جو تصنیف علامہ حلی ہے موجود ہے کہ اپنی باندی کو دوسرے پر حلال کر دے تو اسکو
اس سے صحبت جائز ہے پھر باندیوں میں بھی کسی کی تخصیص نہیں جس سے اسکی اولاد ہو اسکا حلال
کر دینا بھی جائز ہے اور غیروں کو عاریت دیدینا تو در کنار شیعوں کے نزدیک وقف کرنا بھی
جائز ہے بلکہ ابن بابویہ قمی حضرت امام مہدی کے نام سے ایک رقعہ ایسا روایت کرتا ہے کہ جسکے

ملہ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں۔ م۔ محمد حسین بانکپوری عفی عنہ۔

سننے سے مسلمانوں کا بدن کانپتا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ مہمانوں اور دوستوں کے لئے باندیوں اور حرموں کی شرمگاہ کے عاریت دینے میں بڑا ثواب ہے اور عمدہ عبادات میں سے ہے ادھر متعہ کا آوازہ اور اُسکے فضائل کا طومار توسبھی نے سنا ہوگا یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں سُنی شیعہ ہوجاتے ہیں اور کیونکر نہوں جیتے جی یہ مزا اور مرنے کے بعد حضرات ائمہ کا مرتبہ نصیب ہو قطرات غسل سے فرشتے پیدا ہوں ایسا دین اور ایسا ایمان قسمت سے ملتا ہے اعتبار نہو تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی میں اس آیت کی تفسیر میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً دیکھ لیں مینے تو کچھ بھی نہیں لکھا اُنہوں نے وہ فضائل نقل کیے ہیں کہ جنکے سننے کے بعد رمضان کے روزے بھی بطل تھنڈا ہوا جاتا ہے بلکہ کوئی عبادت متعہ کے سامنے اُنکی آنکھوں میں نہیں جچتی غرض ایسی ایسی لذتوں کی بدولت اس مذہب کو رونق ہوئی نہ جہاد اور اجتہاد ائمہ تو معلوم جس سے یہ فروغ ہوتا اور کہہ سکتے ہیں کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں سے اسلام کو فروغ ہوا اماموں کے اجتہاد کے سبب شیعہ کو فروغ ہوا لیکن باینہمہ صاف کلام اللہ کے مخالف سورۂ مومنون اور سورہ معارج میں دیکھیے یوں فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ جسکا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بی بی اور باندی کے سوا اور کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ حد سے نکل جانیوالے ہیں اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت بی بی ہے نہ باندی تو اسلئے نہیں کہ بشہادت آیۃ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ نکاح چار سے زیادہ جائز نہیں اور متعہ میں شیعوں کے نزدیک یہ قید نہیں اور لفظ نکاح سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی تو اس ہٹ دھرمی کا یہ علاج ہے کہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں

پس جن عورت سے تم بسبب عقد نکاح کے فائدہ و حظ اُٹھا چکے تو تم اسے اُسکا مہر مقررہ دیدو - ۱۲

اس سے پہلے اللہ پاک . . مومنین کاملین کی فلاح دارین کا وعدہ فرما کر انکی علامات وحالات تسلسل فرماتا ہے کہ وہ ہی لوگ نماز تو دل اور نہایت عجز و نیاز سے ادا کرتے ہیں اور وہ ہی لوگ حرکات وسکنات اور افعال واقوال بیہودہ [illegible] سے بچتے ہیں اور وہی لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی لوگ شرمگاہ [illegible] سوائے حلال کے کسی طریق سے وضع فرماتا ہے کہ مگر اپنی منکوحہ بیبیوں اور مملوکہ لونڈیوں سے مباشرت کرنے میں کوئی زجر و ملامت نہیں ہے علاوہ انکے کل صورتوں کو حرام فرماکر تنبیہ یوں فرماتا ہے کہ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنے جو لوگ اسکے سوا اور کوئی صورت عیاشی کی

فرماتے ہیں جو لھن کو بغیر مما ترکتم اور لھن کی ضمیر ازواجکم کیطرف راجع ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے اور ازواج سب جانتے ہیں کہ بی بی کو کہتے ہیں غرض جو لفظ ازواج سورہ مومنون اور سورہ معارج میں ہے وہی سورۂ نساء میں سورہ نساء میں ازواج کی نسبت درصورتیکہ اولاد نہو ربع اور اولاد ہو تو ثمن فرماتے ہیں سو متعہ کی عورت اگر ازواج میں داخل ہوتی تو انکو میراث بتعدد مذکور ملتی حالانکہ باتفاق شیعہ متعہ کی عورت وارث نہیں ہوتی علی ہذا القیاس اور احکام مثل عدت اور طلاق اور حل وغیرہ کو جو بہ نسبت ازواج کلام اللہ میں مذکور ہیں متعہ کی عورت کی نسبت تجویز نہیں کرتے اگر اندیشہ تطویل نہوتا تو میں سب کو بتلاتا مگر یوں سمجھکر کہ کلام اللہ موجود ہے پڑھنے والے خود دیکھ لینگے اسپر اکتفا کیجاتی ہے بالجملہ زن متعہ داخل ازواج تو نہیں چنانچہ خود شیعہ بھی اپنی کتابوں میں زن متعہ کو ازواج میں شمار نہیں کرتے باقی رہا باندی ہونا اسکے ابطال کی کچھ حاجت نہیں خود ظاہر ہے کون کہدیگا کہ زن متعہ باندی ہے ورنہ بیع و شرا و عتق و ہبہ وغیرہ سب احکام جاری ہوتے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زن متعہ نہ زوجہ ہے نہ باندی تو متعہ کرنیوالے منجملہ فاولئک ہم العادون ہوئے یا نہیں یعنی منجملہ ظالمین یعنی عادین ہے جناب غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ باتفاق شیعہ منجملہ عبادات ہے سبحان اللہ سنیوں پر اُن باتوں پہ طعن جو اُنکے یہاں اگر ہیں تو منجملہ مباحات ہیں نہ عبادت پھر وہ بھی اختلافی نہ اتفاقی اور وہ بھی اجتہادی نہ بحوالہ نصوص قرآنی یا نصوص احادیث پھر انمیں بھی کوئی بات خلاف عقل و نقل نہیں دونوں اُسکے مؤید ہو سکتے ہیں چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب واضح ہوا جاتا ہے اور خبر نہیں لیتے کہ صریح زنا مخالف قرآن ہے پھر اُسکو یہ بھی کہ مباح کہکر چپ ہو رہیں بروایات ائمہ اُسکے فضائل بھی بیان کریں پھر فضائل بھی ایسے ویسے نہیں انسان گرفتار ہوا و ہوس تو درکنار فرشتہ بھی ہو تو اُن فضائل کو سُنکر لوٹ جائے اور متعہ کرنے کو تیار ہو آدمی دوسرے پر طعن کرے تو اپنی تو خبر لے لے حضرت آدم کے

(بقیہ متعلقہ صفحہ ۳۰۱) ڈھونڈتے ہیں وہ لوگ خدائے پاک کی حدود شرعیہ سے باہر نکل جانے والے ہیں۔ ۱۲

(ترجمہ متعلقہ صفحہ ہذا) سلہ اور ازواج کے لئے چوتھائی ہے تمہارے ترکہ میں سے ۱۲ محمد حسین بانکپوری عفی عنہ۔

زمانہ سے لیکر آجتک اس فحش صریح کا یہ اہتمام کسی مذہب اور کسی ملت کی دین میں نہوا ہوگا بہر
اشہر طرہ یہ ہے کہ بعض روایتون سے تو اجازت عام معلوم ہوتی ہے کنواریان اور رانڈین
بیاہیان خاوندوالیان بھی اس عیش ونشاط سے اپنا جی ٹھنڈا کرلین پھر وہ بھی ایک ہی سے
نہین دس پانچ مردون سے اختیار رہے چنانچہ علی بن احمد بہیتی جو شیعون مین بڑے جلیل القدر
عالم تھے اسپر فتوے دے رہے کہ متعہ دوریہ یعنے یہ کہ ایک عورت کئی مردونسے متعہ کرلے جائز ہے
اور وہ کیا اور بھی عالم بڑے بڑے انکے ہمزبان ہین علی ہذا القیاس اصح علماء شیعہ کے
نزدیک یہی ہے کہ خاوندوالیون کو متعہ بھی جائز ہے اور اگر یہ بات شیعیان زمانہ بروے نقل
بالفرض تسلیم نکرین تو بروے عقل قابل تسلیم بھی ہے اگر مجتہدین اولین کے خیال مین اس قسم
کے متعہ کی اباحت نہین آئی تو مجتہد العصر کو تجدید دین فرمانی چاہیے وجہ اباحت اگر ذہن مین آئی ہو
تو یہ ہیچمدان عرض پرداز ہے اور شکرانہ احسان ضرور ہے نکاح مین جو عورت کے لیئے تعداد
ازواج جائز نہین تو یہ وجہ ہے کہ نکاح از قسم معاملات ہے بیع وشرا کیطرح جس سے معاملہ
ہوگیا ہوگیا منجملہ عبادات نہین جو ثواب کی امید ہو اور تائید ثواب کے لئے دس پانچ سے
کیا جائے اور ترویج دین کے لئے خاوندوالیون کو اجازت دیجائے ہان بحمد اللہ نعوذ باللہ متعہ
مین ماشاء اللہ نعوذ باللہ یہ فضائل ہین کہ نہ پوچھیے ایک متعہ مین حضرت سید الشہدا علیہ السلام کا
مرتبہ دوسرے مین حضرت سبط اکبر علیہ السلام کا مرتبہ تیسرے مین حضرت امیر کا مرتبہ چوتھے مین
خود مقام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتا ہے اور غور کیجیے تو بقیاس صائب پانچوین
متعہ مین خدا کی امید گو وعدہ نہ سہی پھر قطرات غسل سے ملائک کا تولد ہونا کسقدر موجب برکات
ہوگا وہ ملائک اس احسان کے بدلے کیا کیا کچھ عزو زبریان دعا و استغفار مین کرینگے اور
انکی تسبیحات کا ثواب بے پایان کیسا حلوا بے دود کیطرح مفت ہاتھ آئے گا سند
مطلوب ہے تو تفسیر منہج الصادقین اللہ تیر راسی ملاحظہ فرمائین الغرض یہ فضائل متعہ اسبات کو مقتضی
ہین کہ جستقدر ہوسکے دریغ نہ کیجئے عورت کیطرف دیکھیے تو اسکے حق مین متعہ کرنا مردون کے حق مین

تجربۂ فیض رسانی ہے اگر وہ کثیر ہیں تو مردوں کو یہ فضائل کیونکر میسر آئیں علیٰ ہذا القیاس مردوں کی طرف دیکھیے تو اُنکا متعہ کرنا عورتوں کے لیے فیض کا کام ہے سو اس فیض کو طرفین میں عام رکھنا چاہیے اور نکاح پر قیاس نفرمائیں کیونکہ وہاں مقصود بالذات توالد و تناسل ہوتا ہے تحصیل فضائل نہیں ہوتا نکاح کی عورت بمنزلۂ زمین زراعت ہوتی ہے چنانچہ خداوند بھی یہی ارشاد فرماتا ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ[۱] سو اس زمین میں اگر دس پانچ کا اشتراک ہوگا تو اسکی پیداوار یعنے اولاد بھی مشترک ہوگی باین نظر کہ مقصود بالذات اس زمین سے جسے بی بی کہتے ہیں پیداوار ہے جسے اولاد کہیے جیسے زمین آبی سے اُسکی پیداوار مقصود ہوتی ہے یہاں بھی ہر کوئی اس پیداوار کا خواستگار ہوگا اور نیز خواہش طبعی تولد اولاد بھی اسی کو مقتضی۔ یہ بجز بوجہ محبت طبعی یہ ہو نہیں سکتا اسے لیجیے اُسکو نہ لیجیے جو سب میں یوں تقسیم ہو جائے در صورت تعدد اولاد ایک بچہ ایک لے اور دوسرا بچہ دوسرا لے اور نہ یہ ہو سکے کہ ہر ہر بچہ کو کاٹکر گوشت تقسیم کرلیں جیسے درصورتیکہ ایک ہی بچہ ہو صورت تقسیم بھی نظر آتی ہے اسلیے چار ناچار نکاح میں مردوں کا تعدد تو ممکن نہوا ہاں عورتوں کے تعدد میں کچھ خرابی نہ تھی پر متعہ میں مقصود بالذات اولاد ہوتی ہی نہیں بلکہ قضاے حاجت اور تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت کا روا کر دینا اور ثواب کا کام کرا دینا بلکہ بعضی صورتوں میں تحصیل اولاد ممکن نہیں جیسے ایک ایک دو دو شب کے لئے کوئی عورت روز متعہ کرتی رہے ایسی صورت میں اوّل تو بوجہ کثرت مجامعت جیسے رنڈیوں کے اولاد نہیں ہوتی اولاد کیوں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو سبھی کی ہوگی کسی ایک کی کیونکر کہدیجیے جو اُسکے حوالہ کر دیجیے پھر اولاد مقصود ہوئی تو وہی قضاے حاجت و تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت روائی اور تائید کا ثواب باقی رہا سو اسکی ممانعت قرین عقل و نقل ہرگز نہیں فیض اور ثواب کا کام جسقدر ہو سکے غنیمت ہے ایک سے کرنے میں ایک فیض اور ایک ثواب ہوگا اور دو سے اور دس پانچ سے کرنے میں زیادہ فیض اور زیادہ ثواب ہوگا علیٰ ہذا القیاس

---

[۱] تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں۔ ۱۲

خاوندوں والیوں کو اور اُنکے خاوندوں کے حق میں شیعوں میں مضرت مفقود اور منفعت موجود ہے عورت بیچاری کے حق میں اپنی تقاضائے حاجت جدی دوسرے کی حاجت روائی جدی اپنا ثواب جدا اور خاوند کی خدمت کے سبب ثواب ہونا جدا پھر خاوند کے لئے بے محنت بچوں کی اُمید بے سبب بے تعب بیٹھے بٹھائے ہاتھ آئے اس سے زیادہ اور کیا نفع ہوگا غرض جو وجہ ممانعت تھی نعوذ باللہ عورت کے حق میں نکاح میں یہاں اصلا نہیں پھر تجدید دین کو کیوں ہاتھ سے دیجیے اور کاہے کو ان تقوائے فیض سے احتراز کیجیے بالجملہ اپنے گھر کا تو یہ حال پھر شیعہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ پر طعن کریں تو یہ کریں کہ ایک نے شراب کو حلال بنایا اور دوسرے نے اولاد زنا کو حلال بنایا ہے صاحبو امام ابوحنیفہ نے اگر شراب کو حلال کہا ہے تو مطلق شراب کو حلال نہیں کہا بحالت اضطرار میں حلال کہا ہے جنہیں خود خداوند کریم نے مردار وغیرہ کو محرمات میں سے حلال کہا ہے اعتبار نہ آئے تو سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کو آیت حُرِّمَتْ[۱] عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ سے لیکر[۲] فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ تک تلاوت فرمائیں آیت حرمت علیکم المیتۃ سے اگر مردار وغیرہ محرمات کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے تو آیت فَمَنِ[۳] اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ سے انہیں محرمات کا حالت اضطرار میں جواز معلوم ہو جائیگا سو حضرات شیعہ بھی انصاف فرمائیں کیا امام ابوحنیفہ نے ایسے وقت میں اگر شراب کو حلال فرمایا تو خدا ہی کے ارشاد پر چلے کچھ خدا کی مخالفت تو نہیں کی جو اسقدر رنج و ملال ہے مگر ہاں شاید حضرات روافض کو جناب احکم الحاکمین پر بھی اعتراض کرنا ہو تو آپ کریں خیر اگر یہ ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں اور جواب کی کچھ حاجت نہیں اسوقت فقط یہ شعر کافی ہے ؎ شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد ؏ با اینہمہ امام ہمام نے اگر کہا ہے تو بوقت ضرور حلال کہا ہے

[۱] حرام کیا گیا تم پر مردار۔ ۱۲

[۲] پس بیشک اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔ ۱۲

[۳] پس جو کوئی مارے بھوک کے مرنے لگے تو مرتا کیا نہ کرتا محرمات مذکورہ کا ارتکاب یا استعمال اسکو جائز ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ یا تو گناہ کا ارتکاب و استعمال اپنی نفسانی خواہشوں کی وجہ سے نہ ہو اور دلی کی آرزو میں شکار کھیلتا ہو تو بیشک اللہ پاک غفور و رحیم ہے وہ کھا سکتا ہے

فرض و واجب سنت مستحب تو نہیں کہا جائز ہی فرمایا ہے مستوجب حصول درجات ائمہ اطہار و
سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین تو نہیں فرمایا متعہ کے برابر کر دیتے تو بجا اعتراض
تھی کہ ایسی ناپاک چیز کو ایسے پاک کام کے برابر کر دیا فقط جواز پر تو اسقدر ترشرو ہونا مناسب تھا
امام شافعی انہوں نے اگر اولاد زنا کا نکاح جائز فرمایا تو بدین نظر فرمایا کہ زنا سے نسب ثابت نہیں
ہوتا چنانچہ میراث کا نکلنا خود اسکی دلیل ہے پھر جو حرمت نسب نہوئی تو مصاہرت ثابت کیون ہوگی
اور مین جانتا ہون کہ انہوں نے کچھ بجا نہیں کہا قطع نظر اسکے کہ نسب جیسی نعمت جسکے نعمت ہونے
پر اوّل مرحبا دوسری آیت قرآن واقعہ سورہ فرقان۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ
نَسَبًا وَصِهْرًا شاہد عدل گواہ ہین ایسے فعل قبیح سے جسے زنا کہتے ہین کیونکر ثابت ہو ورنہ زنا بھی منجملہ
افعالات ہو محرمات نہو متعہ کو دیکھا کہ باوجود کثرت فضائل و وفور محامد و عظمت ثواب مثبت
نسب نہین چنانچہ اولاد متعہ کو میراث نہین پہونچتی پھر جب شیعون کے نزدیک متعہ مثبت نسب
نہو تو امام شافعی اسپر قیاس کرکے زنا کو مثبت نسب نہ سمجھے تو خفا ہونے کی بات نہین شیعون کو
آفرین و تحسین کرنی چاہئیے ہان یہ شکایت ہو تو بجا ہے کہ زنا متعہ کے ساتھ زنا مشہور کو اتنی
برابری مین بھی بے ادبی ہے زنا متعہ کجا زنا مشہور کجا پھر زنا معلوم کو ایسی زنا کے ساتھ کہ جو
عبادت ہو اتنا بھی مشابہ نکرنا چاہئیے اگر یہ شکایت ہے اور یہ اعتراض تو اسکا جواب
اہلسنت کے پاس نہین اور ہے تو یہ ہے مصرعہ جواب جاہلان باشد خموشی خ
لیکن شیعہ انصاف کرین تو جائے شکایت نہین ہان زنا مشہور کو فضائل مین زنا متعہ کے
برابر کر دیتے تو بیجا تھا اب کیا ہے ابھی زمین و آسمان کا فرق ہے اور ان سب باتون کو جانے
دیجیے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی سنیون کے نزدیک شیعون کے سے امام نہین جو انکی
غلطی سے سنیون کا کوئی رکن مذہب ڈھہ جائے علاوہ برین مسائل مذکور کچھ اصول احکام
مذہب اہلسنت اور مسائل متفق علیہ مین نہین پھر انکی حلت و حرمت السی زبان عام خاص

سلہ اللہ وہ ایسا حکیم و دانا ہے جسنے ناپاک نطفہ سے انسان کو پیدا کیا پھر نہیں قرابت و نسب اور رشتہ سسرالی قائم کر دیا۔

نہین ہان متعدد ائمہ شیعہ کی روایت سے ثابت ہے جنکی طرف بطور شیعہ احتمال خطا
ممکن نہین پھر مسائل متفق علیہا اور اصول مذہب مین سے اگر کوئی اس مسئلہ کو نمانے تو
وہ شیعہ نہین تسپر اسکی علت ایسی واضح کہ کسی پر مخفی نہین اب لازم یون ہے کہ ہمارے
اس اعتراض کا جواب دیجیے ورنہ شرط انصاف نہین کہ دوسرون پر تقاضا اور اپنے آپ
آئین غائین بتلائین باقی فروع کو بھی اسی پر قیاس کیجیے مصرعہ قیاس کن ز گلستان
من بہار مرا غرض ہا اصول کی کچھ نہو جیسے ائمہ کو انکے اعتقاد کے موافق علم ازل و ابد اور
اپنی موت و حیات کا اختیار [1] جسکے بطلان پر بیسیون آیتین کلام اللہ کی گواہ زیادہ فرصت
نہین ایک ایک آیت دونون کے بطلان کے لیے پیشکش ہے اول کے لئے [2] قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ جو سورہ نمل مین
واقع ہے اور دوسرے مسئلہ کے ابطال کیلیے [3] إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ
سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ جو کئی جا لفظ فا کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ واقع ہے سوا اسکے اور کچھ حاجت
نہین مشتے نمونہ از خروارے ہان اگر اسبات کا اعتبار نہو کہ شیعہ کا یہ اعتقاد اور یہ مذہب
ہی نہین تو کلینی کو ملاحظہ فرمائین اور پھر یہ فرمائین کہ سنیون پر تو ذرا سے کلام اللہ کی مخالفت
بھی موافق مصرعہ (مومن) مین الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا ؂ اپنے ہی قصور
فہم سے مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اپنی خبر نہین لیتے کہ اصول سے فروع تک جتنے مسائل
ہین سب کے سب کلام اللہ کے مخالف اور پھر مخالف بھی کیسے کچھ کہ آئی پناہ موافقت کے لیے

[1] مین حضرات سے پوچھتا ہون کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو زہر نوش فرما کر ہم آغوش شہادت ہوئے تو اسکی کیفیت سے واقف تھے یا نہین اگر واقف نہ تھے تو انکو علم ازل و ابد اور علم ما کان اور ما یکون نہین اور آپکا یہ عقیدہ غلط اور اگر واقف تھے تو دیدہ و دانستہ ہلاک ہوئے اور خودکشی کی جسکی قباحت سے سارا زمانہ واقف ہے ۔ ۱۲

[2] اللہ پاک اپنے حبیب لبیب سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد تم کہدو لوگون سے کہ تمام مخلوقات ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کوئی بھی ہون غیب دان کوئی بھی نہین اور نہ کوئی جان سکتا ہے کہ ہم کب پھر کر جئین گے ۔ ۱۲

[3] جب انکی مدت حیات پوری ہو گی تو نہ ایکدم کی فرصت دیکر پیچھے ہٹا اور نہ انکو اختیار قبل اجل مر سکنا کہ ...

دوسرا کلام اللہ چاہیے اس کلام اللہ کی موافقت تو معلوم واللہ اعلم - السوال الخامس
معلوم نہین کہ سیہ پوشی خانۂ کعبہ اور سیہ پوشی خلفاء عباسیہ کہ جنہین جلال الدین سیوطی
گروہ امام اہلسنت ہے مصداق آیہ لہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے
قرار دیا گیا کتابہے اعتراض کرنا از راہ جہالت کے بس پوشیں کا خیال نہین اور دسوان بیوان
چہلم وغیرہ ہوتا ہے بجز مصائب امام حسین علیہ السلام کے اور کچھ نہین ہوتا بخلاف اسکے
اہلسنت موافق خدا اور رسول کے جانتے ہین کہ خرقہ کو اعضاء تناسل پر لپیٹکر فرج زن مین
داخل کرے اور حرارت فرج اُس سے معلوم نہو اور انزال بھی نہو تو صحبت اور داخل کرنا
باعث حرمت کا نہین آمین مادر اور خواہر اور اجنبی سب برابر ہین یہ بات لذت کی
شرع مین موافق خدا اور رسول کے ہے اس صورتمین نہ غسل واجب ہوگا نہ حج مین فساد
ہوگا نہ حرمت کسی کی ثابت ہوگی بہذا عبارتہ وَلَفَّ ذَكَرَهٗ بِخِرْقَةٍ ثُمَّ اَدْخَلَهٗ اِنْ وَجَدَ حَرَارَةَ
الْفَرْجِ وَاللَّذَّةَ تَفْسُدُ وَاِلَّا فَلَا فَلَا تَشْمِيْتَ اِذَا كَانَ عَامِدًا اَوْ نَاسِيًا عَالِمًا اَوْ جَاهِلًا مُخْتَارًا
اَوْ مُكْرَهًا حَلَالًا اَمْ اِمْرَأَةً وَّلَا شَيْءَ عَلَى الْمُكْرَهِ اِلَخ كَمَا هُوَ فِی بَحْرِ الرَّائِقِ شَرْحِ كَنْزِ الدَّقَائِقِ ۱۲
اَلْجَوَابُ الْخَامِسُ۔ اس سوال کا جواب کیا لکھیے جیسے اپنے مذہب کی اور اہل مذہب
کی دردمندی باعث تحریر جواب ہے ایسے ہی حضرات شیعہ کی خوش فہمی پر افسوس موجب
پیچ و تاب ہے علماء شیعہ کو اعتراض کرنا نہین آتا تو اہلسنت سے سیکھ لیتے جہان کلام اللہ
کا استاد بنایا تھا تو اسکا بھی بنائے کیونکہ اگر وہ نہوتے تو پھر کلام اللہ ہی جہان مین نہوتا فہم

لہ فرمانبرداری کرو خدائے عظیم کی اور فرمانبرداری کرو اُسکے رسول کریم کی اور وہ لوگ کہ جو خلیفہ یا امام حاکم وقت ہوں ۱۲
سے اس آیۂ شریفہ سے اطاعت اولو الامر کی وہین تک ہے جہانتک موافق خدا و رسول کے ہو اسلیے کہ مابعد اسکے فرمایا ہے
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یعنے اگر کسی امر مین تم باہم اختلاف
کرو تو اسے رجوع کرو طرف خدا و رسول کے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز آخرت پر پس اختلاف کی صورت مین کتاب اللہ اور کتاب
الرسول ہی حجت قرار دیا نہ کسی امام مجتہد کا قول و فعل حجت نہین امام اور مجتہد پر بھی اتباع کتاب اللہ و کتاب
الرسول لازم و واجب ہے تو اب عصمت ائمہ کی کوئی حاجت نہین کیونکہ اصل حجت شرعی قرآن و حدیث ہے باقی اور امور سب
اسکے توابع ہین - ۱۲

مطلب مین بھی اثنین کی جو بنیان سینہ کو بی کرتی تھین دلیل کیا ہے مدلول کیا ہے کجا خانہ کعبہ اور
کجا خلفاء عباسیہ کی سیہ پوشی کجا حضرت سید الشہداء کے ماتم کی سیہ پوشی غم اور فرحت مین
زمین و آسمان کا فرق آنکھ کھولکر تو دیکھو وہ کہان اور یہ کہان اجی حضرت کچھ انصاف فرمائیے
خانہ کعبہ پر نوحہ کرنے والے کو کیونکر قیاس کرین وہ خدا کا گھر یہ خدا سے بیخبر اگر خدا یاد ہوتا
تو یہ گریہ وزاری اور نوحہ و بیقراری نہوتی خدا تو فرمائے وَاصْبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ[1]
یہان رونے دہونے سے کار۔ خدا تو فرمائے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ[2] یہان بر عکس جب
صاحب حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے صدمات سے صدمہ ہے تو صبر کیجیے خدا کی اطاعت
ہاتھ سے نہ دیجیے اگر رنج و صدمہ نہین اور یہی سچ ہے تو کالے کپڑے اور جھوٹے آنسوؤن سے
محبت نہ کیجیے اگر یہی دین و آئین ہے تو منافقین زمانہ نبوی بدرجہا اولی دینداری و مستحق
کرامت پروردگار رہینگے آپ اگر اظہار محبت سید الشہداء علیہ السلام کرتے ہین تو وہ اظہار
محبت سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کرتے تھے انکے اگر جی مین محبت نہ تھی تو محبت آپکے
جی مین نہین باقی رہی سوزخوانی تصور واقعہ کربلا سے اگر رونا آتا ہے تو آئین آپکا کیا کمال ہے
مجوس یہود و نصارا بھی اگر اس کیفیت کو سنین تو رو دین[3] کیفیات مصائب کو سنکر اجنبی کو بھی
رونا آجاتا ہے اسے محبت نہین کہتے چنانچہ ظاہر ہے اور آپ بھی جانتے دیکھیے اگر یہی قیاس ہے
تو کل کو بوجہ مقبولیت غم امام علیہ السلام سیہ پوشان محرم الحرام دعوی مسجودیت کرینگے وہی
خانہ کعبہ جسکی سیہ پوشی دستاویز سیہ پوشی محرم ہے قبلہ نماز اور مطاف عشاق جانگداز ہے جب

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۷) ؎ اگر اپنے ذکر مین کپڑا الٹا اور دخول کیا اگر چہ انزال نہ ہو یا اپنے گری فرج کو اور دبر کو تو البتہ حج کو فاسد کرینگے
اور نہین بس منزل کو تم کو اس صورت مین جب قصداً ہو یا بہول کر دانستہ ہو یا نادانستہ اختیاری حالت مین یا مجبوری مین اور نہین
رجوع ہے محمود پر جیسا کہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق مین ہے۔ ۱۲ محمد حسین ہانکپوری عفی عنہ۔
(نوٹ متعلقہ صفحہ ہذا) [1] بیشک اللہ پاک صبر کرنیوالونکو دوست رکھتا ہے۔ ۱۲
[2] صبر کرو تم بیشک اللہ تعالے صابرون کے ساتھ ہے۔ ۱۲
[3] اگر محض کیفیت واقعی پر ہوتا تو پہلی بیرونی مین مرثیہ گرنے کی حاجت ہی کیا تھی قصہ سیدھا سادا کر یاد آتے
فرو دستی کیا الحاصل بیرونی بھی کہین رقت بھلا کہین نہوا اللہ دی سنگدلی ایک رونے مین آتا طوفان بے تمیزی کا ساکرتا

سیہ پوشی رہان سے اگر الٰہی تو قبلہ و کعبہ بننے کے لئے کون مانع ہے حضرت قبلہ و کعبہ مجتہد العصر
تو برائے نام قبلہ و کعبہ ہین پر نوحہ کنان و سیہ پوشان محرم واقعی قبلہ و کعبہ بنین گے اور حضرت
مجتہد العصر بھی ناچار انکی جانب جھکین گے آخر ہم سنتے ہین کہ حضرت مجتہد العصر در بارہ سیہ پوشی
و سینہ زنی و تعزیہ داری و مرثیہ اتنا اہتمام اور ان امور خیر مین جو مشعر محبت اہلبیت ہین مثل عوام
اجتہاد نہین فرماتے علی ہذا القیاس مجتہدان سابق کا بھی حال ایسے ہی سنتے چلے آتے ہین بالجملہ
قیاس کرنے کو کوئی ساتھ ہی چاہیے لباس خانہ کعبہ پر لباس نوحہ گران بےصبر کو قیاس نکرنا
چاہیے وہ اور قسم کی چیز مظہر ان غم اور قسم باینہمہ ایک قسم کی چیز مین بھی ایک کے حال کا لحاظ
ضرور ہے بیمار کو صحیح تندرستون پر قیاس کرکے بدپرہیزی کی چیز نہ کھلانی چاہیے اگرچہ
دونون ایک ہی قسم کی چیز ہین سو جیسے صحیح تندرستون کو بلا ئذذ دہ کھانے مین کچھ حرج نہین
اور بیمار کھائے تو خیر نہین ایسے ہی خانہ کعبہ کی سیہ پوشی جائز ہو اور نوحہ گردن کے لئے ناجائز
ہو تو کیا مضائقہ ہے ہان اگر سیہ پوشی دین کے مقدمہ مین ایسی ہوتی جیسے زہر قاتل نہ آدمی کے
لئے کہ نہ تندرست کو کھانا چاہیے نہ بیمار کو تو اُس وقت اس اعتراض کا موقع تھا ہم کہتے ہین کہ جو
چیز اصل سے بُری ہے وہ سب جگہ بُری ہے گر لباس کسی کے نزدیک کسی مذہب مین اصل سے
بُرا نہین جو یون کہیے کہ خانہ کعبہ کے لیے بھی بُرا ہے اور خاندار عبا سیہ کے لیے بھی بُرا ہے
اسمین اگر بُرائی ہے تو اسی وجہ سے جو در باب مرثیہ خوانی جواب سوال اول مین مرقوم ہو چکی یعنی
بوجہ کہ یہ کام شیعون کے نزدیک اُن کامون سے ہے جن کامون پر ثواب کی اُمید رہے پھر
باینہمہ نہ کلام اللہ مین اسکا پتہ نہ حدیث شریف مین اسکا نشان کلام اللہ کا عالی تو ظاہر ہے
بلکہ کلام اللہ مین اگر ہے تو صبر کی تاکید ہے نہ یہ کہ جزع فزع کیا کرو اور ماتم کی ممانعت ہے نہ یہ کہ غم کی
صورت بناکر سب کو جتلایا کرو چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا ہے یہی احادیث نبوی وہ کلام اللہ کے
موافق ہے اور کیون نہو آیت شریف ۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جسکے یہ معنی ہین

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۲) فطرت کی اس حالت پر اسلام نازنار رو رہا ہے۔ ۱۲ محمد حسین بٹالوی عفی عنہ۔

کرامتا سی ہمنے تجبیر کتاب جسمین سب چیز کا بیان ہے یون معلوم ہوتا ہے کہ احادیث بجز تفصیل
اجمال اللہ اور شرح مشکلات قرآن اور کچھہ نہو گا[1] ورنہ احادیث مین سوا ے کلام اللہ
اگر اور بھی ایسے احکام ہون جنکا کلام اللہ مین صراحۃً و اشارۃً ذکر نہو تو پھر اسکی کیا صورت
ہ کہ کلام اللہ مین سب چیز کا بیان ہے سو باین نظر کہ کلام اللہ مین جو ہر کی تاکید ہے اور انما
حما نفعین صاف صاف ہین اور اس قسم کی خرافات کا اصلا ذکر نہین جو حضرات شیعہ محرم اور
ین کرتے ہین اہل فہم کو یقین ہو گیا ہو گا کہ احادیث مین جو ہو گا اسی کے موافق ہو
ایک صورت مین اس قسم کے واہیات موافق آیہ[2] اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَاءَ سب ممنوع ہونگے اور پھر موافق آیہ[3] وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ان کامون کے کرنے والے داخل زمرہ ظالمان ہونگے ہان اگر سل
چپاسیہ اور لباس خانہ کعبہ سیہ پوشی موجب ثواب نہ سمجھے جیسے بہت سے اہل شوق
سبز زرد و غیرہ الوان کے کپڑے پہنتے ہین اور کچھہ موجب ثواب نہین سمجھتے تو یہ کام ممنوع
بالجملہ موافق آیہ مذکورہ اور نیز موافق حدیث مشہورہ مذکورہ[4] مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا
مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ اور نیز موافق حدیث۔[5] کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ
جو باتین کلام اللہ اور حدیث مین ثابت نہون پھر انکو بے ضرورت شرعیہ ثواب س
کرے تو وہ باتین سب منجملہ بدعات ہونگی باقی وہ چیزین جو بوجہ ضرورت شرعیہ
کلام اللہ اور حدیث مین ثابت ہو چکین موجب ثواب ہوتی ہین تفصیل انکی ممکن نہین ہا
نظیر مدنظر ہو تو بغور سنیے کہ منجملہ انکے توپ و بندوق سے جہاد کرنا دین کی کتابون مین لکھ
یہ جملہ اشیا فراہم کرنا عین دین کا کام کرنا ہے یعنی یہ چیزین ہر چند کتاب اللہ و سنت ر

[1] دیکھو پہلے سوال کے جواب کو۔۱۲
[2] اسکا ترجمہ بھی وہین ہے ۔ ۱۲
[3] جنے ہمارے اس دین مین کوئی نئی بات نکالی جو کہ ہمارے اس دین مین سے نہین ہے تو وہ بات مردود ہے۔
[4] جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے اور وہ دوزخ مین لیجانیوالی ہے ۱۲

اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر انکی مثال ایسی ہے جیسے طبیب نسخے میں دو تولہ شربت بنفشہ
لکھے اور بیمار کسی سے شربت بنفشہ کی ترکیب دریافت کر کے دوائیں جمع کرے مٹھائی لائے
بنائے آگ جلائے قوام پکائے شربت بنفشہ بنائے ہر چند اتنے بکھیڑے کی نسخہ میں تصریح نہ
مگر باین نظر کہ شربت بنفشہ بے اس بکھیڑوں کے حاصل ہو نہیں سکتا لاچار کرنا پڑے گا
اس بکھیڑے کا کرنا امتثال امر طبیب سمجھا جائیگا موجب خوشنودی طبیب ہوگا سو جیسے
نے نسخہ میں دو تولہ شربت بنفشہ ہی لکھا تھا اور اس جھگڑے کا اصلا ذکر نہ تھا اور یا ایں ہمہ
کرنا باعث ناخوشی نہیں بلکہ اگر شربت بنفشہ تیار نہ ملے تو اس جھگڑے کا نکرنا البتہ موجب
ہی ہوگا ایسا ہی تصنیف کتب اور آلات مذکور کا ہر چند کتاب اللہ اور احادیث نبوی
میں ذکر نہیں صراحۃً پر باین نظر کہ جہاد اور علم اس زمانہ میں ان دونوں پر موقوف
تو اسکا کرنا موجب ناخوشی نہ ہوگا بلکہ نکرنا موجب نارضامندی خداوند ذوالجلال و
نبی باکمال صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا ہاں اگر ایسی کمی بیشی نہو جیسی طبیب نے دو دو دوائیں
میں بتائیں اپنی رائے سے ایک دوا اور بڑھا دے یا گھٹا دے یا اوزان ادویہ میں اپنی
کمی بیشی کر دے جیسے تصرفات سے طبیب ناخوش ہو جائے اللہ جلشانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایسے تصرفات سے ناخوش ہونگے انکی مثال ایسی ہے جیسے فرائض خمسہ چار کر دیجئے یا چھ کر لیجیے یا اعمال
میں تصرفات کر کے دخل دیجیے مگر چونکہ معمولات شیعہ کا نہ کلام اللہ نہ حدیث میں پتا ہے نہ کوئی حکم احکام ضروریہ
کا سے اسپر موقوف ہے بلکہ معمولات مذکورہ کے باعث صبر جو احکام ضروریہ شرعیہ میں سے ہے ہاتھ سے جاتا
ہے تو لاریب حسب ہدایت مثال مذکور سب موجب ناخوشی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
ہونگے اب سنیے کہ جیسے کلام اللہ اور احادیث اہلسنت میں ان معمولات کا کہیں پتا
احادیث تشیع بھی انکے بیان سے خالی ہیں اسی سبب سے جو علماء شیعہ کہ متقی ہوتے
ہیں باتوں سے احتراز کرتے ہیں اور اگر فرض کیجیے احادیث شیعہ میں کہیں اس قسم کا مذکور
قطع نظر اس سے کہ شیعوں کے نزدیک وہ حدیثیں معتبر بھی ہوں یا نہوں اُن حدیثوں میں

ہونا اہلسنت کے اعتراض کا دافع نہیں ہوسکتا شیعوں کی معتبر حدیثوں کو بھی اہلسنت معتبر
نہیں سمجھتے جو انہیں ہونا انکے لئے حجت ہو ہاں اگر حضرت سائل سیہ پوشی خانہ کعبہ اور
سیہ پوشی خلفاء عباسیہ پر قیاس فرماکر اہلسنت پر الزام رکھتے اور قصداً ثبات سیہ پوشی
قواعد اہلسنت سے نکرتے تو خیر یہی کہتے کردہ جانیں انکا کام مگر ستم تو یہ ہے کہ بیوجہ اہلسنت
سے جنگیں کرتے ہیں مصرعہ مشہور ہے مصرعہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ تو اب
گزارش دیگر یہ ہے کہ لباس خلفاء عباسیہ اگر بوجہ ماتم داری حضرت سید الشہداء تھا
علی ہذا القیاس استار خانہ کعبہ بغرض مذکور سیاہ مقرر ہوا ہے تب تو خلفاء عباسیہ کی
داد دیجیے اور اہلسنت کی فریاد نہ کیجیے اور اگر بوجہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام
نہ تھی بلکہ زیب و زینت و آرائش ہے تو آپکو کیا زیبا ہے کہ ایسے غم میں یہ خوشی پھر وہ بھی
باقتداء خلفاء عباسیہ جن سے ائمہ اہلبیت نے کیا کیا رنج اٹھائے اور کیسے کیسے داغ
کھائے اور اگر کوئی وجہ دوسری ہو تو پہلے تعیین فرمائیے پھر قیاس دوڑائیے مگر دیں
تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ لباس خلفاء عباسیہ نے بوجہ آرائش اختیار کیا تھا کوئی مصیبت
باعث سیہ پوشی نہیں علی ہذا القیاس خانہ کعبہ کا غلاف کسی تعزیہ میں سیاہ نہیں ہوگیا
آرائش خانہ کعبہ مقصود ہے کوئی تعزیت مقصود نہیں سو حضرات شیعہ کو بھی اس وقت یہ
اظہار سرور مد نظر ہوگا جو لباس زینت اختیار کیا اور شاید کیوں کہیے یقینی کہیے تاشہ مرفہ
ڈھول نفیری روشنی گانا بجانا کونسی بات شادی کی چھوڑ دی فقط ایک اکمونکو تھوک
لگاکر زور سے چلانا اور سینہ پر ہاتھ مار کر محفل کو سر پر اٹھانا غم میں شمار کیجئے یا بہ دو بکا
تماشہ قرار دیجئے مگر غم کا کوئی سامان بھی نہیں شادی کا سامان ہے جیسے بوجہ شادی عیش و
نشاط وقت شادی بھانڈوں کے کسی مصیبت کی نقل میں چیخنے کو غم پر کوئی محمول نہیں کرتا یہاں
بھی وہی سارا سامان موجود ہے غم نہ سمجھئے شادی سمجھئے اور کیونکر نہ سمجھئے شیعونکی اصل کو
ٹٹولیے تو انکے پیشوا وہی ہیں جنہوں نے اول حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو بلوایا پھر

دغاکی عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ ہوکر حضرت کو قتل کرادیا سو انکو اور انکی امت کو
خوشی ہوگی تو اور کیا ہوگا اور اسے بھی ایک طرف رکھیے ہم پوچھتے ہین کہ حضرت سید الشہداء
علیہ السلام کا اظہار غم ہی چاہیئے مثل اہلسنت صبر کرکے اس غم مین دلکو نبلایے یہ تو ہر یک
کہ یہ قاعدہ اظہار غم کا کہانسے اڑایا اللہ تعالے نے مثل قواعد دین اسکے لیے کوئی قاعدہ
نہین بنایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نفرمایا بجز اسکے کہ نصارا سے یہ بات اڑائی
ہو اور کچہ سمجہ مین نہین آتا نصرانیونمین اظہار غم کے لیے اس قسم کے احکام صادر ہوتے
ہین مگر اہل دانش جانتے ہونگے کہ میور صاحب کے مارے جانے مین جو حکم سیہ پوشی
بہر خاص وعام کو ہوا تھا تو انکے دلمین اس بات سے غم نہین گھس گیا بلکہ فقط ایک نفاق
ہی تھا خیر یہ تو سب ہی جانتے ہین کہ ان باتون سے غم دلمین نہین آتا پر اسکے ساتھ یہ بھی
معلوم ہوگیا کہ وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا تھا کہ مثل عیسی علیہ وعلے
نبینا [illegible] السلام ایک قوم تمہاری محبت مین ہلاک ہوگی اور ایک قوم عداوت مین سو
خوارج نے سچکر دکھایا یعنی اگر خوارج نے درباره عداوت حضرت امیر علیہ السلام یہود کی پیروی
کی تھی تو حضرت شیعہ دربارہ افراط محبت نصارا کے قدم بقدم چلے نصیریہ نے تو صاف
صاف حضرت امیر کی خدائی کا اقرار کیا اور اثنا عشریہ نے گو اسطرح بے پردہ اقرار نکیا پر بوجہ
اثبات علم غیب وغیرہ پردہ مین اقرار خدائی کیا کیونکہ بشہادت کلام اللہ جیسا کہ مذکور ہو چکا
علم غیب خدا کو ایسا لازم ہے کہ جیسے آفتاب کو دہوپ کہ سواے آفتاب کے اور کسی مین
نہین اسی طرح علم غیب سواے خداوند علیم کسی اور مین نہ سمجہنا چاہیئے اور کوئی سمجہے تو کیا سمجہے
کہ یہ اسکو خدا سمجہتا ہے نصرانی حضرت عیسی علیہ السلام کے سولی پر چڑہنے کو اپنے گناہون کے
لیے کفارہ سمجہتے ہین حضرات شیعہ حضرت سید الشہداء کے خون کا خون بہا شیعونکی مغفرت
خیال کرتے ہین انکے یہان حضرت مسیح کی حاضری ہوتی ہے جسمین نان وشراب کو بلفظ گوشت
وخون مسیح علیہ السلام تعبیر کرکے نوش کرتے ہین یہان باختلاط خون سید الشہدا خاک کربلا کو بالی

شربت مین گھولکر حضرت کا خون پیتے ہین کہون نہیں حضرت کے خون کے پیاسے ہین مگر بالعموم
اور جبال ؓ دجال کو غور کیجیے تو وہی نسبت ہے جو کہا کرتے ہین سگ زرد برادر شغال نرمین
نہین ورنہ مین تفصیل کر دیتا ایک اظہار غم کے لیے سیہ پوشی رہ گئی تھی سو وہ بھی امام ہمام کے
غم کے بہانہ مین کر دکھلائی بالجملہ یہ تو فرمائیے امام جلال الدین پر اعتراض تو کیا پر نشان
کتاب کیون نہ بتایا ہم کہتے ہین کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کے لیے فتوی دیا
لیکن یہ تو فرمائیے شل سیہ پوشی محرم ثواب تو نہین فرمایا جو آپکو گنجایش قیاس ہو اسکے بعد آپ
جو بنا گئے ہوے اور ایک تشنیک ماری اور یہ فرمایا کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کو
اولو الامر قرار دیا اسکی کیا حاجت تھی اگر باعتبار اختیار ظاہر لیجیے ہو تو اُنہین کچھ کلام نہین
آپ بھی جانتے ہین کہ خلفاء تھے آپنے اُنکو اپنے سوال مین بلقب خلفاء عباسیہ یاد کیا ہے پھر
امام جلال الدین نے اُنکو اُولو الامر کہدیا تو کیا گناہ کیا اور اگر بوجوہ استحقاق لیجیے یعنی عمر رسیدہ
صلاحیت تقوی وغیرہ جنکی فراہمی سے خلیفہ وقت خلیفہ راشد کہلاتا ہے تو اُسکی کیا سبیل تھی
ہین کہ کوئی اہلسنت خلیفہ راشد نہین کہتا بلکہ اکثرون کو ملوک جبارین مین سے سمجھتے ہین خلفاء
راشدین تو اُنکے نزدیک پانچ ہین چار یار اور ایک امام حسن علیہم رضوان اللہ تعالے مگر اُنکے
خلیفہ راشد ہونے اور اُنکے نہونے کے یہ معنی نہین کہ اور سب ظالم ہی تھے اسکی ایسی مثال ہے
جیسے شیعہ کہتے ہین کہ وصی حضرت امیر ہین مگر اسکے یہ معنی نہین کہ اور گیارہ امام باقی نہ تھے
ہان گنہگار ہین خلفاء عباسیہ کا۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ
کا مصداق ہو کر واجب الاطاعت ہونا سو اسکا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کے نزدیک خلیفہ
کا مقرر کرنا اس غرض سے ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرے یعنی ضروریات دین کو
جاری اور بدعات اور منہیات اور کفریات کو مٹا دے لفظ اُولو الامر ہی اسپر دلالت کرتا ہے
سو اگر وہ اقامت دین کرے تب اُسکی اطاعت کرے ورنہ نکرے کیونکہ گناہ کے مقدمہ مین

سے دیکھو سوال خامس۔ ۱۲

کسیکی اطاعت نہیں بالجملہ جب وہ کار مذکور نکرے تب وہ اولوالامر بھی نہیں اگر بالکل برعکس کرتا ہے تو بالکل نہیں اور اگر کسیقدر اقامت دین بھی کرتا ہے تو اُسیقدر وہ اولوالامر ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اُنکی اطاعت واجب ہے باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ اقامت دین نکرے تو کیا کرے اگر صبر و تحمل مقدور آئے تو مثل سید الشہداء علیہ السلام جان پر کھیل جائے ورنہ مثل دیگر ائمہ صبر کرے اور چون و چرا نکرے اسکے بعد جو کچھ ارشاد ہے اسکی تشبیہ میں حیران ہوں لو ایسے خرکیسے بلکہ خنزیر کیسے بہر حال اس میں تو آپنے ایسی عورت کا کام کیا ہے جو آپ کو زمار کر اور وُنکے ذمہ لگا یا کرتی تھی خیر اس سے تو شاید برا نہیں گو بُرا ماننے کا تو موقع نہیں ہدایت آپ کی طرف سے ہے اور یہ سنا ہوگا مصرعہ۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ ست تو مگر ہم درگذرتے ہیں اور دوسرا شعر آپ کے مجرا میں عرض کرتے ہیں سہ کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند تو طلا زمان والا کیوں ایسے ہونے لگے لف حریر کے مسئلہ کا ثمرہ تو ثمرہ اس سے غرض تک ہو گیا سنیوں کو جب چھیڑنا تھا کہ عیب مذہب شیعہ پر تبرا کرلیتے ہمارے طرفداران جیسی بادشہی لیتے مگر آپنے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا اجی حضرت مرنا بھی ہے اس خوشنمائی بے تمیزی کے لحیہ بھی دیکھنے میں ہیں پر تہمت لگائیں پھر ہمیں سے آنکھ لڑائیں مصرعہ چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد تو بحر الرائق مثل کتب شیعہ نادر الوجود نہیں کہیں اول سے آخر تک مگر یہ بات نکل آئے کہ اس قسم کے افعال جائز ہیں تو ہم آپکو سلام کریں ہاں اہل فقہ ہر قسم کے احتمالات لکھکر انکے احکام لکھدیا کرتے ہیں مثلاً شیعوں کے یہاں روزہ میں اگر کوئی اپنی ماں کا بوسہ لے تو اُسکے ذمہ کفارہ لازم نہیں آتا[1] اسی طرح اگر بیٹی سے زنا کرے اور حضرات

[1] یعنی شیعہ حضرات کے نزدیک اغلام مردوں کے ساتھ گو حرام ہے مگر روزہ میں کوئی خلل نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ منتہی المذہب کتاب الصوم میں لکھا ہے کہ فِی فَسَادِ الصَّوْمِ بِوَطْیِ الْغُلَامِ تَرَدُّدٌ لٰکِنْ حَرَام یعنی مرد کے ساتھ اغلام کرنے سے روزہ نہیں فاسد ہوتا گو یہ فعل حرام ہو اور کہ اور اسی کتاب کی کتاب الطہارہ فی موجبات الغسل میں لکھا کہ فِی وُجُوْبِ الْغُسْلِ بِوَطْیِ الْغُلَامِ تَرَدُّدٌ یعنی لڑکے کے ساتھ اغلام کرنے سے غسل کے واجب ہونے میں تردد ہے یعنی کہ نزدیک صاحب جامع کے نزدیک نہیں بیوی یا اپنی منکوحہ یا متعہ والی عورت سے اغلام کرنا جائز ہے جلال الدین صاحب جامع عباسی میں لکھا ہے کہ اَلْوَطْیُ فِی الرَّحِمِ وَالدُّبُرِ جائز ہے یعنی عورت سے وطی متعہ اور دونوں قسمیں روا جائز

انسے اعتقاد رکھے تو کافر نہیں ہو جاتا سو جیسے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹی سے زنا وردانی سے بوسہ
لینا جائز ہو ایسے ہی اگر کسی نے ایسی ہی کوئی بات لکھدی تو اس سے اُسکا جواز ثابت نہیں
ہوتا اہلسنت وجماعت اور اہل شیعہ اسبات پر متفق ہین کہ نماز مین روزہ رکھنا کچھ
نقصان نہین کرتا اور نماز کا نہ پڑھنا روزہ کا ناقض نہین مگر اہل فہم کے نزدیک اسکے یہ معنی
نہین کہ روزہ کا نہ رکھنا اور نماز کا نہ پڑھنا جائز ہے ہان شیعون کے فہم مین اگر ایسی عبارت
ہے ایسے معنی سمجھہ مین آجائین تو کیا بعید ہے اُنھیں اللہ نے فہم کچھہ نہین دیا مگر اُنھین فہم نہین
تو ہمکو بھی انسے کلام نہین کلام اہل فہم سے ہے نا فہم سے نہین حضرات شیعہ کی قدیمی عادت ہے
کہ اپنا عیب دوسرونکے ذمہ لگاتے ہین مصرعہ۔ خطا کردی نسزا سیدی کرا جانان تیر فہم ہیہ
فہم وفراست شاید اغلام زنا سے میسر آتا ہے جبھی اس فہم مین سارے جہان سے ممتاز ہین جبھی تو سب کے
بیان علم ہے ہان حضرات شیعہ البتہ اس دولت بے زوال سے کامیاب ہین یہ عقل اور یہ
مضامین وہین سے نکالے ہونگے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کیوقت
سے لیکر اس زمانہ تک جتنے انبیا گذرے ہین اُنکے دین مین یہ بات کبھی جائز نہین ہوئی جو لوگ
پابند دین نہین اپنے کسی آئین کے پابند ہین اُنمین سے بھی کسی نے یہ بات آجتک تجویز نہین کیا ہی
ہان علماء شیعہ نے البتہ زن منکوحہ اور باندی سے اغلام کرنا حلال طیب رکھا ہے چنانچہ شرایع مین حلی نے اسکا تذکرہ
فرمایا ہے کہ اَلْوَطْیُ فِی الدُّبُرِ کَالْوَطْیِ فِی الْقُبُلِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْکَامِ حَتّٰی یَتَعَلَّقَ بِہِ النَّسَبُ
جسکے یہ معنی ہین کہ اغلام اور صحبت معہودہ کے احکام سارے ایک ہین یہانتک کہ ثبوت نسب بھی ہے

(بقیہ فوٹ متعلقہ صفحہ ۳۶۶) چھپا کالی ہے باقی کھلا رہے تو رہے کوئی حرج نہین ۔۱۲
(نوٹ متعلقہ صفحہ ہذا) سلہ استبصار کی کتاب الطہارۃ فی باب القبلۃ ومس الفرج یعنی اس باب مین کہ بوسہ لینا اور
فرج کو چھونا نماز مین جائز ہے لکھا ہے کہ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الرَّجُلِ یَعْبَثُ بِذَکَرِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ فَقَالَ لَا بَاْسَ یعنی میں نے
ابو عبداللہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی نماز فرض مین اپنے آلۂ تناسل وغیرہ کیساتھ
کھیلا کھیلے تو کیا حکم ہے امام نے فرمایا کوئی مضائقہ نہین ہے ۔۱۲
ملہ وطی کرنا پاخانہ کے مقام مین ایسا ہے جیسا دخول کرنا عورت کے پیشاب کے مقام مین کل احکام مین یہانتک کہ نسب
انکا ثابت ہو جاتا ہے ۔۱۲

کیا مزے کی بات ہے کہ اغلام کرنا تو جائز ہے پھر وہ کیا افسون ہوگا جسکے سبب سے بچہ بھی ہو
کی راہ سے آجاوے بہرحال حضرات شیعہ کے مذہب مین یہ بڑا لطف ہے کہ متعہ تو تھا اغلام بھی جائز
مسئلہ کہ کلام اللہ مین تصریح مذکور ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ جسکے کھلے ہوئے یہ معنی ہین کہ تمہاری
جوروئین تمہارے لیے کھیت ہین اور سب جانتے ہین کہ کھیت بغرض زراعت ہے سو وہ زراعت
جو اس کھیت سے مقصود ہے اور وہ پیداوار جو اس زمین مین ہوتی ہے یہی اولاد ہے جو بطریق معہود
جورو کی مباشرت سے مقصود ہے نہ اغلام سے ہان کوئی افسون یا طلسم حضرات شیعہ کے پاس
ایسا ہو کہ مثل بازیگرون کے کہین سے ڈالی اور کہین سے نکالی [2] نہین مین [illegible]
بتر یہ خانہ نشین نکلے تو جیون یہ تیتر کیسے کہین ڈوبے کہین نکلے تو قربان جائیے اس مذہب کے
جنہین دنیا مین یہ عیش و نشاط اور آخرت مین وہ درجات اور بھی کچھ ہو تو اس مذہب کی
تفضیل کے تئین متعہ کے فضائل اور خوبیون اور امہات الاولاد کے بغرض صحبت و اغلام بیت
بنیے کے ثواب اور درجات اور اغلام کا جواز ہی کافی ہے سبحان اللہ اہلسنت پر آوازہ پھبکتے
ہین اور اپنے آپکو نہین دیکھتے مگر ہان یون کہیے کہ ان اسرار کی برکات کی اہلسنت کو خبر نہین
ع مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما تو اب فرمائیے کہ لذت کی
باتون کو خدا و رسول کے نام پر لگا کر شیعون نے دین و آئین بنا رکھا ہے یا اہلسنت نے لازم ہے
کہ بس کیجیے ہمارا ایسی باتون کا شیوہ نہین مگر کیا کرین جتلانے کو سیئہ سیئۃ مثلہا انکے موافق سب کو جواب
دینا پڑا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ [3] السؤال الثانی
حدیث مین ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کی راہ نار ہے اور بدعت سے وہ ہے کہ خلاف قرآن
اور حدیث کے کوئی امر احداث کرے جیسا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جماعت تراویح کو

ا؎ تقیہ لوٹ مسئلہ منوہ ام) ۲؎ یعنی بی بی کے ساتھ اغلام اور جماع کرنا بالکل پہلو بہ پہلو قدم بقدم ہے ہم ہوتے تو کسی
بات مین نہین جیسے متعارف ملال و سلیقہ اغلام بھی حلال کر دیا خلل کچھ پیدا ہو نہ آتا ہے جو اغلام سے ہی پیدا ہو بنا ہو
از لو ح مسئلہ منوہ ہے) ۳؎ اے میرے پاک خدا تیری پاکی کرتا ہون اور تیری حمد کرتا ہون گواہی دیتا ہون کہ نہین کوئی معبود
سوا تیرے سوا اور تیری بخشش چاہتا ہون اور تیری بارگاہ والا کیطرف پھرتا ہون - ۱۲

منع فرمایا جو خلاف اسکے خلیفہ دوم نے اپنے عہد خلافت مین اسکو جاری کیا چنانچہ جامع الاصول جو
کتاب حدیث اہلسنت مین موجود ہے کہ خلیفہ صاحب نے خود فرمایا کہ یہ بدعت ہے مگر حسنہ معلوم
جسے آنحضرت منع فرمایئن اسکو خلیفہ جاری کرین اور سنی اس سنت خلیفہ کو حرام نہ کہیں تعجب کی بات
ہے تعزیہ کا بنانا کہ جسکی حرمت کسی جگہ ثابت نہین اُسے بے تامل حرام کہین اَلْجَوَابُ السَّادِسُ
صفحہ ۲۰۹ کتاب تحفہ مین حدیث متفق علیہ مین مروی ہے کہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ
مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ یہ طعن اہلسنت پر الزام نہین ہو سکتا کیونکہ انکی صحیح کتب
حدیث مین مشہور و متواتر ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت نے تین رات رمضان مین تراویح ادا فرمائی مگر
مثل دیگر نوافل انکو تنہا ادا فرمایا اور عذر ترک مواظبت مین بیان کیا کہ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ[عہ]
بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبکہ یہ عذر زائل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احیاء
سنت نبوی فرمائی قاعدہ اصولی نزدیک شیعہ و سنی کے مقرر ہے کہ جو حکم بموجب نص شارع کے
معلل ہو کسی علت کیساتھ تو وقت ارتفاع اس علت کے وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور جو
یہ کہتے ہیں کہ باعتراف حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بدعت ہے کہ زمانہ آنحضرت مین نہ تھی اور
جو چیز کہ بوقت خلفاء راشدین و ائمہ اطہار و اجماع امت ثابت ہوئی اور زمان آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم مین نہ تھی اُنکو بدعت نہین کہتے اگر بدعت کہین گے تو حسنہ ہے نہ سیئہ پس حدیث
منقول مخصوص اُسپر ہے کہ شرع مین جسکی کچھ اصل نہو اور خلفاء اور ائمہ اور اجماع امت سے بھی ثابت
نہوا جواب شیعہ حق عید غدیر و تعظیم روز نوروز و اداے شکر روز قتل حضرت عمر و تحلیل فرج
جواری اور محروم کرنے بعض اولاد کو بعض ترکے سے کہ یہ چیزین زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین
نہ تھین اور ائمہ نے انکو احداث کیا کیا کہین گے اس عبادت روحانی مین کیا زہر ملگیا کہ بدعت
شنیعہ ٹھہری اور ان لغویات مین کیا امر ہے کہ سنت سنیہ ہوگئی ہے جب بیان ہو چکا

[لہ] دیکھو جواب خامس۔۱۲
[عہ] اِنِّیْ آہ مین ڈرتا ہون اس بات سے کہ مبادا تم پر فرض ہو جائے۔۱۲

نیک و بدکی پہچان ہو جو کہ اہلسنت کے خلفاء راشدین بھی حکم ائمہ کا رکھتے ہین بحدیث مشہور کہ
مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ
الْمَھْدِیِّیْنَ مِنْ بَعْدِیْ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ احداث حضرت عمرؓ کو بدستور احداث ائمہ کے بدعت
نہین جانتے اور اگر بدعت جانتے ہین تو سیئہ نہیں جانتے حسنہ جانتے ہین آنحضرتؐ تو ارشاد فرماتے
ہین کہ بعد ہمارے طریقہ ہمارا اور ہمارے اصحاب کے طریقہ کو مضبوط دانتون سے پکڑنا پس یہ
تراویح وہ ہے کہ حضرت نے تین روز پڑھی اور پھر بخیال فرضیت ترک فرمائی لیکن یہ نہین فرمایا
کہ ہمارے بعد نہ پڑھنا بعد آپ کے دغدغہ نزول وحی باقی نہ رہا حضرت عمرؓ نے اس سنت کو زندہ
کیا لیکن تعزیہ کا بنانا کس کتاب مین ہے اگر بھی قرآن مین ہے تو دکھاؤ اور جو مصحف غائب جو
پاس امام غائب کے ہے لاؤ کس حدیث مین ہے سناؤ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ مین تمہارا مجتہد
تو یون لکھتا ہے کہ مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْ مَثَّلَ مِثَالًا فَقَدْ خَرَجَ عَنِ الْاِسْلَامِ۔
یعنے جسنے تجدید کی کوئی قبر بنائی کوئی مثال وہ خارج ہوا اسلام سے خود تمہارا مجتہد تمکو اسلام سے
خارج بتاتا ہے اب تقریر تمہاری کہ تعزیہ کی حرمت کسی جگہ ثابت نہین اسے حرام کہین ہم
تمہاری کتاب سے ثابت کر چکے مگر تمنے کوئی ثبوت جواز کا پیش نکیا یہ بیاہ مین بی بی کے
ساتھ کاست کو رنہین ہے کہ تمہین نے لوٹا تمہین نے کھایا جب کسی مرد کی چپیٹ مین
آؤگے تب توبہ تلا مچاؤ گے فقط

---

۵ جو زندہ رہیگا میرے بعد وہ دیکھیگا بہت بڑا اختلاف پس اسوقت تم لوگون پر میری سنت لازم ہے اور میرے
خلفاء راشدین مہدیین کی سنت جو میرے بعد ہونگے پکڑو تم اسکو دانتون سے۔ ۱۲

لطائفِ قاسمیہ

(فارسی)

یہ کتاب مختلف موضوعات پر 9 مکاتیب کا مجموعہ ہے۔
آخری مکتوب جمعہ فی القریٰ کے بارے میں ہے جو فیوض قاسمیہ
میں بھی ہے اور الحق الصریح فی اثبات التراویح میں جو دو مکتوب
(ایک آپ کا اور ایک حضرت گنگوہی رحمہما اللہ کا) ہیں وہ بھی
اس میں شامل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ
اور مسئلہ تراویح کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

مناجات بہ درگاہ قاضی الحاجات مصنفہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی غرق دریائے گناہم	تو میدانی وخود ہستی گواہم	گناہ بیعد درابار بستم
ہزاران بار توبہ ہا شکستم	حجاب مقصدم عصیان من شد	گناہم موجب حرمان من شد
بکن رحمت کہ عفو عام کردی	جہاں رادعوت اسلام کردی	نمیدانم چرا محروم ماندم
رہین آنچنین مقسوم ماندم	گدا خودراترا سلطان چو دیدم	بدرگاہ تو ای رحمان دویدم
دلم از نقش باطل پاک فرما	براہ نبود مرا چالاک فرما	بکش از اندرونم الفت غیر
بشواز من ہوائے کعبہ ودیر	درونم را بعشق خویشتن سوز	بہ تیر درد خود جان ودلم
دلم را محو یاد خویش گردان	مرا حسب مراد خویش گردان	اگر نالائقم قدرت تو داری
کہ خار عیب از جانم برآرے	گناہم را اگر دیدے نگر ہم	بعفو وفضل خود ای شاہ عالم
بسی بگذشتہ شاہانہ مرادم	بدرگاہت رسیدم ساز شادم	بہ چشم لطف ای حکم تو برسر
	بحال قاسم بے چارہ بنگر	

مکتوب اوّل بنام مولوی محمد صدیق صاحب مراد آبادی دَر اثبات حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سراپا عنایت سلامت۔ السلام علیکم! کل جو آپ کا عنایت نامہ پہنچا کیفیت مندرجہ کو دیکھ کر طبیعت بہت گھبرائی ہنوز اور تحریروں سے چنداں فراغت نہ ہوئی تھی کہ ایک اور سر پر آن پڑی تو اس پر مفصل لکھوں تو کہاں تک لکھوں یہ بحث ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اور اختصار کیجئے تو کہاں تک دریا کو کوزہ میں لانا دُشوار اس لئے فقط عقیدۂ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جائے تو ہو جائے انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال میں میراث ہوئی اور اَنبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہ ہوئی حالانکہ یو صیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین سب کو عام ہے عوام ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی اَزواج کو بعد عدت معروفہ نکاح کی اجازت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواج کی شان میں یہ حکم آیا ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً حالانکہ عموم و اُحل لکم ماوراء ذلکم جس سے حلت غیر منکوحہ فارغ العدۃ سمجھ میں آتی ہے اور عموم والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وغیرہ جس سے بعد مرور عدت ازواج کو اجازت نکاح نظر آتی ہے اس کے مخالف ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ نہ مانئے اگر شہداء نہیں ابدان کے حساب سے ہوتے تو پھر اُن کا قبور میں مستور ہو جانا بہت ہوتا تو مجرموں اور مظلوموں کے محبوس ہونے کے برابر ہوتا نہ مال میں میراث چل سکتی نہ اَزواج کو نکاح کی اجازت ہوتی ورنہ اس حساب سے تو ہم مُردہ دل ہی اچھے رہتے جن کی زندگانی موت سے بدتر ہے کیونکہ اس نام کی زندگی پر ہمارے لئے تو

یہ انعام کہ نہ مال میں کوئی تصرف کر سکے نہ ازواج کی طرف کوئی نظر بھر کے دیکھ سکے اور وہ اس حیات کامل پر بھی اس دولت وعزت سے محروم رہے مگر چونکہ یہاں کے اموال یہیں کے ابدان کے شکست وریخت کے لئے ہیں اور یہاں کے ازواج انہیں ابدان کی ثمر کے تخم ریزی کے لئے مصداق نساء کم حرث لکم یہیں ہیں تو بعد انفکاک تعلق رُوح کو ان کے متعلقات سے کیا تعلق رہ جائے گا بلکہ جیسے گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لئے اور گھوڑا نہ رہے تو پھر گھاس دانہ سے بھی کچھ مطلب نہیں رہتا ایسا ہی ابدان اُرواح کے کاروبار کے لئے بلکہ اُس کا مرکب اور اُس کی سواری اور اَموال وازواج ابدان کے لئے اور اَبدان نہ رہیں تو پھر ان سے بھی مطلب نہ رہے گا اس لئے شہداء کے اَموال وازواج میں بھی بوجہ انفکاک تعلق مذکور اوروں کو بطور مناسب اجازت ہوگی اور یوں ہی بیکار نہ رہنے دیں گے مگر ہاں جیسے یہاں گھاس دانہ کی طلب اور اُس سے تعلق دِلی اس بات پر شاہد ہوتا ہے کہ طالب اور صاحب تعلق کے گھر پر گھوڑا وغیرہ گھاس دانہ کھانے والا کوئی جانور ہوگا ایسا ہی اَموال وازواج سے تعلق اس بات پر شاہد ہو سکتا ہے کہ صاحب تعلق کو اپنے ابدان سے تعلق ہے اس تقریر مختصر سے اس قدر تو بشرط فہم وانصاف خواہ مخواہ ذہن میں آ ہی جاتا ہے کہ انبیاء کرام کو اپنے ابدان سے تعلق اُس قسم کا تعلق اب بھی ہوگا جس قسم کا پہلے تھا یہی نہیں کہ جیسے وطن سے باہر اپنے وطن کو یاد کرتے اور اُس فاصلہ پر اور بستیاں ہوں تو اُن کے کچھ خبر نہیں ہوتی ایسے ہی انبیاء کی اَرواح کو بھی مثل دیگر اَموات اپنے ابدان سے ایک تعلق یادگاری محبت ہے مگر چونکہ اور ابدان سے محبت نہ تھی تو تعلق یادگار ہی نہیں ایسا ہی تعلق ہوتا تو احکام بھی یکساں ہوتے ہاں یوں کہئے تو خیر کہ خدا کے حکم محض پوچ اور بے حکمت ہوئے ہیں مگر چونکہ آپ سے یہی اُمید ہے کہ خداوند علیم وحکیم کو حکیم ہی سمجھتے ہوں گے اس لئے یہ بھی اُمید ہے کہ بدلالۃ حکم مذکور انبیاء کو اَبدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے پر حسب ہدایت کل نفس ذائقة الموت اور الک

میت و انهم میتون تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت وحیات ایسا ہوگا جیسا وقت حرکت کشتی جانشین کشتی کا حرکت وسکون جیسے یہاں سکون اصلی ہے اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی اس لئے استمرار بھی اگر تسلیم کر لیا جائے تو کچھ مخالف مطلب نہ ہوگا کیوں کہ حیات پھر بھی موجود ہے یا جیسے آب گرم میں اجتماع حرارت کے لئے برودت حرارت کے لئے دلیل کی کیا حاجت وہ خود مشہود ومحسوس ہے ہاں برودت کی دلیل لیجئے اگر برودت نہ ہوتی تو آگ کو کیونکر بجھا سکتا آگ کے بجھانے کے یہی معنی ہیں کہ مادّہ حرارت کو کھو دیا اور نیست و نابود کر دیا مگر ظاہر ہے کہ اضداد کو بجز اضداد عالم اسباب اور کسی سبب سے باطل اور نیست ونابود نہیں کر سکتی مگر یہ بھی تسلیم کرنا ضرور ہے کہ وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہو جائے کیونکہ جب حیات اصلی اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر آنا ایسا ہوگا جیسا حالت حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمان پر چلا جانا زیر پردہ موت عرضی مستور ہوئی تو پھر ایسی صورت ہو جائے گی جیسے فرض کیجئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھ کر سر پوش رکھ دیجئے جیسے یہاں تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اُس ظرف میں آ جاتی ہیں بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتے ہیں جس سے وہ اشد ادمشار الیہ نمایاں ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرما لیجئے اس صورت میں موت انبیائے کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہوگا جیسا چراغ کی ظرف گلی میں مستور ہو جانے اور گل ہو جانے میں فرق ہے یہاں جیسے باعتبار مکان اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر اور پھر اتنا فرق ہے کہ باعتبار اصل اتنا پہلے نہ تھا، ایسا ہی یہاں سمجھ لیجئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ انک میت جدا کہا اور انهم میتون جدا فرمایا مثل ثم انکم یوم القیامۃ جو اگلہ جملہ ہے سب کو شامل کر کے انکم میتون نہ فرمایا کہ اسی فرق مراتب موت کی طرف اشارہ باقی رہے۔

بالجملہ حیات حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ مماثلۃ تو فی تعلق الابدان الدنیا و بہ سے یہ نہیں کہ مثل شہداء تبدیل ابدان کیے گئے ہو اور اشدیہ یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطہ ضد معلوم جس کو موت کہئے تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس و قمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک بذریعہ انفعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا سمجھ لینے کے لئے تو یہ کافی ہے پھر اس سلامت اجساد کو لحاظ کیا جائے تو اور بھی تائید ہو جاتی ہے رہیں احادیث اُن کے رجوع کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں جو یہ تحقیق کیجئے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی ضعیف پر پھر تسپر مجھ کو ان باتوں کی خبر کم ہوتی ہے کیونکہ یہ باتیں کتابوں سے متعلق ہیں اور آپ خود جانتے ہیں کہ جیسے سپاہی بے ہتھیار ہوتے ہیں ایسا ہی یہ جاہل عالم بے کتاب ہے یہ باتیں آپ خود حضرت شیخ کی تصانیف سے نکال لیں مگر ایسا یاد پڑتا ہے کہ اکثر احادیث باب حیات ضعیف ہیں زیادہ کیا عرض کروں ہاں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں جانتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی رہے گا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں نہ منکروں سے دست و گریباں ہوتا ہوں خود کسی سے کہتا نہیں پھرتا کوئی پوچھتا ہے اور اندیشۂ فساد نہیں ہوتا تو اظہار میں دریغ نہیں کرتا آپ بھی اس امر کو ملحوظ رکھیں تو بہتر ہے۔ فقط

مکتوب دوم در اثبات تراویح بدلائل عقلی و براہین نقلی

کم ترین انام محمد قاسم نام کہ ہیچمدانی شعار اوست و طاعۃ نفسانی کار او بخدمت مجموعہ مکارم اخلاق عبدالرحیم خان صاحب دام اخلاقہٗ سلام مسنون عرض کردہ عرض پرداز ست کہ نامہ نامی کہ بنام احقر بہ نشان میرٹھہ ارسال فرمودہ بودند از میرٹھہ بہ نانوتہ و از نانوتہ بگنگوہ و از گنگوہ برامپور شدہ تردم در

اواخر شوال رسیدہ ممنونم گردانید نظر بر اهتمام سامی در اُمور دینیه و آنهم چنداں که در فضائل اعمال دلائل اینچنیں باید و دلالت ایں چنیں چنداں که برخود نفرینها کرد که هنوز گرفتار هوا و هوس وهر دم بحکم مساهله کاراینلم بدم می الگنم همان قدر بر آنجناب آفرینها خواندم و گفتم که چون در فضائل اعمال ایں قدر اهتمام است و ایں مسارعة در دیگر اعمال عالیه از فرائض و سنن موکده چه قدر ذخیرهائے عمده بهم آورده باشند جزاء کم الله خیر الجزاء ازهما ندم خیال جوابش غرمم رامی انگیخت و پاس مبارک بدلم می آویخت اما بالائے تکاسل طبع زاد که باستماع عادات احقر از بعض ملازمان دریافته باشند پریشانی روزگار که هر روز از جای بجای میرفتم و هجوم کارکه از کاری برکاری می نشستم نیز فرصتم نداد که به همچو اشغال غیر ضروریه پردازم بایں همه بدیدن سیاق و سباق نامه سامی و مطالعه دلائل و مقاصد گرامی ندانم غلط است یا راست ازهر طرف بوی تعصب و تعمق شمیدم و بظاهرایں کار جناب نیست کسی دیگر است که در پرده نام جناب دریں میدان کورانه رفته فرموده امام ابن صلاح رابا مدعا پش چه ساس آری اگر اثبات احکام نهر منحصر در صحاح بودے می تو ان گفت که فلاں حدیث اثبات تراویح نمی تو ان کردآری اثبات مطالب بقدر ثبوت دلائل می باشد صحاح بقدر ثبوت خود وضعاف بقدر ثبوت خود اثبات مطالب میکند غرض حسب متنوع دلائل مطالب متنوعه به ثبوت میر سند از متواترات عقائد ضروریه مثل توحید و رسالة و حقیقة کلام الله ثابت می تو ان کرد و از احاد صحاح ایں

کارنمی برآید و ازاحاد و جوب اعمال و تاکد سنن باید گرفت از ضعاف این کارنباید گرفت این فرق از کجا خاستہ از تفاوت سند خاستہ ورنہ نفس حدیث و اضافۃ نبوی همیں خواهد کہ هر دورابیک پلہ باید نجید مگر ظاهر است کہ احادیث ضعیف نہ چنان ثابت اند کہ هم سنگ صحاح و حسان گردند نہ چنان باطل کہ هم رنگ موضوعات شوند پس لا جرم مرتبہ انها باعتبار ثبوت و عدم ثبوت فیما بین صحاح نے بلکہ حسان و موضوعات خواهند بود نہ مثل موضوعات کہ سراسر باطل اندوبوی از ثبوت نشمیدہ بیکار بمانند حسان و صحاح و متواترات درکار اثبات پرکار اند اندرین صورت ثبوت فضائل اعمال کہ از مطالب حسان و صحاح و متواترات فروتر است از ضعاف چہ مستبعد و ظاهر است کہ در صورت ترک اتفاقها بہ ثبوت و تاکد تراویح معلوم رتبہ اش از فضائل نمی فزاید پس اگر حدیث نسبت تراویح ضعیف باشد ظاهر پرستان راچہ باک در فکر او اگر جگر خون کنند کنند مدعیان تاکد کنندهان اگر تعارض مزعوم کسانیکہ دریں زمانہ دریں بارہ غوغا کردہ اندو میگویند کہ حدیث بست یا حدیث یازدہ متعارض است مبرهن شود البتہ ترک بست و اختیار یازدہ خیلی بجا بود گودرانهم گنجایش گفتگو هائے دیگر باشد و بیشتر از اثبات تعارض از برهمی ملۃ و برهمی کلمۃ الاسلام چہ سود باقی ماند اینکہ جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دررمضان و غیر رمضان همی یازدہ را بجا آوردہ اند چنانچہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنها مرویست بانکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ وسلم درلیالی سہ گانہ همی یازدہ خواند ند چنانچہ از جابر رضی اللہ عنہ مرویست ایں حدیث گو بظاهر با حدیث بست کہ مرفوع است بنظر ظاهر بینان متعارض نمایدا مادر حقفت حکم بتعارض خالے از جهل یا عناد نیست اوّل تراویح را از تهجد باید گفت بعد ازاں تطبیق تعارض عزم باید کرداگر اگویند کہ تراویح مثل صلوۃ اوابین کہ بعد مغرب میخوانند و نوافل عشاء کہ درپس و پیش آن خواندہ می شوند نوع دیگر وتهجد نوع دیگر و هر دو حدیث مذکور دربارہ تهجد است خود ظاهر است کہ اعتراض تعارض بے کسو خواهد رفت بازچون باتصال تراویح باعشاء ادا کردن ان دراَوّل شب و افتراق تهجد از عشاء کہ نوم و دیگر اعمال کثیر بمیان می آیند داداکردن آن در آخر شب نظر افگنیم ایں راموجہ می یابیم مع هذا در تهجد روایات کثیرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنها مرویست دهم از بعض صحابہ رضی اللہ عنهم ماثور بعض ازاں در صحیحین و بعض در کتب دیگر ازصحاح سنت منقول است چنانچہ خواندگان حدیث همہ میدانند پس هرچہ ملازمان جناب و منشی سامی جواب آن خواهند داد ازیں تعارض هم همان را قبول کنند بالجملہ چنانچہ حمل برتعدد واقع احادیث بخاری و مسلم راموافق باهم توان کرد حدیث بست رکعت و یازدہ رکعت رانیز باهم متعانق باید ساخت ازیں صورت ضعف حدیث بست در امتثال منطوق آن مانع نخواهند شدهان اگر امام ابن صلاح لیاقت قبول اقوال از نصوص قطعیہ بهم رسانیدہ اندو کلام اللہ یا حدیث باتباع اوشان خواندہ و دیگر علماء اُصول و فقہ را ایں

منصب بهم رسيده ما را گنجائش عرض معروض خويش نيست و اگراوشان راامام اصول حديث باين معنى تصور بده اندكه درين فن يكتاء روزگار و مرد اين ميدان و اين كاربودند درباره محافظة الفاظ حديث هر قاعده كه بنياد نهند بر چشم نهادنى است و هر راهى كه روند قابل گام كشادنى است مارا مسلم مگر اوشان را اگردر محافظة الفاظ حديث كه بغرض محافظة معانى مقصود است چنانچه جمله "فليبلغ الشاهد الغائب " يا جمله " فرب مبلغ اوعى من سامع" پيوسته بران شاهد است ائمه اصول فقه رادرفن محافظة معانى يد طولىٰ است اوشان دران باره اگر قابل اقتدا هستند ايشان درين باره لائق اتباع قاعدۂ بنياد نهاده ائمه اُصول فقه همين است كه فضائل اعمال از ضعاف هم ثابت مى تو ان شدد اگر نيک تامل كرده شود آن موضوعات كه نظر بركذب رواتش در مواقع ديگر ان را در موضوعات شمرده اند باين كليه باليقين غلط و مخالف واقع مى شد باشند "فان الكذوب قديصدق " هم چنانكه جمله صحاح صحيح بمعنى مطابق واقع نمى باشند"فان الصدوق قد يخطے" و نيز احتمال دروغ از غير معصوم چه مستبعد چنانچه در بعض صحاح مشهودهم همين است ندانى كه در بخارى شريف درباب عمر شريف حضرت رسول اكرم صلى الله عليه وآلہٖ وسلم سه روايات باهم متعارض آمده شصت و شصت سه و شصت پنج و همه ميدانند كه توافق اين روايات باعتبار منطوق خويشتن محال است لا جرم يكى مطابق واقع ودو مخالف واقع خواهند بود حالانكه باعتبار اصطلاح اُصول حديث هر سه روايات صحيح اند ورنه امام بخارى

که العزام ایراد صحاح کرده الدرر کتاب خود نمی آورده اندایں صورت رامرجحی باید که یکی رامظنون الصدق یا مقطوع الوقوع گرداند و دیگر آنرا مظنون الکذب و یاقطعی البطلان گرداند پس مرجح اگر از قسم روایات است عام است که صحیح باشد یا ضعیف چنانچه ظاهر است و اگراز قسم درایات باشند ازاندازه حرکة که یکی از کارهائے نبوی است چنانچه آیت "یعلمهم الکتاب' والحکمة براں دلالت میدارد و برون نرفته باشنداندریں نیصورت حدیث ضعیف هم اگر موئد بدرایة شود از مرتبه خود بالا رفته کاردگر خواهد کرد چنانچه آیت "و اذا جاء هم امر من الامن اوالخوف اذا عوابه ولو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم "بریں قضیه گواه هم موجود است چه اخبار مشار الیها اگر از قسم صحاح بودے اذاعة را محل طعن نمی شدو اگر درآیة وروایة موئد ضعاف نمی شد جمله "لعلمه الذین یستنبطونه" چه معنی داشتے اکنون معروض آن است که روایة بست رکعة نیز بزعم احقر موئد بدرایة است و معارض کدام روایة نیست اگر اندیشه که بدان اشاره کرده آمده ام سدراه قلم نبودی اگر همه مافی الضمیر خود زیر قلم.نیاوردمی باری قلیل کثیر ازاں آویزاں گوش سامی میکردم مگر چه کنم که منشی سامی در استدلالات از حق کناره میرود چنانچه قدری معروض شد و قدری اکنون معروض میشود مدار طعن برروایة مؤطاء بریں داشتة که یزید بن رومان زمانۂ حضرت عمر رضی الله عنه ندریافته سبحان الله چه دلیل است وچه مدعا خلاصۂ طعن ایں براید که مرسلات تابعین اعتباررانشا ید اوّل

ایں رااثبات باید کرد بعد ازاں روایۃ مذکورہ رارد باید فرمود عدم اعتبار مراسیل تابعین اگر تراشیدہ خویشتن است ایں را کہ می پرسلو اگر تقلید دیگر است بجز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کیست کہ بایں طرف رفتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ وامام مالک رحمہ اللہ ہمہ برانند کہ مراسیل تابعین ہمہ مثل مراسیل صحابہ ہمہ مثل مراسیل صحابہ معتبر اند بلکہ از سند زیادہ چہ ترک اسناد دلیل وثوق خود است و ذکر اسناد برفہم سامع گذاشتن و گویا العدۃ علی الراوی گفتن است اگر از تقلید عار است قول امام ابن صلاح رحمہ اللہ رابدیوار باید زدد اگر تقلید اوشان جائز است امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ چہ تقصیر فرمودہ اند امام ابن صلاح رحمہ اللہ اگر تاسیس قواعد حفظ و نگاہ داشت الفاظ بصیرت حاصل کردہ اند امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام مالک نیزدز تاسیس قواعد محافظۃ معانی ید طولٰی دارند و اگر ازیں قواعد محافظۃ معانی بھم نرسیدہ و در بعض مواقع بنظر ملازمان جناب علی تقدیر التسلیم معنی مقصود از دست میرو داز قواعد محافظۃ الفاظ نیز این محافظۃ علی العموم دیدہ نمیشود چنانچہ از ملاحظۂ احادیث عمر شریف حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہویدا است و اگردریں بارہ بہ تقلید امام شافعی رحمہ اللہ بروشان احسان نہادہ انداز ما مبارکباد مگر اند نیصورت اگر ملازمان جناب اقتدا امام شافعی رحمہ اللہ ورزیدہ ما گنہگاران اتباع امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ لازم گرفتہ ایم اگر فرق است ہمیں قدر است کہ امام ابو حنیفہ امام اعظم اند بالجملہ بتقلید یکی از ائمہ

ملازمان ائمه دیگر را الزام نباید دادو باوشان دست گریبان نباید شدایں است جواب آنچه که ملازمان جناب بطور قواعد روایة بربست رکعة طعن فرموده بودند باقی مطاعینکه بطور درایة وارد فرموده اند جواب آن چه گویم که خود از دائره فهم بیرون می نماید بجز آنکه تعصب و تعمق باعث ایں یاوه گوئیها شده باشد دیگر چه گفته شود و اگر باورنیست باید شنیدیکی ازاں مطاعنها ایں هم است که اگر بروایة "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء" و ست آویخته شود بلحاظ آنکه سنتی و سنة الخلفاء هردو معروفه اندو تکرار معاف مشعر باتحاد اَوّل یا ثانی میباشد لازم است که سنة الخلفاء که اتباع آں در حدیث اشاره فرموده اندهمان سنة نبوی علیه وعلیٰ آلهٖ تحیة وسلام و دربست رکعت ایں امر مفقود است میگوییم که اَوّل ایں قاعده نزد علماء اُصول کلیه نیست تاباتباع اوشان ملازمان مخدوم را گنجائش طعن بهم رسد ومارا فکر جواب باعث تردد شوددوم ایں جا فقط لفظ سنّت مکرر آمده آن بذات خود نکره است و تکرر نکره باعتراف هماں کساں که تکرر معرفه را مشعر براتحاد شمرده اند مشعر تغایر است نظر بریں لازم که سنة الخلفاء غیر سنة نبوی علیه الصلوٰة والسلام باشد ویای متکلم و لفظ الخلفاء اگر معرفه است یکی هم ازاں مکرر نیست و اگر نظر برمعرفیة عرضیة است آن معرفه خود از معرفه دیگر مغایر شده چنانچه آں دو بذات خود متغایر انداین و آں معرفه نیز متغایر خواهند بود و جهش چنانکه دانی اینست که محکوم علیه حقیقی در صفات عرضیه هماں موصوف بالذات میباشد پس اگر موصوف بالذات چیز واحد است

صفت عارضیه نیز چیز واحد خواهد بود و اگر دوشی متغایر است صفات عارضیه راهم دوشی متغایر بایدپنداشت پس اگر سنتی وسنتی مکررمی آمد یاسنة الخلفاء وسنة الخلفاء مکرر می شد این گفتگو را بظاهر خیلی بجا گفته می شود باین همه در "ابناء نا و ابنا کم " بلکه در "انفسنا و انفسکم " که در کلام الله یک جمله مکرر آمده چه خواهند فرمود سبحان الله باینچنین ابله فریبها و این لن ترانیها ی دور و دراز علاوه برین همه اهل فهم رادرین قدر اتفاق است که عطف مقتضی تغایر می باشد تاوقتیکه تغایر حققی یا التغایر اعتبارے بدست نیاید عطف نتوان کرد دوم آنکه طعن لام تعریف در جمع مفید استغراق می باشد اندرینصورت لازم است که جمیع خلفاء مراد باشندپس سنة الخلفاء که اشاره بالتزامش فرموده اندمی باید که سنة همه خلفاء راشدین باشد و بست رکعت اگر هست سنة حضرت عمر رضی الله عنه هست سنة حضرت اَبی بکر نیست این اعتراض از همه افزون تر است ماشاء الله فهم مطالب همیسان باید و نکته فهمی کم از کم این قدر شاید مخدوم من این قدر مسلم که جمع محلی باللام از الفاظ عموم است ولام تعریف درجمع اکثر مفید استغراق می باشد اما منشاء آن مخدوم ندانم معنی اجتماع از کدام پهلو می برارندو این تحقیق از عقل یااز نقل از کجامی نگارند مفاد استغراق همان مفاد کل افرادی می باشد نه مفاد کل مجموعی تا این مطلب باین دلیل مربوط می شدو ظاهر است که در کل افرادی حکم راجع بهر فرد جداگانه می باشد آری در کل مجموعی حکم قضیه راجع بجانب مجموع میگردد وافراد را ازاں سرو کاری

نمی بود و آنچه منشی جناب فهمیده اند مخلصش همیں ارجاع حکم بجانب مجموع است ازیں تاازاں فرقے هست که فرق زمین و آسمان تعبیرش توان کرد بایں همه حدیث "اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم " راحکم باید کرد و باید دید که چساں فیصله ایں نزاع میکند علاوه بریں نصوص قطعیه قرآن شریف و حدیث راکه در بعض مواقع برجمع محلی باللام مستعمل می نمائید مثلاً "ان اللّٰه لا یضیع اجر المحسنین" چه جواب خواهند داد کدام است که نمیداندکه اینجا اجر مجموعه مراد نیست چه یک محسن هم اگر بعالم باشند تاهم اضاعت اجراد نخواهند شد و نیز باید که برطبق فهم منشی جناب اجر همه محسنین یکے باشد وآن هم چند انکه تعدد شخصی رادراں گنجائش بود نه تعدد نوعی رامجال چه عطاء اجریکباره خواهد شد مثل صلوات که بتعدد از منه واختلاف مکرر سه کرر مطلوب می شود بتعدد از منه مختف تنخواهد شد همچنین در "جاهد الکفار والمنافقین" لازم است که جهاد مجموعۂ کفار و منافقین مراد باشد اندرنیصورت با حضرت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآلہٖ وسلم را باید گفت که از نیجهان بے اداء فرض تشریف بیردند یا برخدا وند احکم الحاکمین نعوذ باللّٰه غصه باید کرد که اینچنیں حکم دشوار برنبی خود فرستاد که ادایش نتوانستد و عیب علم امتثال ازیں جهان بردند نعوذ باللّٰه من سوء الفهم و ازیں هم درگذشتیم اذان ثالث جمعه بشهادۃ صحیحین سنۃ حضرت عثمان ذی النورین است رضی اللّٰه عنه پیشتر از زمانۂ اوشان فقط بآں دواذان اعنی یکی اذان خطبه دویم تکبیر بود پس از سنۃ الخلفاء در

حدیث مذکور اگر سنة همه خلفاء بطور مذکور مراد باشد لازم آید که اذان مذکور داخل بدعت شود چه نه سنة نبوی ست نه سنة خلفاء بطور مذکور و این التزام بدعة اندرینصورت نه تنها برحضرت عثمان رضی الله عنه خواهد بود بلکه جمله صحابه رضوان الله علیهم اجمعین که دران زمان حاضر بودند مبتدع خواهند شدو میدانی که این همان گناه و همان عیب است که رفاض و شیعه از دائره سنت و جماعة بدان بدر رفتند و ازنیهم باید گذشت در آیت " اولئک الذین هدی الله فبهد اهم اقتده ضمیر " هلهم راجع بسوی الذین است معنی معنی این شدکه روش آن کسانیکه ذکر اوشان کرده ایم باید گرفت غرض لفظ هدهٰم در قوة هدی الذین شدو معلوم است که مخاطب باین حکم جناب رسالت مآب صلی الله علیه وآلہٖ وسلم اندو مشار الیه بموصول انبیاء مذکور الصدر که منجمله آن حضرت موسیٰ علیه السلام و حضرت داؤد علیه السلام هستند و موافق این خطاب و این ارشاد حضرت صلی الله علیه وآلہٖ وسلم در روزۂ عاشوره اقتدا به حضرت موسیٰ علیه السلام کردند و در سجده تلاوة سورۂ ص اقتدا به حضرت داؤد علیه السلام کردند و اگر سجده سورۂ ص اقتداء به حضرت داؤد علیه السلام نگویند گو یند که سجدۂ حضرت داؤد علیه السلام بجهة استغفار و سجدۂ حضرت سید ابرار صلی الله علیه وآلہٖ وسلم جهة شکر پروردگار که مارا ازین قسم ابتلاء محفوظ داشت در اقتداء حضرت موسیٰ علیه السلام در روزه عاشوره کلام نیست چنانچه لفظ حدیث نحن احق بموسیٰ اوکما قال بران

گواهشت گو بوجه دیگر از پیشترهم ایں روزه معمول حضرت صلی الله علیه وآلهٖ وسلم باشدآری اگر اجتماع وجوه کثیره دریک عمل محال بودے مضائقه نبود مگر مساعدایں نه عقل است چنانچه دانی ونه نقل چنانچه انما لکل امر مانوے میخوانی ومیدانی که از همیں جاتضاعف ثواب صله از صدقه می برآید چنانچه ماهران حدیث می دانند الغرض ایں قسم سنن فقط یک دو نبی است سبب جمله انبیاء هدی همه مرسلین مذکورین نیست اند رنیصورت در حدیث "اقتدوا بالذین من بعدی" که لفظ "الذین" واقع است همان عموم خواهد بخشید که "الذین" واقع آیت مذکوره بخشیده فرق اگر هست فرق تثنیه و جمع است مگر ایں قسم فرق در تبدل ماهیة مضامین و لوازم آں کارگر نمی تو ان شدپس چنانکه در آیت مسطوره سنت یک نبی قابل اتباع برآمد ایں جا سبب یکے خلیفه از ازاں دو که دریں حدیث مراد اندلائق اتباع و اقتداء خواهد بودهاں اگر ایں جا لفظ اقتداء نبودی شاشاید مجادلا نرا گنجائش زبان کشائی می بودمی توانستند گفتن که در اقتداء و اتباع مثلاً فرق است ایں است آنچه که بطور عجلة و نظر سرسری دراستدلالات مجتهد جناب مفاسد به نظر ایں هیچمدان درآمده اکنون التماس ایست که نظر بایں تعصب و تعمق که در اجتهاد مجتهد صاحب یافته نگاشته ام از تحریر جواب اصل مسئله دست کشی اولیٰ دانستم چه اگر چیزی مینو یسم لا جرم تنقیح و تصحیح آن وسنجیدن بحواله همان صاحب میشد که بایں راه رفته اندواشان اوّل بار کدام ناانصافی گذاشته اندکه بایں بار کوتاهی خواهند

فرمودبیت تو کارزمین رانکوساختی + که بآسمان نیز پرداختی+ ورنه در اواخر رمضان شریف بتکلیف مولوی احمد حسن امروهی که یکی از احباب احقر اند چیزی دریں باره نوشته بامروه فرستاده بودم از وشان نقلش بهمرسانید ه میفرستادم لیکن چه کنم که بنظر انصاف معلورم دیگر آنکه انچه که بلفظ مضامین شعر یه بآن اشاره فرموده اند میخاهم که نقلش اگر ممکن باشد به من ارزانی فرمایند تاشاید چیزے زیرایں پرده باشد باقی عرض دیگر ایں است که بنده کمترین عاملان بالحدیث رابشرط فهم بدنمی انکار و بلکه ایں راشعار ایمان می داند لیکن ایں چنیں بد فهمان راکه مضامین نامه سامی ریختۂ قلم اوشان است هرگز عمل بالحدیث روانمیداندایںچنیں کسان منجمله "یضل به کثیرا" هستند والعاقل تکفیه الاشارة الغرض راهی اختیار باید کرد که براکابر صحابه طعن نیفتدو دین برهم نشود و احادیث باهم و با قرآن شریف متعانق مانند اما طوریکه باختیارآن مطاعن بجانب صحابه عائد شوند و احادیث باهم متعارض شوند و روش قرآنی مکذب آن شود هرگز پسندیده خدا و رسول نیست صلی الله علیه وآلہٖ وسلم و طرزی که ایجاد و مجتهد مذکور است همچنین است چنانچه عرض کرده شددیگر آنکه هر که قصد عمل بالحدیث کند آنرا بایں چنیں اجتهادات چه کار اگر اِراده عمل بالحدیث بایں معنی است که هرچه در ظاهر احادیث یابند بران عمل کنندآنمقصد مقتضی ایں است که راۓ خود یکسو نهنند و دربی عمل شوند ورنه رای و عقل پیشنیان بهرحال اُولیٰ و افضل برهیست و اگر قصد عمل بطور رای و عقل

است پس الدرلیصورت برمجتهدان سابق و مقلدان اوشان چه طعن واللہ الموفق لنا ولکم اگر حرفے نازیبا از قلم احقر صدور یافته آنرا از قبیل جزاء سیئة سیئة مثلها بلکه کمترازاں پندرالد چه مضامین نامۂ سامی در پردۂ استدلالات معلومه نه رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم را گذاشته نه صحابه کرام را رضوان الله علیهم اجمعین.

مکتوب سوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خان صاحب عبدالرحیم خان سلمهٗ بعد سلام مسنون آنکه نوازشنامه سید درباب تراویح انچه تحریر بود ظاهر و متبادرازاں چنین می شد که مقصود استفسار مسئله نیست بلکه اعلام و الزام تحقیق خود است لهذا در تحریر جواب تامل ماند آخر الامر چنان مناسب معلوم شد که اشارةً چند فقره عرض کنم از تسلیم وغیرتسلیم کاری نیست لهٰذا در تحریر جواب دیر شد براهل علم پوشیده نیست که قیام رمضان و قیام لیل فی الواقع یک نماز است که در رمضان برایے تیسیر مسلمین در اوّل شب مقرر کرده شده و هنوز عزیمة درا دایش آخر شب است ودر قیام لیل فخر علیه السلام چنانکه یازده رکعت و کم ازاں ثابت شده اندسیزده رکعت سوائے سنة فجرهم در صحیحین موجود اندده رکعت نفل ازروایة ابن مسعود از قول ابن عباس (۱) فصلی رکعتین (۲) ثم رکعتین. (۳) ثم رکعتین (۴) ثم رکعتین (۵) ثم رکعتین (۶) ثم رکعتین ثم اوتر نزد حنفیه ده رکعة نفل و سه وتر آنانکه وتر رایک رکعة قرار دهند

دو ازده رکعة نفل ثابت اند و قضاء آنجناب دو ازده رکعت رادر روز اگر به شب تهجد فوت میشدهم معین دو ازده رکعة نفل است و ایں ر در صحاح موجود است باید دید پس می بایست که محدثین زمان رادر دو ازده رکعة ترددنمی شدو بسنیة آں یقین می بودنه قصر بریازده مع الوتر و درزمان صحابه هم چنانکه یا زده از ساتب نقل می فرمایند از اعرج امام رحمه الله در مؤطأ دو از ده رکعة نفل روایة می فرمایند چنانچه در مشکوٰة موجود ات ندانم که چرابرسلمی محقی ماند غلط کردم جناب رافعل صحابه بمقابله سنت حضرت فخر عالم بزعم مخالفة حجت نیست و ایں نیز براهل علم واضح است که نفس قیام رمضان را آنجناب سنة فرموده اندو تحدید عدد رکعات آن نه فرموده که کمی و زیادة دران روانباشد چنانکه در فرائض در روایت سنن ست درنه اختلاف در اداى عدد آنها واقع نشدے لهذا هر قدر که زیادة در عدد رکعاتش بود موجب اجر است نه باعث گناه و ابتدا و هیچ حدیث در منع آن وارد نیست بلکه حدیث "علیک بکثرة السجود" مطلقاً استحسان کثرت رکعات نوافل روز و شب می فرماید البته جائیکه شارع تحدید فرموده چنانکه در فرائض و سنن بروایت نقصان و زیاده دران روانیست و مع هذا اگر قبل آن یا بعد آن در محل نوافل کسی نوافل تنفلاً خواللند بدون اعتقاد سنیت آنها کسی است که اور امنع فرماید و بدعة گوید پس هم چناں در تهجد و قیام رمضان زیاده رکعات راچه اندیشه خواهد شد و آنچه در عدد رکعت تهجد فخر عالم علیه السلام تحقیق است ازان رواست که فعل آنجناب محقق

گردد که چیست نه آنکه ززائد ازان بدعة است صرحه "به النووی فی شرح المسلم" برین قیاس است سائرسنن که اصل آنرا شارع علیه السلام سنت فرموده و تحدید دران نفرموده مثلاً تسابیح رکوع و سجود که دران زیادة از قدریکه آنجناب میگفتند بدعة هست و قرء ة قرآن که زیاده از مقرر آنجناب است در فرض و نفل بدعة نخواهد بود و علی هذا درهمه ایں قسم امور ازیں است که علماء قاطبة اگرچه سنة مؤکد همون قدر راگفته اندکه بران قدرچه سنة نزدشان صادق آید مگر زائد رادران بدعة ندانسته خصوصاً زیادتی که از صحابه ثابت شده چنانچه روایات عدیده مختلفه سامی دیده باشند تعامل عشرین پس در زمان حضرت عمر رضی الله عنه بادشاه و تقریر آنجناب معمول شد چنانکه در موطأ مالک رحمه الله مرویست و خدشه انقطاع برمحل خود نیست چرا که یزید بن رومان تابعی ثقه اندوارسال ثقه مقبول میباشد مالک و محدثین سلف راهمین مذهب است اگرچه شافعی واحد دران کلام کرده اند کتاب ابی داوٗد بسوئ اهل مکه و دیگر کتب اُصول حدیث مطالعه نمایند مع هذا حدیث صحیح بیهقی که صاحب فتح روایة آن فرماید موئد اوست و مزیل شبه انقطاع و ترمذی در جامع خود از حضرت عمر و علی و غیرهما من الصحابة روایت آن میکند پس اکنون در ثبوت عشرین از آنجناب رضی الله عنه چه تردد ما ندوایں زیادة را خالف سنة پنداشتن نهایت موجب تعجب است که هیچ اهل علم چناں نه فرماید چه بالاتوشة که قیام نیل محدود نیستند و رنه هرگاه بحدیث صحیح ثابت شدکه فخر عالم علیهٔ السلام گاهی ماه کامل

غیر رمضان صائم نبود ونه هیچ ماه را از صوم خالی گذاشته اگر کسی تمام ماه روزه دار د تنفلاً مخالف سنة گرددو گرفتار بدعة معاذ الله باید که حضرت عمر رضی الله عنه و علی رضی الله عنه و دیگر صحابه و تابعین باعتراف ترمذی وغیره بسبب تقریرزیادة عدد رکعات اهل بدعة شوند استغفر الله و بسیار اُمور نفل از صلوٰة و صوم و زکوٰة و حج و ذکر و تسابیح بدعة شوند تامل درکار است اهل علم راچناں فرمودن سخت نازیبا ست مابین لفظ مخالف و موافق و محدود و غیر محدود بدعة و سنة امتیاز واجب است و چونکه در حدیث " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین " ارشاد جناب رسالة علیه الصلوٰة است که چنانکه سنة مراالتزام کردن برشما است سنة خلفاء راهم التزام ضرور است و مراد از سنة خلفاء امریست که آنجناب صدور آن نشد و از خلفاء وقوع آن شده و ان هرگز خلاف کلیات شرع نمی خواهد بود بلکه موافق سنة و مستبط ازاں لهذا ایں بست رکعت هم مندوب و سنة شدند وبدعة گفتن آن سخت نازیبا که هیچ عالمی چنین نه گفته اری آنچه خلاف است دران است که زیادة برآنقدر که آنجناب علیه الصلوٰة خوانده اند آیا سنة مؤکده اندیا مستحب ازیں بعد انچه دریں حدیث افاده فرموده اند بلکه مرادازسنة خلفاء سنتی است که عین سنة نبویه باشد از عجائب روزگار هست چراکه اگر مراد از عینیة آنست که بعینه آن فعل را آنجناب علیه السلام عمل درآمد فرموده مسنون کرده باشند پس می پرسم که دریں صورت خاصه تقریر خلفاء چیست آیا بعد وفات آنجناب کسی را از خلفاء مجال تشیب و فراز

راشدہ یا نسخ و تبدیل آن میر سدنا سنتے کہ سنۃ خلفاء کرام
وغیرآن را ترک کنیم و اگر مراد از عین آنست کہ مستنبط از سنۃ
بود یا نظیرش در سنۃ موجود باشد و موافق کلیہ شرعیہ بود مثل
جمع قرآن شریف و ترتیب سور آن مثلاً لا ریب ایں امر مسلم
صحیح است مگر ایں زیادۃ رکعات راندانم کہ بچہ وجہ مخالف
سنۃ قرارداده خواهد شد و آنچہ ازاُصول قاعدہ اعادہ معرفہ تحریر
است در تلویح ایں بحث را باید دید کہ ایں قاعدہ کلیہ نیست و
خلاف ایں بسیار موجود است ایں قاعدہ آنجا بود کہ قرینہ خلاف
موجود نبا شد ایں جا عطف لفظ سنۃ الخلفاء برلفظ سنتی مغائرۃ
رامی خواهد و مقصود جناب رسالت علیہ السلام ازیں التزام سنۃ
الخلفاء خود است مرامتۃ رامثل سنۃ خویش چنانچہ درحدیث دیگر
فرمودہ "فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر " بلکہ در حدیثی
باقتدائی جملہ صحابہ فرمود "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم
اهتدئیم" و همچنان آنچہ لام استغراق فهمیده اندنہ ایں معنی است
کہ انچہ سنۃ مجموعۂ خلفاء باشد بشرط اجتماعهم علیها آنرا قبول
سازیدوا امریکہ یک دو خلیفہ مثلاً کردہ باشند ترک کیدریں
صورت انچہ باقتداے شیخین حکم است نا تمام خواهد شدکہ دو
خلیفہ رادران ذکر فرمودند همہ را و حدیث نجوم مخالف آن
خواهد شد و ترتیب مصحف عثمانی بدعۃ خواهد شدچہ خلیفۂ اوّل
جمع آن کردہ بودنہ ترتیب آن و مسئلہ عول و تحدید حد شراب و
دیگر اُمور کہ در زمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرار یافتہ اندهمہ
خلاف سنۃ خواهند شد معاذ اللہ بلکہ مراد آن است کہ سنۃ همہ

خلفاء را التزام سازند چنان نکنید که سنة بعض آنها گیرید و بعض آنهاتگیرید قال الله تعالیٰ " یایها النبی جاهدالکفار والمنافقین" که معنی بر آن آنست که با جمیع کفار و منافقین جهاد باید پس حسب فهم سامی باید که آنجناب اَمر الٰهی نکرده باشند که با تمام کفار عالم جهاد آنجناب واقع نشده وچه ضرورت است که در حدیث لام لام استغراق باشد میگویم که لام آن لام عهد خارجی است که خلفاء خمسه معهوده رامراد داشته فرموده اند که طریقهٔ ایشان را قبول کنید و هیئة اجتماعیه از حدیث فهمیدن همانا که محاوره کلامیه ندانستن است پس بهرحال آنچه در ترجمهٔ حدیث نوشته اندهر دو تقریر بر محل خود نیستند زیاده چه عرض کرده آید و دربعض دیگر جاهم درصحیفهٔ سامی محل کلام است مگر بنده اباصل مسئله کار است و از تقریر زائد غرض نیست اکنون که بست رکعت تراویح از فعل خلفاء ثابت شده اند عمل بران موجب سعادت است و بدعة فهمیدنش محض بے جا البته زائد از هشت رکعة رابعض مستحب دانسته اندو بعض موکده گفته اند این مسئله خلافیه قدماء است که مارا درین گفتگو ضرور نیست والله تعالیٰ اعلم فقط.

سوال اوّل

هرگاه در تعریف سنة مواظبت نبوی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم مع الترک احیاناً ماخوذ است و اینهم ظاهر است که برتراویح مواظبت کذائی ثابت نیست پس برسنیّة آن ازکدام دلیل اطمینان کرده شود وآنقدر که بران مواظبت ثابت است همان هشت رکعات تهجد هستند لا غیر پس باید که همین قدر سنة باشد و زیادت بران روانباشد فقط.

سوال دوم

اینکه این دو ازه رکعات که برهشت رکعات سنت نبوی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم افزوده شدند آیادر تاکد بهمان مرتبه هستند که آن هشت رکعات را حاصل است یا ازان مرتهب فروتر فقط.

جواب سوالِ اوّل

این که هرچه صحابه رضوان الله علیهم اجمعین بران مواظبت فرموده باشند سنت مؤکده می باشد لقوله علیه السلام "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین نعم " تاکد یکه در مواظبت رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم هر چیزے میباشد در مواظبت اصحاب کرام نیست چرا که مراتب سنت موکده در تاکد متفاوت می باشند قال رد المحتار نا قلا عن شرح المنیة قال مراتب الاستحباب متفاوتة کمراتب السنة انتهی وخود حدیث علیکم بسنتی الخ ناظر دریں است چراکه رعایات تقدم و تاخر در کلام بلغاء بلا وجه نباشد خصوصاً کلام ما انتظام سرور انبیاء تاج الفصحاء والبلغاء پس تقدم سنتی و تاخر سنة الخلفاء مع اشارات دقیقه دیگر کمال اکداول را از ثانی می خواهد چنانچه از آیت "ان الصفا والمروة من شعائراللّٰه " خود رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم استخراج فرموده اندارشاد کرد که بدایة می کنم بدانکه بدایة کرد حق تعالیٰ باودرذکر کما هو فی الحدیث پس این جا تقدم زمانی است و آنجا تقدم فی المرتبة بهرحال از تقدم ذکر تقدم رتبه مستفاد میشود و اماواظبت آنحضرت صلی الله علیه وآلہٖ وسلم

بجیزی بطور فرض اگر از خصوصیات نیست برامته هم فرضیة رامی خواهد واگراز خصوصیات باشد لیکن امة ازان ممنوع نبا شد پس این مواظبت سنیة رانمیخواهد بلکه استحباب مقتضای اوست چنانچه تهجد که نزد بعض بران حضرت صلی الله علیه وآلہٖ وسلم فرض بود و اُمة را مستحب مگر چون دلیل دیگر برتاکد این فعل برامة پیداآید البته آنگاه سنة خواهد شد مثل تراویح که هر چند نزدهمون قائل فرضیة تهجد برآنحضرت صلی الله علیه وآلہٖ وسلم تراویح نفس تهجد است علی التحقیق مگر چونکه برین تهجد مشخص باین هیئة کذائیه مواظبت صحابه پیدا آمد بدلیل قولی تاکد پیدا کرد و هو قوله علیه السلام علیکم بسنتی الخ و اگر نیک دیده آید مواظبت فعلی حکم هم برتر اویح از رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم هم توان دید چرا که رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم چند روز خوانده علر ترک آن فرمودکه مبادا برامة واجب شود و در جرح الفتلهمانا که فعل اورا گاه گاه و ترک اور ابعد مواظبت حکمی دارند " قال ردالمختار والمراد ایضاالمواظبة ولو حکما لتداخل التراویح فانه صلی الله علیه وسلم بین العلر فی التخلف عنها قاله الطحطاوی عن ابی مسعود رضی الله عنه " انتهی و پس حد محرره سائل برجمعیت خود اندو بررای کسیکه فرضیة تهجد رابرآنحضرت صلی الله علیه وآلہٖ وسلم منسوخ گوید چنانچه قول حضرت عائشه رضی الله عنها هست رواه مسلم فی سنة پس مواظبت تهجد دلیل سنت موکده خواهد بود و دلائل قولیه ناظر استحباب مگر تهجد رمضان به قولی تراویح است بدلیل سنت مؤکده خواهد ماند والله اعلم.

جواب سوال دوئم

آنکه بست رکعت تراویح در زمان خیریت نشان حضرت عمر رضی الله عنه قراریافته اوّل یازده رکعت معه وتر خوانده شد پس در آخر امر بربست و سه معه و ترقرار یافت رواه مالک فی الموطا بسند صحیح و آنچه سنت خلفاء باشد تاکد آن از جواب اوّل واضح شد باقی ماندانیکه همه مؤکده باشندیا بعض پس صاحب هدایه وغیره برانندکه همه مؤکده اندوقدوری گفته که بعض آنچه از رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم ثبوت یافته مؤکده باشند و آنچه زیاده بران در زمان عمر رضی الله عنه قراریافته مستحب بود ابن همام هم بهمین میل دارد هرچند ابن همام را علماء جواب داده اند مگر از تقریر بنده جمع بهر دو قول تو ان کردکه مراد قدوری از استحباب مزید کمی تاکد نسبت به هشت رکعت و مراد هدایه تسویه در نفس تاکد است نه قدرآن چرا که تاکد کلی مشکک است و حدیث "علیکم بسنتی الخ" دلیلی است بس که بعد آن حاجت نقل دیگر نیست و بعد ثبوت روایة مؤطاء که اصح الکتب فی الحدیث در طبقه اولی است وهم پله بخاری حاجة کتب نیست همیں معمول خواهد بود و مذهب مالک رحمة الله علیه هم همیں باشد مگر تاهم آنچه که زیادة رکعات از دیگر ائمه آمده اند موجه تو ان شدکه مثلاً بعد هر ترویحه اهل مدینه چار رکعت میخواند نلبست رکعت فرادی زائد شدند و جمله چهل شدند و انهارا هم مجازاً در تراویح شمردند و اهل مکه بعد هرترویحه اسبوع طواف کردند و دو رکعت طواف خواندند ده رکعت فرادی مزید شد سی رکعت رامجازاً تراویح

شمردند و بعد بست رکعت قبل و تربعض گاه که اربع رکعات را ترک کرده در دعوات مشغول ماندند شانزده رکعة مزید شدسی و شش گردید ندو یک اسبوع را قبل وتر اگر کم کردند دو رکعت کم شد بست هشت شدند و بست رکعت خود اَمری است مثبت و محقق از فعل صحابه و یازده از فعل سرور عالم صلی الله علیه وآله وسلم که اکثلازبست است الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابه در آخر زمان عمر رضی الله عنه ثابت شده پس سنت باشد و کسی که از سنیّة آن انکار دارد خطاست والله تعالیٰ اعلم و علمه اتم و احکم فقط راجی رحمة ربه رشید احمد گنگوهی.

مکتوب چهارم بنام مولوی صدیق صاحب در فضیلت علم

بندۂ هیچمدان محمد قاسم بخدمت بابرکت و سراپا عنایت مولوی محمد صدیق صاحب زادکم الله علماً و کمالاًپس از سلام مسنون عرض پرداز است عنایت ناه سرمایۂ منت و موجب یاد آوریها شد شکر عنایة احباب نتوانم و طرز مکافات محبت ندانم این یک دعاء نارسا است که تهیدستان دین و دنیا را سوای آن سرمایه دیگر نیست اگر بدرگاه بی بی نیازی میرسید در نعیم نه بود مگر تاهم از خود دریغ نیست خدا وند کریم بمقاصد دلی برساند مگر دنیارا اگر بینم پیش عاقلان متاع قلیل است روبسوی اوچه کنند باقی ماند این رکن اعظم آن علم حدیث و تفسیر بود آنرا درراه گذاشته بوطن رفتند آن کدام ضرورت باشد که خویش از خوبی این دولت بے بها چنین زیاده بنظر آمد که یکبار الفتان خیزان رفتند عنایت فرمائے غم و رنج دنیا همیشه همیں سامی آیند و میروند کار عقل آن است که مقصود

را از دست للهد جوهر ذاتی و وراثت نبوی را گذاشتن و قلیل رااز متاع قلیل گرفتن کارخردمندان نیست سرمایه استحقاق خلافت حضرت آدم علیه السلام همیں وفور علم بود ورنه در معصومیت ملائکه و فساد بنی آدم کلام نبود مصلحت د یدمن آن است که اگر علم را شروع کرده اندلا تمام نگذار ندد رششماه یا یک سال کتب بالیه هم ان شاء الله تعالیٰ تمام خواهند شد اگرایں اضطراب و تلون بودد ر اوّل امر کدام کس خبر کرده بود که شروع کردند گستاخی معاف باد بهمه یاد آوران خصوصاً برادران و میرزایان و مولوی عبدالرشید صاحب و مولوی تمنا صاحب و اگر جناب حافظ صاحب هم تشریف فرمائی مراد آباد باشند یا اتفاق حاضری خلمت جناب مفتی صاحب شود از من سلام عرض دارند.

مکتوب پنجم درجواب سوال حافظ بشیرالدین صاحب مرادآبادی

سوال: زید نے بحالت لاعلمی ملک عمرو کی رہن رکھی اور قبضہ اُس پر کرلیا منافع اُس کا اپنی صرف میں لاتا ہے ہنوز میعادرہن کی منقضی نہیں ہوئی تھی کہ بعض اشخاص نے کہا منافع رہن کا حکم سود میں ہے۔ زیداس اَمر کی تحقیق چاہتا ہے کہ فی الحقیقت یہ منافع رہن حکم میں سود کے ہے یا نہیں درصورت سود ہونے کے زید جو منافع بہ نیت زرِ اَصل اپنی کی خرچ میں لایا ہے اُس کو بروقت فک رہن کے عمرو کو وضع کردینا ضروری ہے یا نہیں مثلاً پانچ سوروپیہ عوض رہن ہے زید سوروپیہ اپنے صرف میں لایا تو چار سوروپیہ بروقت فک رہن کے عمرو سے لے لےاور سوروپیہ منافع کے اُس کو وضع کردیوے اگر زید زر منافع بروقت فک رہن عمرو کو اَدا کرے اور عمرو قبل اپنے منافع کے معاف کردیوے یا بعد لینے کے زید کو دے دے جائز ہے یا نہیں شرعاً ایسا ہو کہ زید کل روپیہ اپنا عمرو سے لے لے اور تمام زر منافع رہن زید کو جائز

ہو جاوے غرضیکہ زید کو کسی طرح برات گناہ سے ہو سکتی ہے لہٰذا مکلف خدمت عالی ہوں کہ اس مسئلہ میں جو بحکم شرع شریف کا ہو ارشاد فرمائے اگر مرتہن زر منافع بوقت رہن رکھ دینے کے بعوض محنت اور خبر گیری ملک مرہونہ کے راہن کو بخش دی جیسا کہ عبارت معمولی رہن نامہ میں ہوتی ہے۔

جواب

سراپا عنایت حافظ بشیر الدین صاحب! السلام علیکم!

رہن کی آمدنی جو زمانہ حال میں کھائی جاتی ہے از قسم سود ہے ہرگز حلال نہیں اور اس قسم کے الفاظ لکھ دینے سے کہ میں نے حلال کیا اور بخوشی دیا یہ آمدنی حلال نہیں ہو جاتی بخوشی دینے کے لئے ایک مرتہن ہی ملا تھا اور کوئی جہان میں مستحق ہی نہ تھا بلکہ سب جانتے ہیں کہ یہ دینے دلانے کی تحریریں فقط بغرض قرض اور بطمع کار براری ہوتی ہیں خدائے تعالیٰ ان حیلوں کو خوب سمجھتا ہے وہ دل اور تہ دل کی باتوں کو جانتا ہے غرض ان حیلوں سے توقع حلت دُور از فہم و عقل ہے ہاں اگر آمدنی اشیاء مرہونہ کو پورا پورا مجرا دی اور قرض میں محسوب کرے تو البتہ وہ کھایا ہوا حلال ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں بقدر قرض پہنچ جانے کے بعد راہن بری الذمہ ہو جائے گا اور مرتہن کو شی مرہون سے کچھ علاقہ نہ رہے گا۔ فقط جن جن صاحبوں کا سلام لکھا تھا میری طرف سے ان کو بھی اور سوا اُن کے اور ملنے والوں کو بھی بشرط یاد میرا سلام کہہ دینا۔ فقط العبد محمد قاسم

مکتوب ششم بنام مرزا عبد القادر بیگ صاحب مراد آبادی

جناب مرزا صاحب! السلام علیکم!

کل چوتھی رمضان شریف کو مولوی فخر الحسن صاحب نے آپ کا عنایت نامہ عنایت کیا اور آپ کے نکاح ثانی کا قصہ زبانی بھی بیان فرمایا جزاک اللہ آپ کو نکاح جو بیوہ بچی قرابتی اپنی کے ساتھ بنظر احیاء سنۃ واقع ہوا اور مرزا حمایت علی بیگ

صاحب کو سفر حج مبارک ہو مرزا صاحب اپنا منصب تو یہ نہ تھا کہ جناب پیر و مرشد مدظلہ کی خدمت میں سفارش نامہ لکھوں سفارش کے لئے کچھ تو مناسبت ہونی چاہئے اپنا حال اگر اور کوئی نہیں جانتا تو میں خود تو جانتا ہوں پر جہاں اور اُمور خلاف منصب اپنے سر پر لئے بیٹھا ہوں آپ کی خاطر سے ایک یہ بھی عریضہ حضرت کے نام کا پہنچتا ہے مرزا صاحب اتنا کریں کہ جہاں اوروں کو یاد رکھیں اس سراپا گناہ کو بھی دُعا سے فراموش نہ فرمائیں اور حضرت مدظلہ کی خدمت میں دو کلمۃ الخیر کہہ کر برابر سرابر ہو جائیں، مرزا محمد نبی بیگ صاحب اور اُن کے والد صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دینا اور جناب حافظ عبدالعزیز صاحب سلمہ اللہ سے اگر نیاز حاصل ہو تو میرا سلام یاد رکھنا سوا اُن کے مولوی سید عبدالرشید صاحب اور مولوی تمنا صاحب اور مولوی محی الدین خان صاحب اور مرزا حفیظ اللہ بیگ صاحب وغیرہم سے بھی یاد رہے تو سلام عرض کر دینا اور مرزا حمایت علی بیگ صاحب سے بعد سلام مسنون مضمون مرقوم بالا گذارش کر دینا۔ فقط راقم محمد قاسم۔

مکتوب ہفتم بنام مرزا محمد عالم بیگ صاحب
درباب عمل کشائش رزق وادئی دَین

سراپا عنایت سلامت السلام علیکم ! آج گیارہویں رمضان کو آپ کا عنایت نامہ پہنچا عبادت میں دل نہ لگنا کسی خطا کی سزا ہے استغفار اور لاحول کی کثرت چاہئے باقی قرض کے ادا کے لئے کسی عامل سے پوچھئے مجھ کو عملیات میں دخل نہیں اگر ہو سکے تو جناب مولوی اکبر علی خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حال عرض کرو ادائے قرض کے لئے جو کچھ فرمائیں اُس کی تعمیل کرو اور کشائش رزق کے لئے جو کچھ ارشاد فرمائیں اُس کو یاد رکھو ہاں اُس سے پہلے پہلے حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجاً مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ پانچ پانچ سو بار پڑھ لیا کرو اور اوّل و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف بھی پڑھ لیا کرو اور

پڑھتے وقت یہ دھیان رکھا کرو کہ میں اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں اور دل و زبان دونوں سے عرض مطلب کر رہا ہوں۔ مرزا قادر بیگ صاحب مرزا محمد نبی بیگ صاحب کو یاد رہے تو سلام کہہ دینا اور سوائے اُن کے اور کوئی احباب میں سے مل جائے اور یاد آجائے تو اُن کو بھی فقط۔

مکتوب ہشتم درباب علاج ہوس دنیا

سراپا عنایت مرزا محمد عالم بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ! آج پندرھویں تاریخ جمعہ کے دن تمہارا خط پہنچا کیفیت حال معلوم ہوئی میں پچھلے دنوں اثناء سفر میں بیمار ہو گیا تھا اُس مرض سے شفا تو اثناءِ راہ ہی میں ہوگئی تھی مگر جیسے کسی نہ کسی قسم کی خلش چلی جاتی ہے اسی میں کھانسی کی شدت ہوگئی دو تین مہینے اُس کی تکلیف رہی اب بفضلہٖ تعالیٰ اُس کو بھی آرام ہے یوں ہی برائے نام باقی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی رفع ہو جائے گی غرض اب میں اچھا ہوں باقی کی ہوس دنیا کے لئے یادگاری موت سے بہتر کچھ نہیں ہو سکی تو ہر روز گھڑی آدھ گھڑی موت کے تصور میں گذار دیا کرو اور اُس وقت اس قسم کا خیال رکھا کرو۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جس قدر انبیاء ہوئے وہ سب مر گئے جس قدر بادشاہ اس زمانہ سے پہلے ہوئے وہ سب مر گئے بزور دین کوئی چھوڑتا تو انبیاء چھوڑتے اور بزور دنیا کوئی بچتا تو بادشاہ بچتے میں نہ الی الذی نہ اولا الذی نہ زور دین نہ زور دنیا میں بچوں تو کیونکر بچوں پھر اس کے ساتھ قیامت کے حساب وکتاب اور عذاب وثواب کو سوچا کرو۔ فقط

مکتوب نہم بنام مولوی میر محمد صادق صاحب مدراسی درباب تحقیق حکم جمعہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا خاتم النبیین محمد و آلہ واصحابہ و ازواجہ اجمعین بعد

حمده صلوة بندهٔ کمترین هیچمدان بے سرو سامان محمد قاسم بخلمت سراپا عنایت مکرمی مولوی مہر محمد صادق صاحب دام عنایة پس از سلام مسنون عرض پرداز است عنایت نامه ملفوف باستفتائے رسید که حضرت مجمع البحرین شریعت و طریقت مخدوم و متاع خاص و عام جناب مخدومنا و مولانا سید عبدالسلام صاحب دام برکاته صدوریافته بود ممنون و مشکور شدم مقتضائے عنایت سامی آن بود که توقف نمی کردم و وقتیکه عنایت نامه ذریعهٔ ممنون هائے احقر شده بودهماندم و ستم به قلم و کاغذ میر سید مگر بالائے کاهلی طبعراو از عوایق گونا گوں هیچمدانی و بے سرو سامانی سامان ایں تقصیر و سرمایه ایں تاخیر شد میدانی و همه می دانند نه سفینه به گنجینه آورده ام ونه مکتوبات سفینه رابسینه سپرده بایں هیچمدانی و ایں بے سرو سامانی نه جرأت همچو کارها بدل آید و نه دل بدست کار فرماید و ذخیره ام همیں خیالات پراگنده مند اندکه یکی را اگر بدل می نشینند دیگران آنرا از جمله مضامین شعریه می بینند مگر بنده گنده را بحضرت ممدوح نه تنها نیاز سابق است اعتقاد لاحق هم بدل فراهم آورده ام اگر بامتثال ایماء خدام همچو مخدومان سرفرنیارم بازآن کدام است که انتظار ارشاد او خواهم کشید بایں وجه امروز همیں مصمم شدکه من کار خود بکنم اگر پسند خاطر خدام والامقام افتاد فهو المراد ورنه کالای زبوں بریش خاوند نامه سیاه خود را باز خواهم گرفت اکنون یکدوسخنے پیشتر از عرض مقصود عرض میکنم اَوّل ایں که در عرف عام هر قوم وهر زبان بساست که خطاب بالقاب عامه کنند و

مخاطب خاص باشد اکثر آنرا بالقاب ہمچو مولوی صاحب و شاہ صاحب و شیخ صاحب و میرزا صاحب و منشی صاحب ندا کنند و منادی ازیک شخص بیش نباشد ہمچنین در اصطلاحات شرع شریف قرآن و حدیث نیز در مواقع کثیرہ این طرز اختیار افتادہ میفرمایند کہ "واقیموا الصلوٰۃ واتواالزکوٰۃ" ارشاد بخطاب عام است و مخاطب این حکم جزاغنیاء نمی توانند شد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم را بخطاب ہمچو " یا ایہا النبی یا ایہا الرسول " یاد میفرمایند و ظاہر است کہ این لقب چہ قدر از حضرت مخاطب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عام است بالجملہ این انداز دوراز انداز اداء مطلب و طرز کلام نیست بلکہ درہر زبان معمول بہر خاص و عام است۔

دوئم این کہ اگر فرض کنیم دوکس یازیادہ از قومی سادات یا شیوخ مثلاً نشستہ باشندویکی از آنہا کوریا کر باشدوکسی دیگر از حاضران وقت باوجود اطلاع کیفیت چشم و گوش اوشان بخطاب عام مثل میر صاحب و شیخ صاحب آوازدادہ اگر گوید بہ بین یابشنواین حکم دیدن و شنیدن تعین و تشخیص مخاطب مے فرما ید ہر کہ از حاضران عقل داشتہ باشد بے تامل بہ فہمد کہ مراد این کس است نہ آن ہمچنین مخاطب بہ یقین داند کہ مسقط اشارہ متکلم منم ندیگران۔

سوم این کہ اگر جناب باری و رسول پاک او صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حکمے را بشروط مربوط فرمودند ارتباط آن حکم بآن شرط از قسم ارتباط توقف باشد کہ فیما بین موقوف و موقوف علیہ باشدو بدین سبب احد برالمیرسد کہ اگر حکمتے کہ غرض از ارتباط بود مقصود شودیا بدون آن شرط ہم آن حکمت حاصل

توان شد آں شرط رالغو گردانندوآں حکم را بشرط مربوط لذا اللوہراں شرط موقوف نہ پندارد مثلاً منجملہ شرائط جمعہ جماعت ہم است و حکمت از اشتراط جماعت بجز ایں چہ توان گفت کہ از اسماع و استماع مواعظ اعنی خطبہ مقصود است اگر جماعت شرط نکنند باشد کہ مردم فراہم نیایند پس تنہا واعظ یعنی خطیب اگر وعظ گوید مستمع کہ باشد مگر پیدا است کہ استماع بمجرد فراھمی مردم میتوان شد توقف صحت نماز جمعہ برجماعت ازچہ رواست اگر فراہم آیند و تنہا تنہا نماز خود بگذار ندوبروند یا بجائے دیگر رفتہ نماز جماعت ادا کنند مقصود اصلی بھمر سد مگر کسی راندانم کہ بجوازایں صورت فتویٰ نویسد پس ازیں مقدمات معروضہ معروض خدمت خدام باد کہ آیت "یاایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع" ہر چند بوجہ عوام خطاب مشیر بآن است کہ ہمہ کس را ایں حکم عام است مسافر باشد یا مقیم صحیح باشد یا مریض غلام باشد یا آزاد طفل باشد یا جوان زن باشد یامرد مگر چوں نظر را بآیۃ اوامر سیاق یعنی "فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع رسانند خود واضح شود کہ بجز مردان آزاد و توانا یاں مقیم و جواناں خود مختار ہیچ کس از اہل اسلام مخاطب ایں احکام نیست تفصیل ایں اجمال اینست کہ سعی اگر مطلوب توان شدازمردمان و توانایان توان شداز بیماران و زنان حال بیماران .

خود معلوم است ناتوانان کارتوانائی چہ دانند باقی ماند ند زنان درحق اوشان ہمچو" لیضربن بارجلھن" ارشاد رفتہ ایں طرف زنان

را بوجہ تاکیدات بلیغہ بہر خانہ نشینی مثل "قرن فی بیوتکن" وغیرہ ارشاد فرمودند و ظاہر است کہ درسعے بالضرو احتمال انکشاف محل زینت است و وداد وی کوچہ و برزن بے شک مقتضی آنست کہ وقتے نقاب از رخ وجامہ از ستر بے ساختہ برافتد ہمچنیں خطاب و ذروا البیع مقتضی آنست کہ مخاطبان را اختیار بیع و شرا حاصل است ورنہ وذروا البیع فرمودن چہ معنی دارد ظاہر است کہ نہ غلام مردایں کار است و نہ طفل نابالغ را ایں اختیار شاد ہمیں است کہ ارشاد فرمودہ "اندالجمعۃ حق واجب علی کل مسلم جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک اوامراۃ او صبی او مریض (رواہ ابو داوٗدفی باب الجمعۃ للمملوک والمراۃ)" بازچون کیفیت اذان جمعہ راکہ در زمان نبوی بود صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر یاد کنم ایں عقدہ ہم منحل نشود کہ مسافران را ایں تخفیف تصدیع است شرح ایں معما ایں است کہ در زمانہ برکت توام حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اذان جمعہ ہمان وقت گفتہ می شد کہ امام برمنبر آمدہ نشیند نظر بریں ترک بیع و شراوداودی بغرض استماع وعظ امام یعنی خطبہ باشد چنانکہ لفظ الی ذکراللہ خود دلیل دعوی است آخر مرا وازذکر کر اینجا وعظ خطبہ اند کہ کار امام و خطیب باشد وچوں فضائل استماع خطبۂ کراہت شوز و شغب را کہ مانع از استماع باشد یادکنم ایں امردیگر موجہ می شود کہ مطلوب اصلی ازروز جمعہ اجتماع بہر استماع وعظ و خطبہ باشد وہمیں است کہ فامشوا نفر مودند بلکہ فاسعوا فرمودند تا اشارہ شناسان خدا وندی را بدل نشیند کہ غرض اصلی استماع است کہ اگر کام نازنین را آہستہ خواہند زو باشد کہ از برکات خطبہ محروم

مانند و شاید همیں است که حضرت عثمان رضی الله عنه اذانی دیگر قبل از اذان خطبه افزودندتا نباشدکه دررسیدن سامعان دیر شود و خطبه بیکار رود غرض بوجه عرض مذکور باوجود مقرر بودن یک اذآن که بهر هر نماز مقرر است اذانی دیگر پیشتر از اذان خطبه افزوده شد تا مطلب اصلی بوجه احسن بدست آید لیکن ازانجاکه در حدیث ارشاد است "عن عوف بن مالک قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یقص الاامیر اوماموراو محتال رواه ابو داوٗد من باب فی القصص من کتاب العلم" و مراواز قصص در حدیث همیں وعظ است چنانکه دانندگان دانندجائیکه وعظ فرض خوابدبود ایں هم ضرور خواهد بودکه آن واعظ خود امیر باشد یامامور یعنے نائب او باشد ورنه درزمرهٔ محتال داخل خواهد شدکه اشاره بمنع وعظ گوئی میکنند ونیز ظاهر است وعظ جمعه یعنی خطبه که موسوم بذکر الله شداگر جمعه فرض است فرضیت ایں وعظ به اوّل درجه بیک حساب بایدداشت و در صحرا و دریاومسافران را میسر آمدن ایں قسم وعظ معلوم پس چگونه تو ان گفت که مسافران محکوم ایں حکم اند مگر آن که سفر را یک لخت حرام گردانند و سوے ایں اسفارکه درآں مظنه بهمرسی ای چنیں واعظ باشد قطعاً حرام گردانند لیکن ایچنیں فتویٰ نه کس داده نتوان داد نظر بریں، همیں توان گفت که مسافر را ازیں حکم یکسونها ده اندو آنکه باشاره حدیث اوّل وجوب جمعه بظاهر بنظر ظاهر می آید آن راچنان فهمند بظاهر در عموم "یاایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ" هم مسافر داخل می نمود چنانچه ارشاد معروضه مخصص مسافر وغیره از آیت است همچنیں اشارهٔ لفظ جماعت

که درحدیث مذکور وارداست مخصص از حدیث است بیچاره مسافر را جماعت از کجا بدست آید یا سفر راتنها در حق او حرام گردانند یا جمعه را براوواجب ندانند مگر سفر را تنها باشد یا نبا شد درحق کسی حرام نتوان گفت چار ناچار اقرار بعدم وجوب واجب خواهد شدو آنکه مثل الواحد شیطان هم در حدیث آمده دَر اَوّل اسلام بود و اگر هنوز ایں نهی برحال خود باقیست الا ثنان فما فوقها جماعت مشیر بآنست که اگر دو کس هم بهم شوند سفر جائز است ممنوع نیست مگر دریں صورت نه شرط جماعت بطور حنفیه بدست آید نه بطور شافعیان بدست افتدبلکه از لفظ "الذین امنوا " بازلفظ فاسعوا وذروا بانضمام آنکه کم ترین مصادیق جموع حسب وضع لغت سه فرد اند بریں اَمر دلالت دارد که کم از کم سوائے امام سه کس می بایند چه مخاطب "یا ایها الذین همان سامعان اندکه دویده وعظ امام خواهند شنیدنه آنکه امام هم داخل جماعت شان است زیراکه نداو صلوٰة حسب قراردادسابق وقتی می بود که امام جلوه بر منبر میکرد نظر بریں ایں حکم مخصص سامعان خطبه باشدامام را باین حکم سروکاری نیست الغرض ضرورت امیریا مامور وهم ضرورت جماعت مسافر راهم از آیت و حدیث یک طرف الگند وجه اشتراط امیر یا نائب امیرهم بوجه ضرورت خطبه که از لفظ "فاسعوا الیٰ ذکر الله " هویداست بانضمام حدیث لا یقص موجه شد باقی ماند فقط شرط مصر اگر غور کنند همیں ضرورت امیر و مامور دست در کمرآن دارد چه مصری نباشد که حاکمی دران نبود خود بادشاه وقت اگر نباشد نائب او بالضرور خاهد بود و فرق فیما بینامصار و قریٰ و شهرها و دیهات نه

آنچنانست که محتاج بیان باشدودر هرولایت شهرها دیهات می باشند و هرکس بمجرد استماع این الفاظ معانی این الفاظ می شناسند و بمجرد مشاهده شهررا ازویه تمیز میکند قابل بیان اگر بود همیں بود که شهری خالی از حکام نمیماند خود سلطان باشد یا نائب سلطان باشد ودر دیهات و میدانها و صحرا خواه مخواه رونق افروزی سلاطین ضروری است ونه نصایح گستری نواب شان واجب نظر برین صحراودیه رابه یکسو گذاشتن و کارگذاری سرکاری بلدمهٔ اهل شهر نهاوندوازیں تقریر این هم هویداشدکه جو از جمعه بسه کس مخل اشتراط مصر نیست ضرورت مصر بوجه دیگر است بغرض فراهمی مجمع کثیر نیست آری بالائے ضرورت مشار الیها این شرط این فائده هم در آغوش وارد که وعظ در شهر خالی از مجمع کثیره کمتر باشد و باین همه مردم شهر اکثر ارباب فهم باشند قابلیت تعلیم چندان که اوشان دارد اهل دیه ندارند ودر مجامع کثیر اگر همه تسلیم نمی کنند باری ازیں هم چه کم که بدوکس راوعظ واعظ درگیردو باز وعظ و پند صحبت اش دیگران را براه حق کشد اکنون معروضی دیگر بخدمت خدام عرضی میکنم فهم این اشارات از کلام ربانی چون همه مردم را میسر نیست و احادیث مصرحه این معنی بحد تواتر نرسیده اندا افهام علماء مختلف شدندو عوام را گنجائش امید مغفرت برتهاون در صورت وجوب نزدیکی و عدم وجوب نزدیکی بهمر سیدورفته رفته کاهلی نوبت تاباآن رسید که متعصبان حنفیه عمداً ترک وتهاون جمعه آغاز کردن و این ندانستند که اندریں صورت بفحوای المتقی من یتقی الشبهات در همچوں نه تنها جمعه ضروری ست بلکه فرض ظهرم

واجب گردید یعنی ایں مسلم که درهمچو صور قطعیه فرضیه بایں معنی که اگر شرطے از شرط مذکوره فوت شده تاهم ادائے جمعه هم چو نماز هائے پنجگانه فرض است و منکران کافر قایل اعتماد نیست مگر ارشاد " دع ما یریبک الی ما لا یریبک قانونی" اگر بهر مواقع شک تجویز فرموده و آن ایں که اگر در فرضیت احد الامرین بلا تعین یقین کامل حاصل باشد و به نسبت بگان یگان یقین کامل نبود بلکه ظن یا شک باشد هردورا ادابایدکرد بدای یک امر فارغ نتون نشست و ایں بدان ماند که مروی متدین یک روپیه یا کم و بیش مثلاً قرض دیگرے بلمۀ خود داشته باشد و پس از زمانۂ درازدرشک افتدکه ادا اکرده ام یانی یازاوّل امر بودن قرض و نبودن آن مشبکوک بود و صاحب دین حاکمے است و امتحانش میکند که میلهلیا نمید هداندر ینصورت اقتضائے دینداری همیں است که اداکند و اگر در مقدار قرض شک است یک روپیه است یا دو روپیه می بایدکه هر دو روپیه ادا بکند اگر صاحب حق تابع حق است در صورت بقاء حق خویش بقدر حق خویش خواهد گرفت باقی رابا حواله خواهد فرمود چون درینجاهم همیں صورت بوقوع آیدمی باید که اهل اسلام هر دو راادا کنندحق تعالیٰ حق خود را قبول خواهد فرمود و باقی را عوض واپس خواهد داد یعنی هرچه که فرض نبود آنرا بحساب نوافل خواهد گرفت و ازانجاکه اعطاء ثواب حسب قرارداد کرم برنوافل واجب است به ثواب مکافات جانکاهی بندگان خواهد فرمود اما فرائض حقوق سرکاری اند عوض آنها بمقتضاء طلب ضروری نیست بلکه آنرا هم چو باقی سرکارے باید پنداشت چنانکه باقی سرکاری همچو قرض رعایا

واجب العوض نبود همچنین فرائض واجب الثواب نباشند ونوافل را همچو اسباب بازارے و قرض رعایا باید دانست که یک ذرّه هم اگرمی گیرند قیمتش و عوضش ادا میکنند مگر چون نفس جمعه قطع نظر از شرائط است وهم شعایر اسلام اگرازادائے نماز تهاون در اوایش رودهدو مردمان کم فهم رابوجه کوته فهمی و معونت کاهلی مقصود شدن شرائط موجب ترک جمعه شودونه باعث افزائش نماز ظهر الدرینصورت بگمان این هیچمدان مفتی وقت را اختیار تاکید جمعه و ممانعت ادائے ظهر است اورا میرسدکه ازظهر بازداردتا بجمعه مستقیم شوند و جمعه را قائم کنندچه اوّل حدیث "اختلاف اُمتی اواصحابی رحمة او کما قال "مشعراین اختیار می نمایدودوم تقرر خلیفه خود باطاعت و معیت مردم وابسته است وانعزال ان بعزل اوشان گره خورده چون این قدر اختیار گران بها باوشان ارزانی فرموده اند نصب امام و واعظ که حصه ایست ازان چراکه بدست شان نباشد ووعظ و امامت ازکار هائے امام عام است امامت صغری ووعظ و پندبامامت کبریٰ و اولی الامر نسبتی دارد که نور ضعیف رابا نور قویست اگرامامی موجوداست دست بدست دگری دادن نشاید که اجتماع دو حاکم صد فتنه دربردارردوهمیں است که قتل ثانی ووفاء به بیعت اوّل ارشاد رفته مگر حائیکه یک باشد ندوکسی راامام خود گردانیدن چندان دُور اَز قیاس نیست چه این وقت امامت امام عام توان کردتابامامت صغری چه رسد غرض نظر براختیار مشار الیه مسلمان را نصب امام خاص بدرجهٔ اُولیٰ بایدداد واین کاراز وباید گرفت و این امامت را مخالفت اشتراط امام عام نباید فهمید چه این شروط وقتی است که

از امام عام نامی و نشانی باشد تاکه بالمعنی جمع بین الخلیفتین لازم نیاید چه در صورت وجودش ایں کار حسب اشارات حدیث چناں که بگذشت و موافق اشارات الفاظ قرآنی " اعنی اطیعوا الرسول واُولی الامر منکم" کار امام عام بود اگر وعظ دیگر بشنو و برامر و نهی دیگران کنند گو یاهمانرا اُولی الامر قراردادندو بالمعنی درجنب خلیفۂ اَوّل خلیفه دیگر به نشانند اکنون که سندش خالیست اگر واعظ دیگران بشنوند محذوری نیست و چوں موافق ایں تقریر ایں شرط از میاں برخاست شرط مصرهم بیک طرف رفت چه اشتراطش ملزوم اشتراط شرط امیر بود آری ظاهر الفاظ روایات مشعره ضرورت مصر عام اند لهٰذا احتیاط همیں است که تا مقدور رعایت شهر پیش نظر ماندو اگر کسی دردیهی جمعه قائم کنددست گریبانش نه زنندکه اَوّل ایں شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکور ضعفے دگر وراں بهمر سید گر خلجانے هنوز باقی است عرض آں نیز ضروری ست چناں که ادائے ظهر کم فهمان را موجب تهاون درجمعه می شود هم چناں ایں اجازت نصب امام خاص و اختیار استماع مواعظ و خطب آں موجب تهاون در نصب امام عام است اگرجمعه متروک میشد شاید همت اهل همتی بشوق جمعه و مشاهده هدایت اهل عصر و ابناء روزگار کارے میکردنظربریں جمعه بین الظهر والجمعه احوط بینما یدورنه وجوب نصب امام منسیاً منشائ شدنیست. وپیداست که ایں وجوب رفتنی نیست و اختیار نصب امام خاص بے شک ایں وجوب رابضعف میرساند ایں ست آنچه که ذهن نارسائی من بدان میرسد مگر نه فاضیم نه فقیهم نه مفتی نه که اجتهاد کنم و خلق قول من بشنوندا گر

دیگران هم همصفیر من شوند فبها ورنه کالای زبون برپش خاوند این دفتر بے معنی را برسرمند زنند و هرچه مناسب وقت دانند و موافق اشارات علمائے ربانے که از اتباع قرآن و حدیث دور نیفگند اختیار فرمایندو این نیاز مند راهم اطلاع فرمایند تابه پیروی جم غفیر من هم سروهم و درپے تفرق کلمه نشوم بخدمت حضرت مخدوم و متاع من برکت مآب مولوی سید عبدالسلام صاحب از من دُور افتاده عمر عزیز را بهو اوهوس برباد داده سلام و شوق که بصد نیاز مشحون باشد عرض دارند و من بغرض دعا این کارکرده ام ورنه از فتویٰ و استفتاء احتراز من مشهور است .

تنبیہ

تقریر پریشانم را هر که ملاحظه خواهد فرمود باید دانست که شروط حنفیه اگر معارض عموم ظاهری خطاب" یاایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ " است اما این عموم خطاب بحکم مقدمات مذکوره مستدعی آن نیست که حکم جمعه عام باشد آری اوامر حکم سیاق تخصیص حکم میکند و هویدا بود که همه شروط مذکوره از همیں آیت می زایند و احادیث مسنده فقط مصرحه و موضح آن هستند مستند بشروط اند تااحتمال ابطال نص عام بروایات احادکه بعضی آنها موافق خیالات بعض اکابر مطعون الذهن نشیند مگر وقتکه شرائط مذکوره موجه شدند باز فقط باین نظر که در بعض مواقع بدون این شروط هم میعوان براید جرت اهمال ان نباید فرمود آری بطور احتیاط بوجه ضرورت دیگر اگر مرتکب این اهمال شوند چنانچه عر ض کرده ا م چندان دور از

قواعد شرع نیست که احتیاط ازاهم مقاصد شرع شریف است و بسیاری از احکام مبنی بر احتیاط اند وجوب و ضوبس از نوم مبنی بر همیں احتیاط است چنانچه الفاظ مشعره وجوب آن خود را نظر اهل نظر گواه است و سنت غسل بدنیکه همچو فانک لا تدری این باتت یلر که بت است بنایش برهمنیں احتیاط است و بس.

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

مصنفہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل

خدایا بہ بخشاے برحال من — کہ افتادہ عصیان نیابدل من

زماکردنیہا ہمہ کردہ ام — زآسایش خویش آزردہ ام

گناہان بے خود مکن درشمار — کہ اوبر گناہ تو آمرز گار

نہ طاعت کہ باشد نیازم باو — مگر رحمت توکہ نازم باو

بجا باشد از گیری ازمن نگاہ — کہ خودرا ہمیں بینم عصیان پناہ

اگر بخشیم باشدم آبرو — وگرنہ سیہ کارم وزردرو

توآنی کہ ازمن پیری حساب — توآنی کہ برمن نگیری عتاب

گنہگار و امیدوارم بہ بخش — بہ قاسم کہ برحال زارم بہ بخش

تمّت

(الحمدللہ والمنہ کہ کتاب رسالہ لطائف قاسمیہ باردوم

بماہ نومبر ۱۹۰۸ء در مطبع مجتبائی واقع دہلی طبع گردید)

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

الحمد للہ کہ مکتوبات مجمع الحسنات مخزن البرکات عالم ربانی جامع علوم ظاہری و باطنی
حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ المسمے

لطائف قاسمیہ

۱۳۰۹ھ

آمر شد بہ تصحیح و تنقیح مولوی محمد فضل الرحمن و مولوی محمد الیاس سلمہما اللہ تعالی
باہتمام جناب مولوی حافظ محمد عبد الاحد صاحب سلمہ اللہ الوہاب

در مطبع مجتبائی واقع دہلی مطبوع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی غرق دریائے گناہم
ہزاران بار توبہ ہا شکستم
بآن رحمت کہ وقف عام کردی
منم مسکین چنین مغموم ماندم
دلم از نقش باطل پاک فرما
بشو از من ہوائے کبر و دیر
دلم را محو یاد خویش گردان
کہ خار عیب از جانم برآرے
بسی بگذشتہ شاہانہ مرادم

تو میدانی و خود ہستی گواہم
حجاب مقصدم عصیان من شد
جہانرا دعوت اسلام کردی
کہ خود را ترا سلطان چو دیدم
براہ خود مرا چالاک فرما
درونم را بعشق خویشتن سوز
مرا حسب مراد خویش گردان
گناہم را اگر دیدی نگر ہم
بدرگاہت رسیدم سارشلوم

گناہ بیحد و را بار بستم
گناہم موجب حرمان من شد
نمیدانم چرا محروم ماندم
بدرگاہ تو ای رحمان دویدم
بکش از اندرونم الفت غیر
بہ تیر درد خود جانم بدوز
اگر نالایقم قدرت تو داری
بعفو و فضل خود ای شاہ عالم
بچشم لطف ای حکم تو بر سر

بحال قاسم بیچارہ بنگر

مکتوب اول بنام مولوی محمد صدیق صاحب مراد آبادی در اثبات حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سراپا عنایت سلامت۔ السلام علیکم۔ کل دو آپ کا عنایت نامہ پہونچا کیفیت مندرجہ کو دیکھ کر

طبیعت بہت گھبرائی ہنوز اوس تحریر ہی سے چندان فراغت نہوئی تھی کہ ایک اور سر پہ آن
پڑی تس پر مفصل لکھون تو کہان تک لکھون یہ بحث ایک دریائی ناپیداکنار ہے اور اختصار
کیجیے تو کہان تک دریا کو کوزہ مین لانا دشوار اسلئے فقط عقیدۂ دل سے آگاہ کئے دیتا ہون اس
ضمن مین کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہوجائے تو ہوجاوے انبیاء کرام کو انہین جسم
دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہون یہ نہین کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے
تعلق ہوجاتا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال مین میراث ہوئی اور انبیاء کرام علیہم السلام
کے مال مین میراث جاری نہوئی حالانکہ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین سب
کو عام ہے عوام ہون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء کی ازواج کو بعد عدت معہود
نکاح کی اجازت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کی شان مین یہ حکم آیا ولا تنکحوا
ازواجہ من بعدہ ابدا حالانکہ عموم واحل لکم ما وراء ذلکم جس سے حلت غیر
منکوحہ فارغ العدۃ سمجھ مین آتی ہے اور عموم والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا
وغیرہ جس سے بعد مرور عدت ازواج کو اجازت نکاح نظر آتی ہے اسکے مخالف ہے اگر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ نمانئے اگر شہداء انہین ابدان کے حساب سے ہوتے تو پھر انکا
قبور مین مستور ہوجانا بہت ہوتا تو مجرمون اور مظلومون کے محبوس ہونے کی برابر ہوتا نہ مال
مین میراث چل سکتی نہ ازواج کو نکاح کی اجازت ہوتی ورنہ اس حساب سے تو ہم مردہ دل ہی اچھے
رہتے جنکی زندگانی موت سے بدتر ہے کیونکہ اس نام کی زندگانی پر ہمارے لئے تو یہ انعام کہ نہ مال
مین کوئی تصرف کرسکے نہ ازواج کی طرف کوئی نظر بھر کے دیکھ سکے اور وہ اس حیات کامل پر بھی
اس دولت وعزت سے محروم رہے مگر چونکہ یہان کے اموال یہین کے ابدان کے شکست و
ریخت کے لئے ہین اور یہان کے ازواج انہین ابدان کی ثمر کے تخم ریزی کے لئے مصداق نساءکم
حرث لکم یہین ہین تو بعد انفکاک تعلق روح کو انکے متعلقات سے کیا تعلق رہجاے گا
بلکہ جیسے گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لئے اور گھوڑا نہ رہے تو پھر گھاس دانہ
سے بھی کچھ مطلب نہین رہتا ایسا ہی ابدان ارواح کے کاروبار کے لئے بلکہ اوسکا مرکب وآلہ ہی

سواری ہو اسوال ارواح ابدان سے کہنے اور ابدان زمین تو پھر ان سے بھی مطلب نہ بہیگا اس لئے
شہداء کے سوال ارواح میں بھی بوجہ انفکاک تعلق مذکور اور اونکو بطور مناسب اجازت ہوگی اور یون ہی
بیکار نہ رہنے دینگے مگر ان جیسے یہان گہاس دانہ کی طلب اور اس سے تعلق دلیل اسبات پر شاہد ہوتا ہے
کہ طالب اور صاحب تعلق سے گہوڑا وغیرہ گہاس دانہ کہانے والا کوئی جانور ہوگا ایساہی سوال
ارواح سے تعلق اسبات پر شاہد ہوسکتا ہے کہ صاحب تعلق کو اپنے ابدان سے تعلق ہی اس تقریر
مختصر سے بعد تو بشرط فہم و انصاف خواہ مخواہ ذہن میں آہی جاتا ہے کہ انبیاء کرام کو اپنے ابدان سے تعلق
اوس قسم کا تعلق اب بھی ہوگا جس قسم کا پہلے تھا یہی نہیں کہ جیسے وطن سے باہر اپنے وطن کو یاد کرتے
اور اوس فاصلہ پر اور بستیاں ہون تو اونکے کچھ خبر نہیں ہوتی ایسے ہی انبیاء کی ارواح کو بھی مثل دیگر
اموات اپنے ابدان سے ایک تعلق یادگاری محبت ہے مگر چونکہ اور ابدان سے محبت نہ تھی تو تعلق یادگاری
بھی نہیں ایساہی تعلق ہوتا تو احکام بھی یکسان ہوتے ہان یون کہئے تو خیر کہ خدا کے حکم محض پوچ
اور بے حکمت ہوتی ہین مگر چونکہ آپ سے یہی امید ہے کہ خداوند علیم و حکیم کو حکیم ہی سمجھتے ہونگے اسلئے یہی
امید ہے کہ وجہ حکم مذکور انبیاء کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھینگے پر حسب ہدایۃ کل نفس ذائقۃ
الموت اور انک میت وانہم میتون تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاصکر حضرت سرور انام
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت
و حیات ایسا ہوگا جیسا وقت حرکت کشتی جانشین کشتی کا حرکت و سکون جیسے یہان سکون اصلی ہے
اور حرکت عرضی ایسی ہی وہان بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی اسلئے استمرار بھی اگر تسلیم کرلیا جائے
تو کچھ مخالف مطلب نہوگا کیونکہ حیات پھر بھی موجود ہے یا جیسے آب گرم میں اجتماع حرارت کوئی
برودت حرارت کے لئے دلیل کی کیا حاجت وہ خود مشہود و محسوس ہی ہان برودت کی دلیل
لیجئے اگر برودت نہوتی تو آگ کو کیونکر بجھا سکتا آگ کے بجھانے کے یہی معنی ہین کہ مادہ حرارت کو
کہو دیا اور نیست و نابود کردیا مگر ظاہر ہے کہ اضداد کو بجز اضداد عالم اسباب اور کسی سبب سے باطل
اور نیست و نابود نہیں کرسکتی مگر یہ بھی تسلیم کرنا ضرور ہے کہ وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام
اور بھی شدید ہوجائے کیونکہ جب حیات اصلی اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر آنا

ایسا ہوگا جیسا حالت حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمان پر چلا جانا، پر پردہ حیات
عرضی مستور ہوئی تو پھر ایسی صورت ہو جائیگی جیسے فرض کیجئے چراغ کو کسی ظرف گلی میں رکھکر سرپوش دیدیں
جیسے یہاں تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتے
ہیں جس سے وہ اشتداد شعاع الیہ نمایاں ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے اس صورت میں
موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہوگا جیسا چراغ کی ظرف گلی میں مستور ہو جانے
اور گل ہو جانے میں فرق ہے یہاں جیسے باعتبار مکان ادہر ادہر دونوں صورتیں برابر ہیں پر اتنا فرق
ہے کہ باعتبار اصل اتنا پہلے نہ تھا ایسا ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ انک میت جدا کہا
اور انہم میتون جدا فرمایا مثل ثم انکم یوم القیامۃ جو اکلا جملہ ہے سب کو شامل
کرکے انکم میتون نفرمایا کہ اسی فرق مراتب موت کی طرف اشارہ باقی رہے بالجملہ
حیات حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ
معاملۃ توفی تعلق الابدان الدنیاویہ سے یہ نہیں کہ مثل شہدا تبدیل ابدان کئے گئے ہو اور اشدیت یوں
ظاہر ہے کہ بوجہ احاطۂ مذکور جسکو موت کہئے تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس و قمر اطراف بدن
اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا سمجھ لینے کے لئے تو اتنی ہی کہ
پھر اس سلامت اجساد کو ملحوظ کیا جائے تو اور بھی تائید ہو جاتی ہے رہیں احادیث اونکے جمع کرنیکی
اس وقت ضرورت نہیں جو یہ تحقیق کیجئے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی ضعیف پر پھر بھی مجھکو ان
باتوں کی خبر کم ہوتی ہے کیونکہ یہ باتیں کتابوں سے متعلق ہیں اور آپ خود جانتے ہیں کہ جیسے سپاہی
بے ہتیار ہوتے ہیں ایسا ہی یہ جاہل عالم بے کتاب ہے یہ باتیں آپ خود حضرت شیخ کی تصانیف
سے نکال لیں مگر ایسا یاد پڑتا ہے کہ اکثر احادیث باب حیات ضعیف ہیں زیادہ کیا عرض کروں اتنا
تو عرض کئے دیتا ہوں کہ گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں جانتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی رہے گا
مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں نہ منکروں کے دست
و گریبان ہوتا ہوں خود کسی سے کہتا نہیں پھرتا کوئی پوچھتا ہے اور اندیشہ فساد نہیں ہوتا تو اظہار
میں دریغ بھی نہیں کرتا آپ بھی اس امر کو ملحوظ رکھیں تو بہتر ہے فقط

مکتوب دوم در اثبات تراویح بدلائل عقلی و براہین نقلی

کمترین انام محمد قاسم نام کہ بیجانی شعار اوست و طاقت تعالی کار او بخدمت مجموعہ مکارم اخلاق عبدالرحیم
شان صاحب دام اخلاقہ بعد سلام مسنون عرض کردہ عرض پرداز است کہ نامہ نامی کہ بنام احقر بے نشان
سپر شمار ارسال فرمودہ بودند از میرٹھ بہ نانوتہ و از نانوتہ بگنگوہ و از گنگوہ برامپور شدہ تردم در اواخر شوال
رسیدہ ممنونم گردانید نظر بر اہتمام سامی در امور دینیہ و اہتمام چندانکہ در فضائل اعمال دلائل اینچنین باید و دلالت
نہ چنین چندانکہ بر خود نظر نمی کردم کہ ہنوز گرفتار ہوا و ہوس و ہر دم بحکم مسابقہ کار انیدم بدم می انگیزم ہمان
قدر بہ اجابت آن فرمایش خواندم و گفتم کہ چون در فضائل اعمال اینقدر اہتمام است در این مسارعۃ در دیگر اعمال
عالیہ از فرائض و سنن ہوکہ چہ قدر ذخیرہای عمدہ بہم آوردہ باشند جزاکم اللہ خیر الجزاء از ہمانم خیال
جوابش عزم راہی انگیخت و پاس بیمار کیدلم می آویخت الا بالائے تکاسل طبع زاد کہ باستماع عادات احقر از جغر
ملتمان عیادتہ باشند پریشانی روزگار کہ ہر روز از جای بجای میبرم و ہجوم کارہا کہ از کاری برکاری می نشستم
نیز فرستم نہ لکہ بہ اشغال غیر ضروریہ پردازم باہمہ بدین سیاق و سباق نامہ سامی و مطالعہ دلائل
مقاصد گرامی ندانم غلط است یا راست از ہر طرف بوی تعصب و تعمق شمیدم و بظاہر این کار جناب نیست
کسی دیگر است کہ در پردہ نام جناب درین میدان گو را ز رفتہ فرمودہ امام ابن صلاح را بادعائش
چہ ساس آری اگر اثبات احکام منحصر در صحاح بودے می توان گفت کہ فلان حدیث اثبات تراویح
نمی توان کرد آری باثبات مطالب بقدر ثبوت دلائل می باشد صحاح بقدر ثبوت خود و ضعاف بقدر
ثبوت خود باثبات مطالب میکنند غرض حسب تنوع دلائل مطالب متنوعہ بثبوت میرسند از متواترات
عقائد ضروریہ مثل توحید و رسالت و حقیقۃ کلام اللہ ثابت می توان کرد و از احاد صحاح این کار نمی آید
و از احاد وجوب اعمال و تاکد سنن باید گرفت از ضعاف این کار نباید گرفت این فرق از کجا خاستہ از تفاوت
سند خاستہ ورنہ نفس حدیث و اضافۃ نبوی ہمین خواہد کہ ہر دو را بیک پلہ باید سنجید مگر ظاہر است کہ احادیث
ضعیف نہ چنان ثابت اند کہ ہمسنگ صحاح و حسان گردند نہ چنان باطل کہ ہمرنگ موضوعات شوند پس لاجرم
مرتبہ آنہا باعتبار ثبوت و عدم ثبوت فیما بین صحاح نے بلکہ حسان و موضوعات خواہند بود نہ مثل موضوعات

که سراسر باطل اند وبوی از ثبوت نشنیده بسیار باشند حسان وصحاح ومتواترات هم که اثبات بکار اند
درین صورت ثبوت فضائل اعمال که از مطالب حسان وصحاح ومتواترات فروتر است از مضائقه چه تنبیه
وظاهر است که در صورت ترک اتفاق فقها به ثبوت دلالت تراویح معلوم است باش از فضائل نمی فزاید پس اگر حدیث
نسبت تراویح ضعیف باشد ظاهر پرستان را چه باک در ذکر او اگر جگر خون کنند کنند مدعیان نگاه کنند هان اگر
تعارض مزعوم کسانیکه درین زمانه درین باره غوغا کرده اند ومیگویند که حدیث بست با حدیث یازده متعارض
است سر بزند شود البته ترک بست واختیار یازده خیلی بجا بود گو در هنم گنجایش گفتگوهای دیگر باشند ولیکن
از اثبات تعارض از برهمی ملت وبرهمی کلمۃ الاسلام چه سود باقی ماند انکه جناب ختمی مآب صلی اللہ تعالی
علیه وآله وسلم در رمضان وغیر رمضان همی یازده را بجا آورده اند چنانچه از حضرت عائشه رض مرویست اما کرهم
رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیه وآله وسلم در لیالی سگانه همی یازده خوانده چنانچه از جابر مرویست این حدیث
گو بظاهر با حدیث بست که مرفوع است بنظر ظاهر بینان متعارض نماید اما در حقیقت حکم بتعارض خاصه
از جهل یا عناد نیست اول تراویح را از تهجد باید گفت بعد ازان تطبیق تعارض عزم باید کرد هاگر گویند که تراویح
مثل صلوۃ اوابین که بعد مغرب میخوانند ونوافل عشا که در پس وپیش آن خوانده می شوند نوعی دیگر و تهجد نوع
دیگر و هر دو حدیث مذکور در باره تهجد است خود ظاهر است که اعتراض تعارض یکسو خواهد رفت باز چون باتصال
تراویح با عشا ادا کردن آن در اول شب وافتراق تهجد از عشا که نوم و دیگر اعمال کثیره بمیان می آیند وادا
کردن آن در آخر شب نظر افگنیم این را سوجمی یابیم مهندا در تهجد روایات کثیره از حضرت عائشه مرویست هم
از بعض صحابه مذکور بعض ازان در صحیحین وبعض در کتب دیگر از صحاح ستہ منقول است چنانچه خوانندگان
حدیث همه میدانند پس هرچه ملازمان جناب ودمشقی سامی جواب آن خواهند داد ازین تعارض هم همان را
قبول بکنند یا بجاآیند چنانچه حمل بر تعدد واقع احادیث بخاری ومسلم را موافق باهم توان کرد حدیث بست رکعت
ویازده رکعت را نیز باهم متوافق باید ساخت ازین صورت ضعف حدیث بست در امتثال منطوق آن
مانع نخواهند شد هان اگر امام ابن صلاح لیاقت قبول اقوال از نصوص قطعیه بهم رسانیده اند وکلام اوشانرا
حدیث باتباع اوشان خوانده و دیگر علماء اصول وفقه را این منصب بهم رسیده ما گنجایش عرض معروض
خویش نیست ما گر اوشان را امام اصول حدیث بامعنی نصور ... که درین فن یکتا روزگار ومجتهدین

سیلان داین کار بود و در بارهٔ محافظت الفاظ حدیث هر قاعده که بنیاد نهند به چشم نهادنی است و هر راهی که
روند قابل گام کشادنی است مار اسلم گرا و شان را اگر در محافظت الفاظ حدیث که بغرض محافظت معانی متعمد
است چنانچه جملهٔ فلیبلغ الشاهد الغائب یا جملهٔ فرب مبلغ اوعی من سامع پیوسته بران شاهد
است ائمه اصول فقه را در فن محافظت معانی ید طولی است اوشان دران باره اگر قابل اقتدا هستند
ایشان درین باره لائق اتباع قاعدهٔ بنیاد نهادهٔ ائمه اصول فقه همین است که فضائل اعمال از ضعاف
هم ثابت می توان شد و اگر نیک تامل کرده شود آن موضوعات که نظر بر کذب رواتش در مواقع دیگر از
در موضوعات شمرده اند باین کلیه بالیقین غلط و مخالف واقع نمی باشند فان الکذوب قد یصدق
هم چنانکه همه صحاح صحیح بمعنی مطابق واقع نمی باشند فان الصدوق قد یخطی و نیز احتمال
دروغ از غیر معصوم بس مستبعد چنانچه در بعض صحاح مشهود هم این است نمی‌دانی که در بخاری شریف در باب
عمر شریف حضرت رسول اکرم صلی الله علیه وآله وسلم سه روایات باهم متعارض آمده شصت و شصت
و شصت و پنج و همه میدانند که توافق این روایات باعتبار منطوق خویشتن محال است لاجرم یکی مطابق واقع
و دو مخالف واقع خواهند بود حالانکه باعتبار اصطلاح اصول حدیث هر سه روایات صحیح اند ورنه امام بخاری که
التزام ایراد صحاح کرده اند در کتاب خود نمی آورده اند این صورت امر همین باید که یکی را مظنون الصدق یا
مقطوع الوقوع گردانند و دیگر از را مظنون الکذب و یا قطعی البطلان گردانند پس مرجح اگر از قسم روایات است
عام است که صحیح باشد یا ضعیف چنانچه ظاهر است و اگر از قسم درایات باشد از اندازه حرکت که یکی از کارهای
نبوی است چنانچه آیه یعلمهم الکتاب والحکمة بران دلالت میدارد بیرون نرفته باشند از بهر صحت
حدیث ضعیف هم اگر موید بدرایه شود از مرتبه خود بالا رفته کار دگر خواهد کرد چنانچه آیه واذا جاءهم
امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم
لعلمه الذین یستنبطونه منهم برین قضیه گواه هم موجود است پس اخبار مشار الیها اگر از قسم صحاح بودی
و از قدر احتمال طعن نمی شد و اگر بدرایه موید ضعاف نمی شد جملهٔ لعلمه الذین یستنبطونه چه معنی
داشت اکنون معروض آن است که روایه بسته که نیز بزعم احقر موید بدرایه است معارض که ام
روایه نیست اگر اندیشه که بدان اشاره کرده آمده ام سد راه قلم نبودی اگرچه ما فی الضمیر خود زیر قلم

آمدہ می بارے قلیل کثیر از آن تا دیرہ گوش سامی میکردم مگر چہ تم گوش سامعی جناب التفات نرفت کنارہ
بنمود چنانچہ قدری معروض شدہ قدری اکنون معروض میشود مدار طعن بر روایۃ موطا بر چیں نوشتہ کہ
یحیی بن سعید زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ندریافتہ سبحان اللہ چہ دلیل است وجہ ملاحظہ طعن
این ہمہ کہ مرسلات تابعین اعتبار را نشاید اول این را اثبات باید کرد بعد از آن روایتہ کہ بر علاوہ
باید فرمود عدم اعتبار مراسیل تابعین اگر تراشیدہ خویشتن است این را کہ می پرسد و اگر تقلید دیگری است
بجز امام شافعی کسی نیست کہ باین طرف رفتہ امام ابو حنیفہ و امام مالک ہمہ برآنند کہ مراسیل تابعین ہم مثل
مراسیل صحابہ ہمہ مثل مراسیل صحابہ معتبر اند بلکہ از مسند زیادہ چہ ترک اسناد دلیل وثوق خود است و ذکر اسناد
بر فہم سامع گذاشتن و گویا العہدۃ علی الراوی گفتن است اگر از تقلید عار است قول امام ابن صلاح رح
را بدیوار باید زد و اگر تقلید اوشان جائز است امام ابو حنیفہ رح و امام مالک چہ تقصیر فرمودہ اند امام ابن صلاح رح
اگر تاسیس قواعد حفظ و نگاہداشت الفاظ بصیرت حاصل کردہ اند امام ابو حنیفہ رح و امام مالک نیز در
تاسیس قواعد محافظۃ معانی ید طولی دارند و اگر از این قواعد محافظۃ معانی بہم رسیدہ در بعض مواقع
بنظر ملازمان جناب علی تقدیر التسلیم معنی منصوص از دست میرود از قواعد محافظۃ الفاظ نیز این محافظت
علی العموم دیدہ نمیشود چنانچہ از ملاحظہ احادیث عمر شریف حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہویدا است و اگر درین بارہ بتقلید امام شافعی بر وشان احسان نہادہ اند از ما سپار کبا و گرانند نیستیم
اگر ملازمان جناب اقتدای امام شافعی ورزیدہ ما گنہگاران اتباع امام ابو حنیفہ لازم گرفتہ ایم اگر فرق است
ہمین قدر است کہ امام ابو حنیفہ امام اعظم اند بالجملہ تقلید یکی از ائمہ مقلدان ائمہ دیگر را الزام نباید داد و بدوشان
دست گریبان نباید شد این است جواب آنچہ کہ ملازمان جناب بطور قواعد روایۃ بر بستہ کہ طعن فرمودہ
بودند باقی مطاعنیکہ بطور درایۃ وارد فرمودہ اند جواب آن چہ گوئیم کہ خود از دائرہ فہم بیرون می نماید مگر آنکہ
تعصب و تحمق باعث این یاوہ گوئیہا شدہ باشد دیگر چہ گفتہ شود و اگر باور نیست باید شنید یکی از آن
مطاعنہا اینہم است کہ اگر بر روایۃ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء دست آویختہ شود بلحاظ آنکہ سنتی و سنۃ الخلفاء
ہر دو معطوف اند و تکرار معاف مشعر باتحاد اول یا ثانی میباشد لازم است کہ سنت الخلفاء کہ اتباع آن در
حدیث اشارہ فرمودہ اند ہمان سنت نبوی علیہ وعلی آلہ التحیۃ والسلام است و در بست کہ مقصود

میگویم که اصل این قاعده تردد ما حصل کلام نیست تا با تبلغ اوشان ملازمان مخدوم را گنجایش طعن بہم رسد
و اما انکه جناب باعث تردد شود دوم اینجا لفظ لفظ سنت که باده آن بذات خود نکره است و تکرر نکره باعتراف
ہمان یکسان که تکرر معرفه را مشعر براتحاد شمرده اند مشعر تغایر است نظر برین لازم که سنة الخلفاء غیر سنة نبوی
علیه الصلوة والسلام باشد و یای متکلم و لفظ الخلفاء اگر معرفه است یکی هم ازان نکره نیست و اگر نظر بر معرفه
عرضیه است آن معرفه خود از معرفه دیگر متغایر شده چنانچه آن دو بذات خود متغایر اند این و آن معرفه نیز متغایر
خواهند بود وجهش چنانکه هویدا نیست که محکوم علیه حقیقی در صفات عرضیه همان موصوف بالذات میباشد پس
اگر موصوف بالذات چیز واحد است صفت عارضیه نیز چیز واحد خواهد بود و اگر دو شی متغایر است صفات
عارضیه اهم دو شی متغایر باید پنداشت پس اگر سنتی و سنتی مکرر می آمد یا سنة الخلفاء و سنة الخلفاء مکرر
می شد این گفتگو بظاهر خیلی بجا گفته می شود و باینهمه در ابناءنا و ابناءکم بلکه در انفسنا و انفسکم که در کلام الله
یکجا مکرر آمده چه خواهند فرمود سبحان الله باچنین ابله فریبها و این لن ترانیهای دور و دراز علاوه
برین همه اهل فهم را درین قدر اتفاق است که عطف مقتضی تغایر می باشد تا وقتیکه تغایر حقیقی یا تغایر اعتباری
بدست نیاید عطف متوهم گردد دوم آنکه طعن لام تعریف در جمع مفید استغراق می باشد اند درینصورت
لازم است که جمیع خلفاء مراد باشند پس سنة الخلفاء که اشاره بالتزامش فرموده اند می باید که سنت
همه خلفاء راشدین باشد و بست رکعت اگر هست سنة حضرت عمرؓ است سنة حضرت ابی بکرؓ نیست
این اعتراض از همه افزون تر است ماشاء الله فهم مطالب همیان باید و نکته فهمی کم از فهم اینقدر شاید
مخدوم من اینقدر مسلم که جمع محلی باللام از الفاظ عموم است و لام تعریف در جمع اکثر مفید استغراق
می باشد اما منشاء این مخدوم ندانم معنی اجتماع از کدام پهلو می برارند و این تحقیق از عقل یا از نقل از
کجا می نگارند مفاد استغراق همان مفاد کل افرادی می باشد نه مفاد کل مجموعی تا این مطلب باین
دلیل سرپرده می شد ظاهر است که در کل افرادی حکم راجع بهر فرد جداگانه می باشد آری در کل مجموعی
حکم ضرور راجع بجانب مجموع میگردد و افراد ملازان سروکاری نمی بود و آنچه منشی جناب فهمیده اند غلط
همین ارجاع حکم بجانب مجموع است ازین تا آن فرقی است که بفرق زمین و آسمان تعبیرش توان
کرد باینهمه حدیث اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم را حکم باید کرد باید دید که حسان فیصلا این نزاع

بیکند علاوہ برین نصوص قطعیۂ قرآن شریف و حدیث را کہ در بعض مواقع بر جمیع محلی باللام مستعمل شدہ اند
مثلاً ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین چہ جواب خواہند داد کدام است کہ نمیدانند کہ اینجا اجر مجموع مراد نیست چہ
ہر محسن ہم اگر تنہا عالم باشد تاہم اضاعت اجر او نخواہند شد و نیز باید کہ بر طبق فہم محشی جناب اجر ہمہ محسنین یکی
باشد و آن ہم چندانکہ بعدد شخصی را دران گنجایش بود نہ بعدد نوعی اجمال چہ عطا بر یکبار نخواہد شد مثل
صلوات کہ بتعدد ازمنہ و اختلاف مکررست کہ مطلوب می شود و بتعدد ازمنہ مختلف نخواہد شد ہمچنین در جاہد
الکفار و المنافقین لازم است کہ جہاد مجموعۂ کفار و منافقین مراد باشد لہٰذا خصوصیت با حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم را باید گفت کہ ازینجہان بے ادا فرض تشریف بردند یا بر خداوند احکم الحاکمین
نعوذ باللہ غصہ باید کرد کہ اینچنین حکم دشوار بر نبی خود فرستاد کہ ادایش نتوانستند و عیب عدم امتثال
ازین جہان بردند نعوذ باللہ من سوء الفہم و ازین ہم در گذشتیم اذان ثالث جمعہ بشہادۂ صحیح ستہ حضرت
عثمان ذی النورین است رضی اللہ عنہ پیشتر از زمانہ اوشان فقط بآن دو اذان یعنی یکی اذان خطبہ دوم
تکبیر بود پس از سنۃ الخلفاء در حدیث مذکور اگر سنۃ ہمہ خلفاء بطور مذکور مراد باشد لازم آید کہ اذان مذکور داخل
بدعت شود چہ نہ سنت نبوی ست نہ سنۃ خلفاء بطور مذکور و این التزام بر قد اندرینصورت نہ تنہا
بر حضرت عثمانؓ خواہد بود بلکہ جماعۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ دران زمان حاضر بودند بتبدیع خواہند
شد و میدانی کہ این ہمان گناہ و ہمان عیب است کہ روافض و شیعہ از دائرہ سنت و جماعۃ بدان بدر
رفتند و ازینہم باید گذشت در آیۃ اولئک الذین ہدی اللہ فبہدیہم اقتدہ ضمیر ہم راجع بسوی الذین است
معنی این شد کہ روش آن کسانیکہ ذکر اوشان کردہ ایم باید گرفت غرض لفظ ہم در قوۃ ہدی الذین
شد و معلوم است کہ مخاطب باین حکم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اند و مشار الیہ بموصول
انبیاء مذکور الصدر کہ منجملۂ آن حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام ہستند و موافق
این خطاب و این ارشاد حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در روزۂ عاشورا اقتدا بحضرت موسیٰ ہم
کردند و در سجدۂ تلاوۃ سورۂ ص اقتدا بحضرت داؤد علیہ السلام کردند و اگر سجدۂ سورۂ ص اقتدا بحضرت
داؤد علیہ السلام نگویند و گویند کہ سجدۂ حضرت داؤد علیہ السلام بجہت استغفار و سجدۂ حضرت سید ابرار
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہت شکر پروردگار کہ مارا ازین قسم ابتلاء محفوظ داشت در اقتدا بحضرت موسیٰ علیہ السلام

در روز معاشر و ملام نیست چنانکہ نفا حدیث نحن احق بموسی او کما قال برآن گواہ است گو بوجہ دیگر
از پیشتر ہم اہل صفت و حصول حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باشد آری اگر اجماع وجوہ کثیرہ در یک محل
محل بود مضاعفہ نبود مگر ساعدان نہ عقل است چنانچہ دانی ونہ نقل چنانچہ انما لکل امر مانوے
میخوانی ومیدانی کہ از ہمین جا تضاعف ثواب حصلہ از صدقہ می برآید چنانچہ ماہران حدیث می دانند
الغرض باین قسم سخن فقط یک صد ونی است سبب جملہ انبیاء ہمہ مرسلین مذکورین نیست اند
در بعضی صورت در حدیث اقتدوا بالذین من بعدی کہ لفظ الذین واقع است ہمان عموم خواہد بخشید
کہ الذین واقع آیہ مذکورہ بخشیدہ فرق اگر ہست فرق تثنیہ وجمع است مگر این قسم فرق در تبدل
ماہیت مضامین و لوازم معنی کارگر نمی تواند شد پس چنانکہ در آیہ مسطورہ سنت یک نبی قابل اتباع
بود اینجا سنت یک خلیفہ ازان دو کہ درین حدیث مراد اند لایق اتباع واقتدا خواہد بود ہان اگر اینجا لفظ
اقتدوا نبودی شاید مجادلان را گنجایش زبان کشائی می بودی می توانستند گفتن کہ در اقتدا واتباع مثلاً
فرق ہست این است آنچہ کہ بطور عجالہ و نظر سرسری در استدلالات مجتہد جناب مفاسد بنظر این ہیچمدان
آمد مکنون ملتمس نیست کہ نظر باین تعصب وتعمق کہ در اجتہاد مجتہد صاحب یافتہ نگاشتہ
این تحریر جواب اصل مسئلہ دست کشی اولی دانستم چہ اگر چیزی مینویسم لاجرم تنقیح وتصحیح آن و سنجیدن
سوالہا ہمان صاحب میشد کہ باین راہ رفتہ اند وشان اول بارکدام ناانصافی گذاشتہ اند کہ باین
بار کو ہمی خواہند مرحہ بیت تو کار زمین را نکو ساختی + کہ با آسمان نیز پرداختی + ورنہ در
مضمون شریف بتکلیف مولوی محمد حسن امروہی کہ یکی از احباب حقیر اند چیزی درین بارہ نوشتہ
بامرو ہہ فرستادہ بودم اند شاں نقلش ہم رسانیدہ میفرستادم لیکن چہ کنم کہ بنظر انصاف معذورم
دیگر آنکہ بر کہ بلفظ مضامین شرحہ آن اشارہ فرمودہ اند نیز خواہم کہ نقلش اگر ممکن باشد بمن ارسال
فرمایند تا شاید چیزی مفید این پردہ باشد باقی عرض دیگر این است کہ بندہ کمترین عاملان بالحدیث
ماشد و فہم بدنمی انکار و بلکہ اینہا اشعار ایمان می دانند لیکن باین چنین بد فہمان را کہ مضامین سرسری
ریختہ قلم اوشان است ہر گز عمل بالحدیث معانیدہ اند ہمچنین کسان منجملہ بفضل بر کشتہ ہستند والعاقل
تکفیہ الاشارہ تمام عرض علی الاعتبار باید کرد کہ بالکابر صحابہ طعن میکنند ودین برہم نشود واحادیث باہم

قرآن شریف متعلق باشد اما صحیحہ کہ باختیار آن مطاعن بجانب صحابہ عائد شوند و احادیث باہم متعارض شوند و روش قرآنی مکذب آن شود ہرگز پسندیدہ خدا و رسول نیست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و طرزی کہ ایجاد مجتہد مذکور است ہمچنین است چنانچہ عرض کردہ شد دیگر آنکہ ہر کہ قصد عمل بالحدیث کند آنرا باین چنین اجتہادات چہ کار اگر ارادہ عمل بالحدیث باین معنی است کہ ہر چہ در ظاہر احادیث یابند بران عمل کنند آن مقصد مقتضی این است کہ رای خود یکسو نہند و دلیل عمل شوند ورنہ رای و عقل پیشینیان بہر حال اعلی و افضل است واگر قصد عمل بطور رای و عقل است پس ماند نیصورت بر مجتہدان سابق و مقلدان اوشان چہ طعن — واللہ الموفق لنا ولکم اگر حرفے نازیبا از قلم احقر صدور یافتہ آنرا از قبیل جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا بلکہ کمتر ازان پندا سبہ مضامین نامہ سامی در پردہ استدلالات معلومہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را گذاشتہ نہ صحابہ کرام را رضوان اللہ علیہم اجمعین

مکتوب سوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم خانصاحب عبد الرحیم خان سلمہ بعد سلام مسنون آنکہ نوازشنامہ سید در باب تراویح آنچہ تحریر بود ظاہر و متبادر ازان چنین می شد کہ مقصود استفسار مسئلہ نیست بلکہ اعلام و الزام تحقیق خود است لہذا در تحریر جواب تامل ماند آخر الامر چنان مناسب معلوم شد کہ اشارۃ چند فقرہ عرض کنم از تسلیم و عدم تسلیم کاری نیست لہذا در تحریر جواب دیر شد بر اہل علم پوشیدہ نیست کہ قیام رمضان و قیام لیل فی الواقع یک نماز است کہ در رمضان برای تیسیر مسلمین در اول شب مقرر کردہ شدہ و ہنوز عزیمت در ادایش آخر شب است و در قیام لیل فخر علیہ السلام چنانکہ یازدہ رکعت و کم ازان ثابت شدہ اند سیزدہ رکعت سوای سنت فجر ہم در صحیحین موجود اند دہ رکعت نفل از روایت ابن مسعود از قول ابن عباس فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر نزد حنفیہ دہ رکعۃ نفل و سہ وتر آنانکہ وتر را یک رکعۃ قرار دہند دوازدہ رکعۃ نفل ثابت اند و قضاء آنجناب دوازدہ رکعت را در بعض اگر بہ شب تہجد فوت میشد ہم چنین دوازدہ رکعۃ نفل است و این ہر دو در صحاح موجود است باید دید پس می بایست کہ محدثین زمان ما دوازدہ رکعۃ تراویح شد و سنیت آن یقین می بود نہ قصر بر یازدہ مع الوتر و ہنا

صحابہ ہم چنانکہ یازدہ بروایت سائب نقل می فرمایند از عرج امام مالک در موطا دوازدہ رکعت نقل روایت می فرمایند
چنانکہ در مشکوۃ موجود است مذاہم کہ ہر سائب نقل نمی تواند غلط کردم جناب افضل صحابہ بمقابلہ سنت حضرت
فخر عالم برہم ظاہر نیست و این تیر بر اہل علم واضح است کہ نفس قیام رمضان را آنجناب منظور فرمودہ
اند و تحدید عدد رکعات آن نہ فرمودہ کہ کمی و زیادہ دران روا باشد چنانکہ در فرائض در روایت سنن سنت
ہر نماز [illegible] ادای عدد آنہا و تم نشدہ لہذا ہر قدر کہ زیادہ در عدد رکعاتش بود موجب اجر است
نہ باعث گناہ و ابتداع و ہیچ حدیث در منع آن وارد نیست بلکہ حدیث علیک بکثرۃ السجود مطلقا استحسان
کثرت رکعات نوافل روز و شب می فرماید البتہ جاییکہ شارع تحدید فرمودہ چنانکہ در فرائض و سنن رواتب
متصلہ زیادہ دران روا نیست و ہمچنین اگر قبل آن یا بعد آن در محل نوافل کسی نوافل متنفلا خواند
بدون اعتقاد سنیت آنہا کسی است کہ او را منع فرماید و بدعت گوید پس ہمچنان در تہجد و قیام رمضان زیادہ
رکعات را پسندیدہ خواہد شد و آنچہ در عدد رکعات تہجد فخر عالم علیہ السلام تحقیق است ازان زیادہ ساختن کہ فعل
آنجناب محقق گردد کہ سنیت مثل آنکہ نمایند ازان بدعت است صرح بہ النووی فی شرح المسلم برین قیاس است
سائر سنن کہ اصل آن را شارع علیہ السلام سنت فرمودہ و تحدید دران نفرمودہ مثلا تسابیح رکوع و سجود
کہ دران زیادہ از قدریکہ آنجناب میگفتند بدعت نیست و قرأۃ قرآن کہ زیادہ از مقرر آنجناب است در فجر
و نفل بدعت نخواہد بود و علی ہذا ہمہ این قسم معلوم است کہ علماء قاطبۃ اگرچہ سنت موکدہ ہمون قدر را گفتہ
اند کہ این قدر چہ سنت نزد شان صادق آید مگر زائد دران بدعت ندانستہ خصوصا زیادتی کہ از صحابہ ثابت شدہ
چنانچہ روایات عدیدہ مختلفہ ساعی دیدہ باشد تعالی عشرین پس در زمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارشاد
و تقریر آنجناب معمول شد چنانکہ در موطا مالک مرویست و خدشہ انقطاع بر محل خود نیست چراکہ یزید بن
رومان تابعی ثقہ اند و ارسال ثقہ مقبول می باشد مالک و محدثین سلف را ہمین مذہب است اگرچہ شافعی
و احمد درین کلام کردہ اند کتابہای اصول بسوی اہل کردہ دیگر کتب اصول حدیث مطالعہ نمایند مع ہذا حدیث
ہیچ بیہقی کہ صاحب فتح روایت آن فرمایدہ موصول است و منزل شبہ انقطاع و ترمذی در جامع خود از حضرت
عمر و علی وغیرہما من الصحابہ روایت آن میکند پس الحال در ثبوت عشرین از آنجناب رضی اللہ عنہ
چہ تردد ماند و این زیادتہ را مخالف سنت پنداشتن نہایت موجب تعجب است کہ ہیچ اہل علم چنان خیال

هم بالا نوشته ام که قیام لیل محدود نیستند ورنه هرگاه بحدیث صحیح ثابت شد که فخر عالم علیه السلام گاهی ماه کامل
غیر رمضان صائم نبوده و نه هیچ ماه را از صوم خالی گذاشته اگر کسی تمام ماه روزه دارد نعوذ بالله مخالف سنت گردد
و گرفتار بدعت معاذ الله باید که حضرت عمر و علی و دیگر صحابه و تابعین باعتراف ترمذی وغیره بسبب تقریر
زیادة عدد رکعات اهل بدعت شوند استغفر الله و بسیار امور نفل از صلوة و صوم و زکوة و حج و ذکر و تسابیح
بدعت شوند تامل درکار است اهل علم را چنان فرمودن سخت نازیباست اما بین لفظ مخالف و موافق
و محدود و غیر محدود در بدعت و سنت امتیاز واجب است و چونکه در حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین
ارشاد جناب رسالت علیه الصلوة است که چنانکه سنت مرا التزام کردن بر شما است سنت خلفاء را هم التزام فرض است
و مراد از سنت خلفاء امریست که از آنجناب حصول آن نشد و از خلفاء وقوع آن شده و آن هرگز خلاف کلیات
شرع نمی خواهد بود بلکه موافق سنت و مستنبط از آن لهذا این بست رکعت هم مندوب و سنت شدند و بدعت
گفتن آن سخت نازیبا که هیچ عالمی چنین نگفته آری آنچه خلاف است دران است که زیاده بر آن قدر که آنجناب
علیه الصلوة خوانده اند آیا سنت موکده اند یا مستحب ازین بعد آنچه درین حدیث افاده فرموده اند بلکه مراد از سنة
الخلفاء سنتی است که عین سنت نبویه باشد از عجائب روزگار است چرا که اگر مراد از عینیة آنست که بعینه آن
فعل را آنجناب علیه السلام عمل در آمد فرموده مسنون کرده باشند پس می پرسم که درین صورت خاص تقریر
خلفاء چیست آیا بعد وفات آنجناب کسی را از خلفاء مجال تشبث فرا داشته یا نسخ و تبدیل آن میسر شد تا
که سنت خلفاء کرام و غیر آن را ترک کنیم و اگر مراد از عین آنست که مستنبط از سنت بود یا نظیرش در سنت موجود
باشد و موافق کلیه شرعیه بود مثل جمع قرآن شریف و ترتیب سور آن مثلا لاریب این امر مسلم صحیح است
مگر این زیادة رکعات را نه دانم که بچه وجه مخالف سنت قرار داده خواهد شد و آنچه از اصول قاعده افاده معرفه
تحریر است در تلویح این بحث را باید دید که این قاعده کلیه نیست و خلاف این بسیار موجود است این قاعده
آنجا بود که قرینه خلاف موجود نباشد اینجا عطف لفظ سنة الخلفاء بر لفظ سنتی مغایرة را می خواهد و مقصود
جناب رسالت علیه السلام ازین التزام سنة الخلفاء خود است مرتبه آن مثل سنت خویش چنانچه در حدیث
دیگر فرموده فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر بلکه در صریح باقته الی جمله صحابه فرموده اصحابی کالنجوم
بایهم اقتدیتم اهتدیتم و همچنان آنچه لام استغراق فهمیده اند نه این معنی است که آنچه سنت مجموعه خلفاء باشد

بشرطیکه اہتمام علماء آنرا قبول سازید و عامر بکنید یک دو خلیفه مثلاً کرده باشند ترک کنید درین صورت آنچه باقتدای
شیخین محکم است ناتمام خواهد شد که دو خلیفه را دران ذکر فرموده اند همه را و حدیث بالنجوم مخالف آن خواهد شد
و ترتیب مصحف عثمانی بدعت خواهد شد چه خلیفه اول جمع آن کرده بود نه ترتیب آن و مسئله عول و تحدید حد شراب
و دیگر امور که در زمان حضرت عمرؓ قرار یافته اند همه خلاف سنت خواهند شد معاذ الله بلکه مراد آن است که سنت همه
خلفاء در حکم سازند بیان نکنید که سنت بعض آنها گیرید و بعض آنها نگیرید قال الله تعالی یا ایها النبی جاهد
الکفار والمنافقین که معنی بر آن آنست که با جمیع کفار و منافقین جهاد باید پس حسب فهم سامی باید که آنجناب
هرگز عمل نکرده باشند که با تمام کفار عالم جهاد آنجناب واقع نشده و چه ضرورت است که در حدیث لام لام استغراق
باشد بگوییم که لام آن لام عهد خارجی است که خلفاء خمسه معهوده را مراد داشته فرموده اند که طریقهٔ ایشان را
قبول کنید و هیئت اجتماعیه از حدیث فهمیدن همانا که محاوره کلامیه ندانستن است پس بهر حال آنچه در ترجمه
حدیث نوشته اند هر دو تقریر بر محل خود نیستند زیاده چه عرض کرده آید و در بعض دیگر جا هم در صحیفهٔ سامی
محل کلام است مگر بنده را با اصل مسئله کار است و از تقریر زائد غرض نیست اکنون که بست رکعت تراویح
از فعل خلفاء ثابت شده عمل بران موجب سعادت است و بدعة فهمیدنش محض بیجا البته زائد از هشت
رکعت را بعض مستحب دانسته اند و بعض موکده گفته اند این مسئله خلافیه قدما است که ما را درین گفتگو ضرور
نیست والله تعالی اعلم فقط **سوال اول** هرگاه در تعریف سنت مواظبت نبوی صلی الله علیه وآله وسلم
مع الترک احیاناً ماخوذ است و انیمعنا ظاهر است که بر تراویح مواظبت کذائی ثابت نیست پس بر سنیة
آن از کدام دلیل اطمینان کرده شود و آنقدر که بران مواظبت ثابت است همان هشت رکعات تهجد
هستند لاغیر پس باید که همین قدر سنت باشد و زیادت بران روا نباشد فقط **سوال دوم** اینکه این
دوازده رکعات که بر هشت رکعات سنت نبوی صلی الله علیه وآله وسلم افزوده شده اند آیا در تاکد بهمان
مرتبه هستند که آن هشت رکعات را حاصل است یا از ان مرتبه فروتر فقط **جواب سوال اول**
اینکه هرچه صحابه رضوان الله علیهم اجمعین بران مواظبت فرموده باشند سنت موکده می باشد لقوله
علیه السلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین نعم تاکد که در مواظبت رسول الله صلی الله
علیه وآله وسلم هر چیزے پیدا شده در مواظبت اصحاب کرام نیست چراکه مراتب سنت موکده در تاکد و تفاوت

باشد قال رد المحتار ناقلا عن شرح المنیۃ قال ملا ریب ان الاستحباب مستفاد و مستکزم الستۃ انتہی و خود حدیث علیکم بسنتی الخ ناظر بدین است چرا کہ رعایات تقدم و تاخر در کلام بلغا ربلا وجہ نباشد خصوصاً کلام مہا تمام سرور انبیا تاج الفصحاء والبلغا پس تقدم سنتی و تاخر سنۃ الخلفاء مع اشارات دقیقہ دیگر کمال اکرا ول از ثانی می خواہد چنانچہ از آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخراج فرمودہ اند ارشاد کرد کہ بدایۃ می کنم بدانکہ بدایۃ کرد حق تعالی بادوند ذکر کما ہو فی الحدیث پس اینجا قدم زمانی است و آنجا تقدم فی المرتبہ جل از تقدم ذکر تقدم رتبہ مستفاد میشود واما مواظبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچیزی بطور فرض اگر از خصوصیات نیست برامتہ ہم فرضیہ را می خواہد و اگر از خصوصیات باشد لیکن امتہ ازان ممنوع نباشد پس این مواظبت سنیۃ را نمیخواہد بلکہ استحباب مقتضای اوست چنانچہ تہجد کہ تزد بعض بران حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض بود وامتہ را مستحب مگر چون دلیل دیگر بر تاکد این فعل برامتہ پیدا آید البتہ آنگاہ سنتہ خواہد شد مثل تراویح کہ ہر چند نزد ہمون قائل فرضیۃ تہجد بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تراویح نفس تہجد است علی التحقیق مگر چونکہ برین تہجد تخصیص باین ہیئۃ کذائیہ مواظبت صحابہ پیدا آمد بدلیل قولی تاکد پیدا کرد وہو قولہ علیہ السلام علیکم بسنتی الخ و اگر نیک دیدہ آید مواظبت فعلی حکمی ہم بر تراویح از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم توان دید چرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند روز خواندہ عذر ترک آن فرمود کہ مبادا برامتہ واجب شود و در جرح افتند ہا نا کہ فعل او را گاہ گاہ و ترک او را بعد مواظبت حکمی دارند قال رد المحتار والمراد ایضا المواظبۃ ولو حکما لتداخل التراویح فانہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العذر فی التخلف عنہا قالہ الطحطاوی عن ابی السعود انتہی و لیس حد محرز و سائل بر جمعیت خود اندو برای کسیکہ فرضیۃ تہجد را بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منسوخ گوید چنانچہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا است رواہ مسلم فی سننہ پس مواظبت تہجد دلیل سنت موکدہ خواہد بود و دلائل قولیہ تا طلر استحباب مگر تہجد رمضان کہ تراویح است بدلیل قولی سنت موکدہ خواہد ماند واللہ اعلم جواب

سوال دویم آنکہ بست رکعت تراویح در زمان خیریت نشان حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرار یافتہ اول یازدہ رکعت معہ وتر خواندہ شد پس در آخر امر بر بست و سہ معہ وتر قرار یافت رواہ مالک فی المؤطا بسند صحیح و آنچہ سنت خلفا باشد تاکد آن از جواب اول واضح شد باقی ماند اینکہ بر موکدہ باشند

یا بعض دیگر پس صاحب ہدایہ وغیرہ دانستہ کہ بہ سہ کردہ اند و تمہ دوری گفتہ کہ بعض یا ہمہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ثبوت یافتہ شود کہ مباشد و آنچہ زیادہ بر آن در زمان عمر رضی اللہ عنہ قرار یافتہ مستحب بود و ابن ہمام ہم ہمین میل
نمودہ و ہر چند ابن ہمام اعلاء جواب دادہ اند مگر از تقریر بندہ جمیع ہر دو قول توان کرد کہ مراد تمہ دوری از استحباب
مزید کمی ما کہ نسبت بہ ہشت رکعت و مراد ہدایہ تسویہ در نفس ما کہ ہست نہ قدر آن چرا کہ تا کمل مشکل است
و حدیث علیکم بسنتی ہم دلیل است پس کہ بعد آن حاجت نقل دیگر نیست و بعد ثبوت روایۃ مؤطا کہ اصح
الکتب فی الحدیث در طبقہ اولی است وہم پایہ بخاری حاجۃ کتب نیست ہمین معمول خواہ بود و مذہب مالک
رحمۃ اللہ علیہ ہم ہمین باشد مگر تا ہم آنچہ کہ زیادہ رکعات از دیگر ائمہ آمدہ اند موجہ توان شد کہ مثلا بعد ہر ترویحہ
اہل مدینہ چار رکعت میخواندند بست رکعت فرادی زائد شدند و جملہ چہل شدند و انہا را ہم مجاز در تراویح
شمردند و اہل مکہ بعد ہر ترویحہ سبوع طواف کردند و دو رکعت طواف خواندند دہ رکعت فرادی مزید شد
سی رکعت را مجاز از تراویح شمردند و بعد بست رکعت قبل وتر بعض گاہ کہ اربع رکعات را ترک کردہ در دعوات
مشغول ماندند شانزدہ رکعت مزید شد سی و شش گردیدند و یک سبوع را قبل وتر اگر کم کردند دو رکعت کم شد
بست و ہشت شدند و بست رکعت خود امری است ثبت و محقق از فعل صحابہ و یازدہ از فعل سرور عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اکثر از بست است حاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہ در آخر زمان عمر رضی اللہ
عنہ ثابت شدہ پس سنت باشد و کسی کہ از سنیۃ آن انکار دارد خطا است واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم فقط

راجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی۔

مکتوب چہارم بنام مولوی صدیق صاحب در فضیلت علم

بندۂ ہیچمدان محمد قاسم بخدمت بابرکت و سراپا عنایت مولوی محمد صدیق صاحب زادکم اللہ علما وکمالا
پس از سلام مسنون عرض پرداز است عنایت نامہ سرمایۂ منت و موجب یاد آوری باشد شکر عنایۂ
احباب نتوانم و طرز مکافات محبت ندانم این یک دعا نارسا است کہ تہیدستان دین و دنیا را سوای
آن سرمایۂ دیگر نیست اگر بدرگاہ بی نیازی میرسد در نیم نبود مگر تا ہم از خود دریغ نیست خداوند کریم بمقاصد
دلی برساند مگر دنیا را اگر ہنوز پیش عاقلان متاع قلیل است و بسوی او چہ کنند باقی ماند این رکن اعظم آن

ریث وتفسیر بود از دو سہ ماہ گذاشتہ بوطن رفتند آن کدام ضرورت باشد کہ خویش از خوبی این دولت بے
ما چنین زیادہ بنظر آمد کہ یکبار افتان خیزان رفتند عنایت فرمائے غم و رنج دنیا ہمیشہ ہمین سامی آینہ
بیروند کار عقل آن است کہ مقصود را از دست ندہد جوہر ذاتی و وراثت نبوی را گذاشتن و قلیل را از
تابع تکمیل گرفتن کار خردمندان نیست سرمایہ استحقاق خلافت حضرت آدم علیہ السلام ہمین وفور
علم بود ورنہ در معصومیت ملائکہ و فساد بنی آدم کلام نبود مصلحت دید من آن است کہ اگر علم را شروع کردہ
اند ناتمام نگذارند در شش ماہ یا یکسال کتب باقیہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ تمام خواہند شد اگر این اضطراب
و تلون بود در اول امر کدام کس خبر کردہ بود کہ شروع کردند گستاخی معاف باد بہمہ یاد آوران خصوصاً
برادران و میرزایان و مولوی عبدالرشید صاحب و مولوی تمنا صاحب و اگر جناب حافظ صاحب ہم
تشریف فرمای مراد آباد باشند یا اتفاق حاضری خدمت جناب مفتی صاحب شود از من سلام

عرض دارندہ

مکتوب پنجم در جواب سوال حافظ بشیر الدین صاحب مراد آبادی

سوال زید نے بحالت لاعلمی ملک عمرو کی رہن رکھی اور قبضہ اوسپر کر لیا منافع اوس کا اپنی صرف
مین لاتا ہی ہنوز میعاد رہن کی منقضی نہین ہوئی تہی کہ بعض اشخاص نے کہا منافع رہن کا حکم سود
مین ہی۔ زید اس امر کی تحقیق چاہتا ہی کہ فی الحقیقت یہ منافع رہن حکم مین سود کے ہی یا نہین در صورت
سود ہونیکی زید جو منافع بہ نیت زر اصل اپنی کی خرچ مین لایا ہی اوسکو بروقت فک رہن کے عمرو کو
وضع کر دینا ضرور ہی یا نہین مثلاً پانسو روپیہ عوض رہن ہی زید سو روپیہ اپنی صرف مین لایا تو چار سو
روپیہ بروقت فک رہن کے عمرو سے لیلوے اور سو روپیہ منافع کے اوسکو وضع کر دیوے اگر زید منافع
بروقت فک رہن عمرو کو ادا کرے اور عمرو قبل اپنے منافع کے معاف کر دیوے یا بعد لینے کے زید کو دیدے تو
جائز ہی یا نہین شرعاً ایسا ہو کہ زید کل روپیہ اپنا عمرو سے لیلیوے اور تمام زر منافع رہن زید کو جائز ہو جاوے
غرضکہ زید کو کسی طرح برأت گناہ سے ہو سکتی ہی لہذا مکلف خدمت عالی ہون کہ اس مسئلہ مین جو حکم
شرع شریف کا ہو ارشاد فرمائے اگر تمن زر منافع بوقت رہن رکہدینے کے بعوض محنت اور خبرگیری

ملک مرہونہ کے راہن کو بخشدی جیسا کہ عبارت مسئولہ رہنما سے مین ہوتی ہی جواب سراپا عنایت عاطفت بشیر الدین صاحب ۔ السلام علیکم رہن کی آمدنی جو زمانہ حال مین کہائی جاتی ہی از قسم سود ہی ہرگز حلال نہین اور اس قسم کے الفاظ لکھدینے سے کہ مینے حلال کیا اور بخشدیا یہ آمدنی حلال نہین ہوجاتی بخشدینے کے لئے ایک مرتہن ہی سے تہا اور کوئی جہان مین مستحق ہی نہ تہا بلکہ سب جانتے ہین کہ یہ دینی دلانیکی تحریرین فقط بغرض قرض اور بطمع کاربراری ہوتی ہین خدا تعالی ان حیلون کو خوب سمجہتا ہی وہ دل اور تہ دل کی باتون کو جانتا ہی غرض ان حیلون سے توقع حلت دور از فہم و عقل ہی ہا اگر آمدنی اشیاء مرہونہ کو پورا پورا مجرا دی اور قرض مین محسوب کرے تو البتہ وہ کہایا ہوا حلال ہوجاتا ہی مگر اس صورت مین بقدر قرض پہونچ جانے کے بعد راہن بری الذمہ ہوجائیگا اور مرتہن کو شئی مرہون سے کچہ علاقہ نرہے گا ۔ فقط جن جن صاحبونکا سلام لکھا تہا میری طرف سے اونکو بہی اور سوا اونکے اور ملنے والونکو بہی بشرط یاد میرا سلام کہدینا فقط العبد محمد قاسم ۔

مکتوب ششم بنام مرزا عبدالقادر بیگ صاحب مرادآبادی

جناب مرزا صاحب سلام علیکم کل چوتہی رمضان شریف کو مولوی فخر الحسن صاحب نے آپ کا عنایت نامہ عنایت کیا اور آپ کے نکاح ثانی کا قصہ زبانی بہی بیان فرمایا جزاک اللہ آپکو نکاح بیوہ چچی قرابتی اپنی کے ساتہہ بنظر احیاء سنت واقع ہوا اور مرزا عنایت علی بیگ صاحب کو سفر حج مبارک ہو مرزا صاحب اپنا منصب تو یہ تہا کہ جناب پیر و مرشد مدظلہ کی خدمت مین سفارش نامہ لکہون سفارش کے لئے کچہ تو مناسبت ہونی چاہیے اپنا حال اگر اور کوئی نہیں جانتا تو مین خود تو جانتا ہون پر جان او راسو رخلاف منصب اپنی سر پہ لئے بیٹہا ہون آپکی خاطر سے ایک یہ بہی عریضہ حضرت کے نام کا پہونچتا ہی مرزا صاحب اتنا کرین کہ جہان اور ون کو یاد رکہین اس سراپا گناہ کو بہی دعاء سے فراموش نہ فرماوین اور حضرت مدظلہ کی خدمت مین دو کلمہ الخیر کہکر برابر سر ہوجاوین مرزا محمد نبی بیگ صاحب برادران کے والد صاحب کی خدمت مین

سلام عرض کر دینا اور جناب حافظ عبدالعزیز صاحب سلمہ اللہ سے اگر نیاز حاصل ہو تو میرا سلام علیکم کہنا سوا انکے مولوی سید عبدالرشید صاحب اور مولوی تمنا صاحب اور مولوی محی الدین خان صاحب اور مرزا حفیظ اللہ بیگ صاحب وغیرہم سے بھی یاد رہے تو سلام عرض کر دینا اور مرزا حمایت علی بیگ صاحب سے بعد سلام مسنون مضمون مرقوم بالا گذارش کر دینا فقط راقم محمد قاسم

مکتوب ہفتم بنام مرزا محمد عالم بیگ صاحب در باب عمل کشائش رزق

وا دائے دین

سراپا عنایت سلامت السلام علیکم۔ آج گیارھوین رمضان کو آپکا عنایت نامہ پہونچا عہادۃ مین دل نہ لگنا کسی خطا کی سزا ہے استغفار اور لاحول کی کثرت چاہئے باقی قرض کے ادا کے لئے کسی عامل سے پوچھئے مجکو عملیات مین دخل نہیں اگر ہو سکے تو جناب مولوی اکبر علی خانصاحب کی خدمت مین حاضر ہو کر حال عرض کر وادائے قرض کے لئے جو کچھ فرمائین اوسکی تعمیل کرو اور کشائش رزق کے لئے جو کچھ ارشاد فرمائین اوسکو یاد رکھو ہان اس سے پہلے پہلے حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَاءَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ ہمیشہ پانچ سو بار پڑھ لیا کرو اور اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف بھی پڑھ لیا کرو اور پڑھتے وقت یہ دہیان رکھا کرو کہ مین اپنے اللہ تعالی کے سامنے حاضر ہون اور دل و زبان دونون سے عرض مطلب کر رہا ہون۔ مرزا قادر بیگ صاحب مرزا محمد نبی بیگ صاحب کو یاد رہے تو سلام کہدینا اور سوائے انکے اور کوئی احباب مین سے ملجائے اور یاد آجائے تو ان کو بھی فقط ● ●

مکتوب ہشتم در باب علاج ہوس دنیا

سراپا عنایت مرزا محمد عالم بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالی السلام علیکم آج پندرھوین تاریخ جمعہ کے دن تمہارا خط پہونچا کیفیت حال معلوم ہوئی مین پچھلے دنون اثنا سفر مین بیمار ہو گیا تھا اوس مرض سے شفا تو اثنا راہ ہی مین ہو گئی تھی مگر جیسے کسی نہ کسی قسم کی خلش چلی جاتی ہے

اسی مدت میں کھانسی کی شدت ہوگئی دو تین مہینے اسکی تکلیف رہی اب بفضلہ تعالی اوسکو بھی آرام ہے
یونہی برائے نام باقی ہے انشاء اللہ تعالی وہ بھی رفع ہو جائیگی غرض اب میں اچھا ہوں باقی
تمھی ہوس دنیا کے لئے یادگاری موت سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتی تو ہر روز گھڑی آدھ گھڑی موت کے
تصور میں گذار دیا کرو اور اوس وقت اس قسم کا خیال رکھا کرو۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جسقدر
انبیاء ہوئے وہ سب مر گئے جسقدر بادشاہ اس زمانہ سے پہلے ہوئے وہ سب مر گئے بزور دین
کوئی چھوڑتا تو انبیاء چھوڑتے اور بزور دنیا کوئی بچتا تو بادشاہ بچتے میں نہ الی الذی نہ اولا الذی نہ زور
دین نہ زور دنیا میں ہوں تو کیونکر بچوں پھر اسکے ساتھ قیامت کے حساب و کتاب اور عذاب ثواب
کو سوچا کرو۔ فقط

مکتوب نہم بنام مولوی میر محمد صادق صاحب مدراسی در باب تحقیق حکم جمعہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ
اجمعین بعد حمد و صلوۃ بندۂ کمترین ہیچمدان بے سر و سامان محمد قاسم بخدمت سراپا عنایت
مکرمی مولوی میر محمد صادق صاحب دام عنایتہ پس از سلام مسنون عرض پرداز است عنایت نامہ
ملفوف باستفتائے سید کہ حضرت مجمع البحرین شریعت و طریقت مخدوم و مطاع خاص و عام جناب
مخدومنا و مولانا سید عبد السلام صاحب دام برکاتہ صدور یافتہ بود ممنون و مشکور شدم مقتضائے
عنایت سامی ہمین بود کہ توقف نمی کردم دو دقیقہ عنایت نامہ ذریعہ ممنونی ہائے احقر شدہ بود ہاں ہم
دستم بقلم و کاغذ میرسید مگر بلائے کاہلی طبعزاد از موانع گوناگون ہیچمدانی و بے سر و سامانی سامان
این تقصیر و سرمایۂ این تاخیر شد بیدانی و ہیچمدانی دانند نہ سفینہ بگنجینۂ آوردہ ام و نہ مکتوبات سفینہ
را بسینہ سپردہ باین ہیچمدانی و این بے سر و سامانی نہ جرأت ہیچو کار ہا بدل آید و نہ دل بدست کار فرمایم
و دو غیرہم ہمین خیالات پراگندہ من اند کہ یکی را اگر بدل می نشیند دیگران آنرا از جملہ مضامین شعر
می بینند مگر بندہ گفتہ بحضرت ممدوح تمنا نیاز سابق ہست اعتقاد لاحق ہم بدل نغز ابہم آوردہ ام
اگر با مثال یا رفتہ ایم ہمچو مخدومان سرفرو نیارم با ناآن کدام است کہ انتظار ارشاد خواہم کشید باین وجہ

عرض همین مهم شد که من کار خود بکنم اگر پسند خاطر خدام والا مقام افتاد فهو المراد ورنه کالای مزجات بریش
خداوند نامه سیاه خود را باز خواهم گرفت اکنون یکدو سخنی پیشتر از غرض مقصود عرض میکنم اول اینکه در عرف
عام هر قوم و هر زبان بسیار است که خطاب بالقاب عامه کنند و مخاطب خاص باشد اکثر آنرا بالقاب بچو مولوی
صاحب و شاه صاحب و شیخ صاحب و میرزا صاحب و منشی صاحب ندا کنند و منادی از یک شخص بیش نباشد
همچنین در اصطلاحات شرع شریف قرآن و حدیث نیز در مواقع کثیره این طرز اختیار افتاده میفرمایند که
اقیموا الصلوة وآتوا الزکوة ارشاد بخطاب عام است و مخاطب این حکم جز اغنیا نمی توانند شد رسول الله
صلی الله علیه وآله وسلم را بخطاب بچو یا ایها النبی یا ایها الرسول یاد میفرمایند و ظاهر است که این لقب چه
قدر از حضرت مخاطب صلی الله علیه وآله وسلم عام است بالجمله این انداز دور از انداز و اسلوب طرز کلام نیست
بلکه در هر زبان معمول بهر خاص و عام است دوم اینکه اگر فرض کنیم دو کس یا زیاده حاضر توی سادات
یا شیوخ مثلاً نشسته باشند و یکی از آنها کور یا کر باشد و کسی دیگر از حاضران وقت باوجود اطلاع کیفیت چشم
و گوش اوشان بخطاب عام مثل میر صاحب و شیخ صاحب آواز داده اگر گوید ببین یا بشنو این حکم دیدن
و شنیدن تعیین و تشخیص مخاطب فرماید هر که از حاضران عقل داشته باشد بے تامل بفهمد که مراد این کس
است نه آن همچنین مخاطب بیقین داند که مقصود اشاره متکلم منم نه دیگران سوم اینکه اگر جناب باری و
رسول پاک او صلی الله علیه وآله وسلم حکمی را بشرط امر مربوط فرمودند ارتباط آن حکم بآن شرط لازم است تا
توقف باشد که فیما بین موقوف و موقوف علیه باشد و بدین سبب صدیر انمی رسد که اگر حکمی که غرض از
ارتباط بود متحقق شود یا بدون آن شرط هم آن حکمت حاصل توان شد آن شرط را لغو گردانند و آن حکم را بشرط
مربوط نمانند و بران شرط موقوف نپندارند مثلاً منجمله شرائط جمعه جماعت هم است و حکمت اشتراط جماعت بجز
اینها چه توان گفت که از استماع و استماع مواعظ یعنی خطبه مقصود است اگر جماعت شرط نکنند باشد که مردم بخوبی
نیایند پس تنها واعظ یعنی خطیب اگر وعظ گوید مستمع که باشد مگر پیدا است که استماع بجز فراهمی مردم میسر نتوان شد
توقف صحت نماز جمعه بر جماعت از پیرا است اگر فراهم آیند و تنها تنها نماز خود بگذارند در صورتیکه دیگر غرض بانی
جماعت ادا کنند مقصود اصلی بهم رسد مگر کسی ندانم که بجز این صورت فتوی نویسد پس از این مقدمات معروض
عرض خدمت خدام والا که آیة یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله و ذروا البیع

هرچند بربرعموم خطاب شریعت این است که هر کس در این حکم عام است مسافر باشد یا مقیم صحیح باشد یا مریض غلام
باشد یا حر مرد باشد یا زن باشد مگر چون نظر بآیه او ماسیاق یعنی فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع
کنند خود واضح شود که بجز مردان آزاد تندرست مقیم دیگران خود مخاطب هیچکس از اهل اسلام مخاطب این احکام نیست
تحصیل این اجمال نیست کسی مگر مطلوب توان شد از مردان و تندرستان توان شد از بیماران و زنان حال بیماران
خود معلوم است تاکه تمکن کار توانائی چه داشته باقی مانده مانند ارشان درحق اوشان همچو لا تبرجن تبرج الجاهلیة ارشاد
رفته امیر فرمودند تاکید ایشان بیته بهر خانه نشینی مثل وقرن فی بیوتکن وغیره ارشاد فرمودند و ظاهر است که در سعی
بالضرور احتمال انکشاف محل زینت است و کار در کوچه و برزن بیشک مقتضی آنست که وقت نقاب از رخ
و جلباب از سر بیاید باخت برافتد همچنین خطاب وذروا البیع مقتضی آنست که مخاطبان را اختیار بیع و شرا حاصل است
حمله وذروا البیع فرمودن بی معنی بود و ظاهر است که نه غلام را این کار است و نه طفل نابالغ را این اختیار شاید
همین است که ارشاد فرموده الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض رواه
ابوداود فی باب الجمعة للمملوک والمرأة باز چون کیفیت اذان جمعه را که در زمان نبوی بود صلی الله علیه وآله وسلم اگر یاد
کنیم این عقده هم منحل شود که مسافر از این تخفیف تصدیع است شرح این معما این است که در زمانه برکت لزوم
حضرت نبی صلی الله علیه وآله وسلم اذان جمعه همان وقت گفته می شد که امام بر منبر آمده نشیند نظر برین ترکیب
ارشاد وذروا البیع غرض استماع وعظ امام یعنی خطبه باشد چنانکه لفظ الی ذکر الله خود دلیل دعوی است آخر مراد از
ذکر همان وعظ خطبه اند که امام خطیب باشد و چون فضائل استماع خطبه کراهت شود و شغلی که مانع
از استماع باشد ولیکن این امر دیگر موجب شود که مطلوب اصلی از روز جمعه اجتماع بهر استماع وعظ و خطبه باشد همین
است که تا شوق فرمودند بلکه فاسعوا فرمودند تا اشاره شناسان خداوندی را بدل نشیند که غرض اصلی تکلم
است که اگر بهمان نماز نیز بآهسته خواهند بود باشد که از برکات خطبه محروم مانند و شاید همین است که حضرت
عثمان رضی الله عنه اذانی دیگر قبل از اذان خطبه افزودند تا باشد که در میان سامعان دیر شود و خطبه بیکار
عدم فرق بوجه غرض مذکور باوجود مقرر بودن یک اذان که بهر نماز مقرر است اذانی دیگر پیشتر از اذان خطبه
افزودند تا مطلب اصلی بوجه حسن بدست آید لیکن از اینجا که در حدیث ارشاد است عن عوف بن مالک قال
سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یقص الا امیر او مأمور او مختال رواه ابوداود فی باب فی القصص

من کتاب العلم وہم ازان قصص در حدیث ہمین وعظ است چنانکہ دانندگان دانند جائیکہ وعظ فرض ضروری خواہد بود
انہم ضرور خواہد بود کہ آن واعظ خود امیر باشد یا مامور یعنی نائب او باشد ورنہ در زمرہ محتال داخل خواہند شد کہ اشان
بنبع وعظ گوئی میکنند و نیز ظاہر است وعظ جمعہ یعنی خطبہ کہ مفہوم بذکر اللہ شد اگر جمعہ فرض است فرضیت این وعظ
با اول درجہ بیک حساب باید داشت و در صحرا و دریا و مسافران امیر آمدن باین قسم وعظ معلوم پس چگونہ توان
گفت کہ مسافران محکوم این حکم اند مگر آنکہ سفر را یکلخت حرام گردانند و سوا این اسفار کہ در آن مظنہ ہمرہی ہمچنین
واعظ باشد قطعاً حرام گردانند لیکن ہمچنین فتوی نہ کس داد و نتوان داد نظر برین [illegible] توان گفت کہ مسافر را
ازین حکم یکسو نہادہ اند و آنکہ باشارہ حدیث اول وجوب جمعہ بظاہر بنظر ظاہر می آید آن را چنان فہمند بظاہر در عموم
یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ ہم مسافر داخل میبود چنانچہ ارشاد معروف مخصص مسافر وغیرہ از آیۃ است
ہمچنین اشارہ لفظ جماعت کہ در حدیث مذکور وارد است مخصص از حدیث است بیچارہ مسافر را جماعت از کجا بدست آید
یا سفر را تنہا در حق او حرام گردانند یا جمعہ را بر او واجب ندانند مگر سفر را تنہا باشد یا نباشد در حق کسی حرام نتوان گفت
چار ناچار اقرار بعدم وجوب واجب خواہد شد و آنکہ مثل الواحد شیطان ہم در حدیث آمدہ در اول اسلام بود و اگر ہنوز
این ہی برحال خود باقیست [illegible]
مگر درین صورت نہ شرط جماعت بطور حنفیہ بدست آید نہ بطور شافعیان بدست افتد بلکہ از لفظ الذین آمنوا و از لفظ
فاسعوا و ذروا با انضمام آنکہ کمترین مصادیق جمع حسب وضع لغت سہ فرد اند برین امر دلالت دارد کہ کم از کم سوای
امام سہ کس می باید چہ مخاطب یا ایہا الذین ہمان سامعان اند کہ دویدہ وعظ امام خواہند شنید نہ آنکہ امام ہم داخل
جماعت شان است زیرا کہ ندا و صلوۃ حسب قرارداد سابق وقتی می بود کہ امام جلوہ بر منبر میکرد نظر برین این حکم
مخصص سامعان خطبہ باشد امام را باین حکم سروکاری نیست الغرض ضرورت امیر یا مامور وہم ضرورت جماعت
مسافر را ہم از آیۃ و حدیث یکطرف افگند و بوجہ اشتراط امیر یا نائب امیر ہم بوجہ ضرورت خطبہ کہ از لفظ فاسعوا الی
ذکر اللہ ہویداست با انضمام حدیث لاتقیص موجہ شد باقی ماند لفظ شرط مصر اگر غور کنند ہمین ضرورت امیر یا مامور
دست در کمر آن دارد چہ مصری نباشد کہ حاکمی دران نبود خود بادشاہ وقت اگر نباشد نائب او بالضرور خواہد بود
و فرق فیما بین امصار و قری و شہرہا و دیہات نہ آنچنانست کہ محتاج بیان باشد و در ہر ولایت شہرہا و دیہات
می باشند و ہر کس بمجرد استماع این الفاظ معانی این الفاظ می شناسند و بمجرد مشاہدہ شہر را از دیہہ تمیز میکنند

قابل ریاست هر بود همین بود که شهری خالی از حکام نماند خود سلطان باشد یا نائب سلطان باشد و در دیگر دیده اینها
به سر نشده بخواهد رونق افروزی سلاطین ضروری است و نصایح گستری نوابشان واجب نظر برین مصر را دیده اند
به گوشه نشستن و تلمذ گذری سرکاری بذمهٔ اهل شهر نهادند و ازین تقریر این هم هویدا شد که نماز جمعه بی کس محل اشتراط
مصر نیست ضرورت مصر به وجه دیگر است بغرض فراهمی مجمع کثیر نیست آری بالای ضرورت مشار الیها این شرط
[illegible] خانه هم در [illegible] دارد که وعظ در شهر خالی از مجمع کثیر و کمتر باشد و با اینهمه مردم شهر اکثر ارباب فهم باشند قابلیت
تسلیم چندانکه ایشان [illegible] دارند در مجامع کثیر اگر همه تسلیم نمی کنند باری ازین هم چه کم که بود کسی از وعظ
با وعظ در گیرد و باید وعظ دیده صحبت اش دیگران را براه حق کشد اکنون معروضی دیگر بخدمت خدام عرض میکنم فهم
این مشکلات از کلام [illegible] چون همه مفهوم امر فرضیت و احادیث مصرحه این معنی بحد تواتر رسیده اند افهام علما
مختلف شدند و عوام را گنجایش باید متفرق برنشاندن در صورت وجوب تردیکی و عدم وجوب تردیکی بهم رسید و رفته
رفته کاهلی نوبت تا بآن رسید که متعصبان حنفیه عمداً ترک نهادن جمعه آغاز کردن و این ندانستند که اندرین صورت
بمقتضای [illegible] این تیقن با شبهات در همچون نه تنها جمعه ضروری است بلکه فرض ظهر هم واجب گردد یعنی این مسلم
است در همه صور قطعیه فرضیت این معنی که اگر شرطی از شروط مذکوره فوت شده تا هم ادای جمعه بجای نماز های پنجگانه فرض
و منکرین کافر قابل اعتماد نیست مگر ارشاد دع ما یریبک الی ما لا یریبک قانونی اگرچه مواقع شک تجویز فرموده و آن
اینکه اگر در فرضیت امری از امور بالتعیین یقین کامل حاصل باشد و در نسبت بگمان یقین کامل نبود
بلکه ظن یا شک باشد هر دو را ادا باید کرد تا بادای یک امر فارغ نتوان نشست و این بدان ماند که مردی مدین
یکصد روپیه یا کم و بیش مثلاً قرض دیگری بذمهٔ خود داشته باشد و پس از زمانه دراز در شک افتد که ادا کرده ام یا نی
بلکه اول هر بودن قرض و نبودن آن مشکوک بود و صاحب دین هم [illegible] است و امتحانش میکند که یک روپیه بدیا
نسیه مانده [illegible] مقتضای دینداری همین است که ادا کند و اگر در مقدار قرض شک است یک روپیه است یا دو
روپیه می باید که هر دو روپیه ادا بکند اگر صاحب حق طامع حق است در صورت بقاء حق خویش بقدر حق خویش خواهد
گرفت باقی را باز حواله خواهد فرمود چنان درینجا هم همین صورت بوقوع آید می باید که اهل اسلام هر دو را ادا کنند
حق تعالی حق خود را قبول خواهد فرمود و باقی را عوض واپس خواهد داد یعنی هرچه که فرض نبود آنرا بحساب
نوافل خواهد گرفت و از آنجا که اعطا ثواب حسب فرموده او کرم بر نوافل واجب است به ثواب [illegible] مکافاته

باین خیال فرمودہ اللہم فض حقوق سرکاری نہ عوض کنا بقدر طلب ضروری نیست بلکہ از ادای سرکار سے
برداشت چنانکہ باقی سرکاری را بحر قرض علما واجب نمی شمرند ہمچنین عوض واجب شود واجب نباشد و ذمہ اصل ہم واجب
قرض علما باید دانست کہ نماز جمعہ ہم اگرچہ بالکلیہ فرضیتش دارد بحسب شش گروہ تعرض جمعہ قبل ظہر شرعا ہستہ ہم شعایر
اسلام ہکار ادای نماز شادوق و ادایش بعدہ ظہر و احکام فرم دارد کہ فی ذاتہ مشکل شدہ شدن شرعا موجب ترک
نہ شود و نہ باعث افزایش نماز ظہر اندر نصوص سنت کہ ازین ہمہ این معنی واضح احتیاط کہ جمعہ را ساقط کنیم ہست ہدا
برسد کہ از ظہر باز ماند و تا ہمہ مستقیم شوند و جمعہ را قائم کنند و لول حدیث امتثال امر عامہ الناس بہ شرع کہ کامل شرایط حکمہا
باید دوم تقرر خلیفہ خود باطاعت و بیعت مردم والبتہ ہست و ظاہر حال ان بعزل اوشان گرو خود و چون اینقدر ما استبداد کردن بجا
نشان بمنزلہ ازین ہر سود ماند نصب امام ہم و اعطا کہ حصہ البیعہ ندان ہم چرا کہ بدست شان نباشد و در خلافت مذکور ہا امام عام ہم
مست صغری و در خلافت چند امامت کبری و اولی الامر بتبعی ہر دو کہ نزد ضعیفہ با بزرگ تر نیست اگر ادای سوجود ہست دست بدست
مردی و لون نشاید کہ اتباع دو حاکم صدقہ در برداردہ ہمین است کہ آیت ثانی و دفا بیعت اول ارشاد فرمود گرچہ مکر کہ ایشہ
ملتی را امام خود گردانیدن چندان دور از قیاس نیست چہ لیکن امامت امام عام توان کرد تا با امامت صغری جلیہ رسد نظر
نظر بر اختیار مشار الیہ مسلمانان نصب امام خاص بہر جماعۃ باید دہند و اینکار از دست باید گرفت و این امامت را مخالفت اشترط ہلم
باید فہمید چہ این شرط دقیق است کہ اذنا امام عام تا اوتشانی باشد تا کہ بمعنی جمع بین الخلیفتین لازم نیاید چہ در صورت
بجز دوش اینکار حسب اشارات حدیث چنانکہ بگذشت موافق اشارات الفاظ قرآنی اعنی اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کار
امام عام بود اگر خلفا دیگر شنوند در امر و نہی دیگران کنند گویا بہا از اولی الامر قرار دہند لکن ما نحن بر نصب خلیفہ اول خلیفہ دیگر نشانند
کنون کہ سند شرع خالیست اگر واعظ دیگران بشنوند مضایقہ ای نیست چون موافق این تقریر این شرط از میان برخاست
شرط مصر ہم بیک طرف رفت چہ اشتراطش ملزوم اشتراط شرط اسبق بود آری ظاہر الفاظ روایات مشعر ضرورت مصر جامع
اند لہذا احتیاط ہمین است کہ تا مقدور رعایت شرط پیش نظر ماند و اگر کسی در دیہی جمعہ قائم کند دست گریبانش نہ شد کہ
اول این شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکور ضعف دگر ران بہر سیہ گرم علمای ہند . باقی است عرض آن نیز ضروری ست
چنانکہ ادای ظہر کم فہمان را موجب تہاون در جمعہ می شود ہمچنان این اجازت نصب امام خاص و اختیار استماع سماع
خطبہ آن موجب تہاون در نصب امام عام است اگرچہ متروک میشد شاید ہست اہل ہمتی بشوق جمعہ
ہدایت اہل ہمعوا نباید ناگاہ ہے بیکرو تقریر این جمعہ مین منظور احادیث مدانہ وجوب نصب امام لیا فنا

مقالاتِ حجۃ الاسلام 17 جلدوں پر ایک نظر

جلد 1

حضرت حجۃ الاسلام
رحمہ اللہ کی سوانح پر
مشتمل اہم مضامین و
مقالات

جلد 2

اسرار قرآنی
انتباہ المؤمنین
تحذیر الناس
مناظرہ عجیبہ
تصفیۃ العقائد
انتصار الاسلام

جلد 3

آب حیات

جلد 4

تحفہ لحمیہ
مصابیح التراویح
الحق الصریح
فی اثبات التراویح
توثیق الکلام
فی الانصات خلف الامام

جلد 5

الدلیل المحکم مع شرح
اسرار الطہارۃ
افادات قاسمیہ
اجوبۃ الکاملۃ
لطائفِ قاسمیہ

جلد 6

اجوبہ اربعین

جلد 7

ہدیۃ الشیعہ

جلد 8

تقریر دلپذیر

جلد 9

قصائد قاسمی
فیوض قاسمیہ
روداد چندہ بلقان
حجۃ الاسلام

جلد 10

گفتگوئے مذہبی
(میلہ خداشناسی)
مباحثہ شاہ جہاں پور
جواب ترکی بترکی
براہین قاسمیہ

جلد 11

قبلہ نما
تنویر النبراس
الحظ المقسوم
من قاسم العلوم

جلد 12

فرائد قاسمیہ
فتویٰ متعلق
دینی تعلیم پر اُجرت

جلد 13

مکتوب گرامی
مضامین ومکتوب الیہ
''انوار النجوم''
اُردو ترجمہ قاسم العلوم
مکتوب اوّل
تخلیق کائنات سے
پہلے اللہ کہاں تھا؟
یعنی مکتوب دوم

جلد 14

مکتوب سوم
مکتوب چہارم
مکتوب پنجم

جلد 15

مکتوب ششم
مکتوب ہفتم
مکتوب ہشتم

جلد 16

مکتوب نہم
مکتوب دہم
مکتوب یازدہم
مباحثہ سفر رُڑکی

جلد 17

جمال قاسمی
مکتوبات قاسمی
(متعلق اسرار الطہارۃ)
حضرت نانوتوی رحمہ اللہ
کے علم وفضل اور
حالات وواقعات پر
متفرق مضامین
حکمت قاسمیہ
سند حدیث (عربی)
علمی خدمات

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
0322-6180738, 061-4519240

Our online Islamic Bookstore:
Email Address: talefat@gmail.com
www.taleefat.com
Like us: facebook.com/taleefat